★ تحفہ برائے ایصال ثواب
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پ
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 977

حقوق الطبع محفوظۃ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی

شیعان آل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلد السادس من تفسیر

انوار النجف
فی
اسرار المصحف

مصنفہ حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ناشر:۔ مکتبہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	تشکریہ معاونین	۵
۲	خواص سورہ	۶
۳	رکوع ۸	۷
۴	میزان کا مطلب	۹
۵	رکوع ۹	
۶	حضرت آدمؑ کی خلقت وحکم سجدہ	۱۰
۷	قیاس ابلیس	۱۱
۸	تکبر کی مذمت	۱۴
۹	قیاس کی مذمت	۱۵
۱۰	خیر و شر	۱۷
۱۱	وسوسۂ شیطان	۱۸
۱۲	وسوسہ کی حقیقت	۲۲
۱۳	انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں	۲۳
۱۴	رکوع ۱۰	۲۴
۱۵	اقیموا وجوھکم کا مطلب	۲۵
۱۶	آداب و اطوار	۲۶
۱۷	اصول طب	۲۸
۱۸	رکوع ۱۱	
۱۹	ترکِ لذات	۲۹
۲۰	دوزخی پیر و مرید	۳۳
۲۱	رکوع ۱۲	۳۴
۲۲	اعراف کا ذکر	۳۵
۲۳	تنبیہ و تذکرہ	۴۰
۲۴	تفسیر رکوع ۱۴	
۲۵	خلقت آسمان و زمین	۴۱
۲۶	شرِ جنات سے بچنے کا ورد	۴۲
۲۷	دعا کا آہستہ مانگنا	۴۳
۲۸	مومن کا ایمان خوف و امید کے درمیان ہے	۴۴
۲۹	رکوع ۱۵	
۳۰	حضرت نوحؑ کا ذکر	۴۴
۳۱	رکوع ۱۶	
۳۲	حضرت ہودؑ کا ذکر	۴۷
۳۳	رکوع ۱۷	
۳۴	حضرت صالحؑ کا ذکر	۴۹
۳۵	حضرت لوطؑ کا واقعہ	۵۶
۳۶	حضرت شعیبؑ کا ذکر	۵۸
۳۷	دربارِ ہشام میں حضرت امام محمد باقرؑ	۵۹
۳۸	پارہ ۹	
۳۹	نشہ کی اقسام	۶۱
۴۰	رکوع ۱	۶۳
۴۱	رکوع ۲	۶۵
۴۲	رکوع ۳	۶۶
۴۳	حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۶۷
۴۴	عصائے موسیٰ	۶۸
۴۵	سوال و جواب	۶۹
۴۶	عصا کی فضیلت و خاصیت	۷۱
۴۷	رکوع ۴	۷۲
۴۸	رکوع ۵	۷۵
۴۹	رکوع ۶	۷۶
۵۰	آل کی تحقیق	″
۵۱	آلِ فرعون پر عذاب	۸۰
۵۲	معجزاتِ رسالتمآبؐ	۸۳
۵۳	رکوع ۷	
۵۴	حضرت موسیٰؑ کا وعدۂ طور	۸۶
۵۵	نکاتِ علمیہ	۸۷
۵۶	انوارِ لطیفہ	۸۸
۵۷	میقاتِ موسیٰ	۹۳
۵۸	دیدارِ خدا کا تصور	۹۴
۵۹	الواحِ موسیٰؑ	۹۶
۶۰	رکوع ۸	
۶۱	سامری اور گوسالہ	۹۸
۶۲	رکوع ۹	۱۰۳
۶۳	حقِ انتخاب	۱۰۴
۶۴	عذاب کا سبب	۱۰۶
۶۴	سابقہ کتابوں میں بشارت	۱۰۷
۶۵	رکوع ۱۰	۱۰۸
۶۶	حضرت حجتؑ کے ساتھ کون ہوگا	۱۰۹
۶۷	رکوع ۱۱	۱۱۱
۶۸	مچھلی کا شکار کرنیوالے	″
۶۹	رکوع ۱۲	۱۱۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۷۰	عہدِ روزِ میثاق کی حقیقت	۱۱۵
۷۱	تکوین و تشریع	۱۲۱
۷۲	کلمۂ کفر	۱۲۳
۷۳	درسِ معرفت	۱۲۶
۷۴	ارواح سے اقرار	۱۲۸
۷۵	اقرارِ نبوت و امامت	۱۲۹
۷۶	اقرارِ ازلی کی روایات	۱۳۰
۷۷	بلعم بن باعورا	۱۳۴
۷۸	اسماء حسنیٰ	۱۳۷
۷۹	نامِ علیؑ کی تاثیر	۱۴۱
۸۰	دعا کی تاکید	۱۴۲
۸۱	رکوع ۱۳	
۸۲	استدراج کا معنی	۱۴۴
۸۳	تفکّر	"
۸۴	امام حسینؑ کی سخاوت	۱۴۶
۸۵	علمِ قیامت	"
۸۶	اعتراض و جواب	۱۴۷
۸۷	علمِ غیب	۱۴۸
۸۸	رکوع ۱۴	۱۴۹
۸۹	عورت کی غرضِ خلقت	۱۵۰
۹۰	غیر خدا کو پکارنے کی مذمت	۱۵۱
۹۱	قرآن کا سننا	۱۵۶
۹۲	سورۃ الانفال	۱۵۹
۹۳	رکوع ۱۵	
۹۴	انفال کا بیان	۱۶۰
۹۵	اصلاح مسلمین	۱۶۲
۹۶	علامات مومن	۱۶۳
۹۷	دوسری علامت	۱۶۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۹۸	تیسری علامت	۱۶۶
۹۹	چوتھی علامت	۱۶۸
۱۰۰	شیعہ کون ہیں	۱۷۰
۱۰۱	تذکرہ	۱۷۸
۱۰۲	نورانی لطیفہ	۱۷۹
۱۰۳	جنگِ بدر	۱۸۱
۱۰۴	رکوع ۱۶	
۱۰۵	آغازِ جنگ	۱۸۷
۱۰۶	رکوع ۱۷	۱۹۲
۱۰۷	علیؑ صراطِ حق ہے	۱۹۳
۱۰۸	رکوع ۱۸	
۱۰۹	واقعہ ہجرت	۱۹۶
۱۱۰	انکارِ ولایت کی سزا	۱۹۸
۱۱۱	بے ہودہ خرچ	۱۹۹
۱۱۲	مدارسِ دینیہ کی امداد رکوع ۱۹	۲۰۰ ۲۰۱
۱۱۳	قائمِ آلِ محمدؐ	۲۰۱
۱۱۴	قصۂ جزیرہ خضرا	۲۰۴
۱۱۵	پارہ ۱۰	
۱۱۶	رکوع ۱	
۱۱۷	خمس کا بیان	۲۱۳
۱۱۸	وجوبِ خمس	۲۱۴
۱۱۹	بحثِ لطیف	۲۱۵
۱۲۰	تحقیق	۲۲۰
۱۲۱	خمس ارباحِ مکاسب	۲۲۱
۱۲۲	خمس میں سال کی قید	۲۲۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۲۳	مواد خمس	۲۲۹
۱۲۴	تقسیم خمس	۲۳۲
۱۲۵	سہمِ امام	۲۳۵
۱۲۶	زمانِ غیبت میں خمس	۲۳۸
۱۲۷	زمانِ غیبت میں خمس کا تصرف	۲۳۹
۱۲۸	جنگِ بدر	۲۴۳
۱۲۹	رکوع ۲	۲۴۶
۱۳۰	قریش کو شیطان کا بہکانا	۲۴۷
۱۳۱	رکوع ۳	۲۴۸
۱۳۲	علمی نکتہ	۲۵۰
۱۳۳	رکوع ۴	
۱۳۴	سیاہ خضاب	۲۵۲
۱۳۵	علیؑ ناصرِ پیغمبرؐ ہیں	۲۵۴
۱۳۶	رکوع ۵	
۱۳۷	حضرت علیؑ و بتولؑ کی مظلومی	۲۵۶
۱۳۸	رکوع ۶	۲۵۸
۱۳۹	ہجرت	۲۵۹

تفسیر

انوار النجف

بحمد اللہ تفسیر انوار النجف نے تھوڑے عرصہ میں بہت کافی مقبولیت حاصل کر لی ہے اور ملک بھر میں اس کی مانگ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ حاسدین نے اگرچہ عوام کو اس تفسیر کی خریداری سے متنفر کرنے کے لئے ہزار ہا حربے استعمال کئے لیکن آخر کار حق کی فتح ہوئی اور صداقت اپنا رنگ لائی۔ تفسیر کے قارئین کرام کا روز افزوں اضافہ اس امر کا غماز ہے کہ تفسیر انوار النجف کی پرکشش روش مخالف غلط سلط پروپیگنڈوں کو دبانے کے لئے خود کافی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس تفسیر کی توسیع اشاعت میں کوشاں رہیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کی خریداری اور مطالعہ کی طرف لوگوں کو رغبت دلا کر علوم قرآن کے فیض کو عام کریں۔ نیز مکتبہ باب النجف کی طرف سے ہمیشہ یہ اعلان ہوتا ہے کہ جو شخص بھی چار مستقل خریدار مہیا کرے گا اسکو تفسیر مذکور مفت بھی بائیگی نیز یہ بھی یاد رہے کہ ہر خریدار کو خریداری قبول کرنے سے پہلے کی شائع شدہ جلدیں پوری قیمت پر دی جائیں گی اور بعد میں شائع ہونے والی جلدوں کی قیمت میں رعایت دی جائے گی

المجالس الفاخرہ

فی

اذکار العترۃ الطاہرۃ

از افادات عالیہ، حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

مجالس و مواعظ کا بہترین مجموعہ جس میں فضائل و مصائب کا بہت کافی مواد موجود ہے۔ ذاکرین و واعظین حضرات کے لئے تحفۂ نایاب ہے۔ مجموعہ کی قیمت بہت کم مقرر کی گئی ہے۔ تاکہ ہر شخص آسانی کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکے۔ آج سے اس کی خریداری قبول کر لیجئے ورنہ پھر دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

قیمت بلا جلد ۵ر

خرچہ ڈاک بذمہ خریدار

۶ر

مکتبہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی غلام حیدر صاحب دار العلوم محمدیہ بلاک ۱۹ سرگودھا

شکریہ معاونین

فخرِ قوم سیادت مآب جناب سید محمد حسن شاہ صاحب گردیزی زید معالیہ؛

اس گئے گزرے دور میں جبکہ قرآن مجید کی تلاوت ہی بارِ خاطر ہے تو اس کے معانی کو جاننے اور اس کی تفسیر پر غور کرنے کے لئے وقت نکالنا ایک فرسودہ خیال ہی معلوم ہوتا ہے لیکن بحمد اللہ تفسیر انوار النجف کے اسلوبِ بیان نے جہاں اپنے حلقہ قارئین میں وسعت پیدا کر لی ہے وہاں ساتھ ساتھ خداوند کریم کے فضل و کرم سے بعض صاحبانِ ثروت و اہل خیر نے علوم قرآنیہ کے فیض کو عام سے عام تر کرنے کے لئے قابلِ تقلید قدم اٹھا کر اشاعتِ تفسیر کے لئے گرانقدر پیشکش فرمائی اور گردیزی صاحب موصوف اس سلسلہ میں تمام معاونین تفسیر سے سبقت رکھتے ہیں۔ خداوند کریم ان کی اس قربانی کو قبول فرمائے اور ان کے اکابر مرحومین کو سایہ عفو میں جگہ دے اور ان کے حلال و طیب رزق میں وسعت بخشے نیز ان کو بمعہ اعزاء و اقرباء کے جملہ آفات و بلیات سے محفوظ و مصون رکھے آمین

حافظ سید صاحب علی شاہ مرحوم

ضلع سرگودھا کے ان مایہ ناز افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی خدمتِ قوم کے لئے وقف کر دی بونگہ بلوچاں میں سکونت پذیر تھے ان کے دو فرزند ہیں ایک ڈاکٹر سید حاذق نقی شاہ جو آنکھوں کے پاکستان بھر میں لاثانی معالج ہیں۔ اس وقت شہر سرگودھا میں خدمتِ خلق میں مصروف ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں آنکھوں کے مریض ان کے پاس حاضر ہو کر باذنِ پروردگار بصارت کی تندرستی سے واپس پلٹتے ہیں دوسرے ڈاکٹر سید مظہر حسین شاہ جو پہلے کافی عرصہ فوج میں رہے اور اب اپنے مسکن بونگہ بلوچاں میں تشنگانِ صحت و عافیت کے لئے چشمہ فیض کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے پاس بھی سال بھر میں ہزاروں بیمار حاضر ہوتے ہیں اور باذنِ پروردگار شفایاب ہو کر واپس پلٹتے ہیں۔

مرحوم عتباتِ عالیات کے زائر تھے قومیات کے اس قدر دلدادہ تھے کہ باوجود پیرانہ سالی کے انہوں نے ۱۹۳۹ء کے تحفظ ایجی ٹیشن میں بھی حصہ لیا۔ ایک عرصہ تک علامہ شیخ عبدالعلی ہروی قدس روحہ کے مترجم بھی رہے اپنے علاقہ میں عمر بھر تبلیغ شیعیت کو جاری رکھا پنجابی زبان میں شاعر بھی تھے۔ ایک رسالہ نماز اور مجموعہ مراثی بھی پہلے زمانہ میں انہوں نے چھپوائے۔

۲۶ فروری ۱۹۷۰ء کو اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ دمِ مرگ پانی پیا اور خاتمہ شہدائے کربلا پڑھ کر جانِ جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ مرحوم کے لئے سورۂ فاتحہ تلاوت فرمائیں۔

سُورَۃُ الْاَعْرَاف

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی کل آیات دو سو چھ ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورۂ اعراف کو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھے گا تو اس کو بروزِ محشر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ اگر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھے تو اس کا حشر ان لوگوں میں ہوگا جن سے حساب نہ لیا جائے گا۔ اس سورہ مجیدہ میں آیاتِ محکمات موجود ہیں پس اس کی تلاوت کو ترک نہ کرو کیونکہ یہ بروزِ محشر اپنے پڑھنے والے کے حق میں گواہی دیں گی حدیثِ نبوی میں ہے کہ جو شخص یہ سورہ پڑھے گا خداوند کریم بروزِ قیامت اس کے اور ابلیس کے درمیان پردہ حائل کرے گا اور وہ آدمؑ کا ساتھی ہوگا اور جو شخص گلاب اور زعفران کے پانی سے لکھ کر اس سورہ کو اپنے پاس رکھے گا تو جب تک یہ سورہ اس کے پاس ہوگی کوئی دشمن یا درندہ اس کے قریب نہ آسکے گا۔

maablib.org

رکوع ۸ الٓمٓصٓ حروف مقطعات میں سے ہے ابن عباسؓ سے اس کا معنی منقول ہے انا اللہ اعلم وافضل اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے انا اللہ المقتدر الصادق ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابولبید مخزومی سے فرمایا اِنَّ فِی حروف القرآن المقطعۃ لعلماً جماً یعنی تحقیق قرآن مجید کے حروفِ مقطعات میں بہت بڑا علم پوشیدہ ہے ہم نے الٓمٓ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی ضروری وضاحت کردی ہے۔

کِتٰبٌ:۔ ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی ھٰذا الکتابُ اور پھر فلا یکن اس کی دوسری خبر ہے۔ انزال کا فاعل شانِ کبریائی کے اظہار کے لئے نیز معین ہونے کے پیش نظر ترک کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)
الٓمٓصٓ ۚ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ
یہ کتاب نازل کی گئی تجھ پر پس نہ ہو ترے سینہ میں تنگی
مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِتَّبِعُوْا مَا
اس کی وجہ سے تاکہ ڈرائے اس کے ساتھ اور نصیحت واسطے مومنوں کے اتباع کرو اس کی جو
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ
اتاری گئی تمہاری طرف تمہارے رب سے اور نہ اتباع کرو اس کے ماسوا اولیاء کی
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو اور بہت سی بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کیا

فَلَا يَكُنْ:۔ پہلے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے تم پر نازل ہوئی تو یہاں شرط کا مقام پیدا ہو گیا۔ لہٰذا جواب میں فاء کا آنا درست ہوا یعنی اِذَا عَلِمْتَ ھٰذَا فَلَا يَكُنْ الحرج کا معنی ہے تنگ دلی اور یہ دو طرح سے آتی ہے۔ ۱۔ جب کہ حاکم کی طرف سے امر کے صدور میں شک ہو۔ ۲۔ جب کہ امر کی تعمیل میں خطرہ نظر آ رہا ہو، خداوند کریم نے سینہ میں حرج کی پیدائش کے ہر دو اسباب کو رد فرما دیا ہے اس جملہ سے (کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ) کہ بلاشک جب کتاب میری طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ میری ہی جانب سے ہے تو کس کی مجال ہے کہ میری محافظت کے ہوتے ہوئے تمہارا بال بھیکا کر سکے۔ لہٰذا حرج اور تنگدلی کو محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لِتُنْذِرَ:۔ طبائع انسانیہ فطری طور پر دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ۱۔ ایک سفلی جن کا مطمح نظر صرف لذاتِ دنیاویہ کے حصول تک ہی محدود رہتا ہے۔ ۲۔ دوسرے شریف جن کا مطمح نظر انسانی کمالات حاصل کرکے ارتقاءِ نفس ہوتا ہے۔ پس خدا کا رسول پہلے

گروہ کے لئے صرف منذر بن کر آتا ہے کیونکہ سفلی مزاج اور کمینہ فطرت کے لوگ دلیل و برہان یا کسی دوسری معقول بات کی طرف نہیں توجہ کرتے۔ جیسے مثل مشہور ہے۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اور دوسری قسم کے لوگ چونکہ عالم علوی سے وابستگی کے پہلے سے خواہاں ہوتے ہیں لیکن خوابِ غفلت سے جگانے والا کوئی نہیں ہوتا بس رسولؐ ان کو خوابِ غفلت سے جگا کر ان کو اپنے صحیح راستہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ واضح مثال یوں سمجھئے کہ تاریکی میں رہنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جو حرامکاری اور بدمعاشی کی تکمیل چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو کسی منزلِ مقصود پر جانے کیلئے بے چین ہوتے ہیں لیکن تاریکی میں کہیں جا نہیں سکتے۔ روشنی ان کو مل نہیں سکتی۔ لہذا منزلِ مقصود پا نہیں سکتے تو اس صورت میں روشنی لانے والا پہلی قسم کے لئے وبال ہوگا اور دوسری قسم کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہوگا پہلی قسم والے اس کے ساتھ نہ چلیں گے، جب تک کہ ان کو ڈرایا دھمکایا نہ جائے اور دوسری قسم والے اس کے ساتھ چلنا اپنی خوش نصیبی محسوس کریں گے۔ اور ذکرٰی کی مومنین کے ساتھ تخصیص اسی لئے کی ہے کہ بالفعل قرآن مجید کے نصائح سے فائدہ وہی لوگ ہی اٹھاتے ہیں جو مومن ہوں جس طرح اس کو ھُدًی لِلْمُتَّقِین کہا گیا ہے۔

فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَآئِلُونَ ○ فَمَا كَانَ

پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے پس نہ تھی ان کی

دَعْوٰىهُمْ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ إِلَّآ أَنْ قَالُوٓا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ⑤

کوئی بات جب ان پر آیا ہمارا عذاب مگر صرف یہی کہا کہ تحقیق ہم لوگ ظالم تھے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ⑥

پس ضرور ہم پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ضرور پوچھیں گے ہم رسولوں سے (بھی)

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَآئِبِينَ ○

پس ضرور ہم بیان کریں گے (ان کے اعمال) ان پر ساتھ علم کے اور ہم غائب تو نہ تھے

فَجَآءَهَا۔ جناب رسالتمآبؐ کو مزید تسلی دی گئی ہے کہ آپ انذار کرنے میں دل تنگ نہ ہوں یہ کافر و مشرک آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیوں کہ اگر کفار سرکش ہو کر رسولوں کی توہین پر اتر آئیں تو ہم عذاب میں ان کو مبتلا کر دیا کرتے ہیں چنانچہ اُمم سابقہ کی تاریخ شاہد ہے کہ جب نبیوں کو جھٹلایا اور تنگ کیا گیا تو ہم نے رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیا جیسا کہ حضرت لوطؑ کی امت پر رات کو عذاب آیا جب کہ وہ محوِ خواب تھے اور حضرت شعیبؑ کی امت پر دن کو عذاب آیا جب کہ وہ بوقتِ دوپہر سوئے ہوئے تھے۔ پس اس مثال سے حضرت رسالتمآبؐ کو تسلی دی گئی ہے اور امت کو تکذیب و تردید کے خطرناک انجام سے متنبہ کیا گیا ہے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ۔ آیت مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر ہر ایک سے سوال و جواب ہوگا۔ رسولوں سے تبلیغِ رسالت کا

کا سوال ہو گا اور امت سے تبلیغ رسالت پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو گا اس کے بعد فرماتا ہے فَلَنَقُصَّنَّ یعنی ہم ان کے کرتوت ان کے سامنے خود بیان کریں گے کیوں کہ ہم غائب تو نہ تھے نیز ان کے تمام اعمال ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ پس اس صورت میں پوچھنا واقعہ کی تفتیش کے لئے نہیں بلکہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہے۔

وَالْوَزْنُ۔ مفسرین کے اس میں چند اقوال ہیں لیکن علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں وزن سے مراد عدل ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ ایک ترازو نصب ہو گا جس کے دو پلڑے ہوں گے اور اسی کے ذریعہ سے انسانوں کی نیکیاں اور برائیاں تلیں گی۔ ممکن ہے ابن عباس کے قول سے بھی وہی معنی عدل مراد ہو اور سادہ لوح انسانوں کو سمجھانے کے لئے مقصود کی تعبیر ان لفظوں سے کی ہو کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ	اور تول اس دن پورا ہو گا پس جس کا تول بھاری ہو گا تو وہ چھٹکارا
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	پانے والے ہوں گے اور جس کا تول ہلکا ہو گا تو انہوں نے
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۞ وَلَقَدْ	خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو کیونکہ وہ ہماری آیات سے بے انصافی کرتے تھے اور تحقیق ہم نے
مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (ع)	ٹھہرایا تم کو زمین میں اور بنائی تمہاری اس میں گزران تھوڑا ہی تم شکر کرتے ہو

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ موزون کی جمع ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ثقل موازین سے مراد نیکیاں ہیں اور خفت سے مراد برائیاں ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہونگی تو وہ فلاح پائیں گے اور جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی تو وہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔ تفسیر کبیر میں بروایت ابن عمر حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ بروزِ محشر ایک شخص کے ۹۹ دفتر برائیوں کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے کہ ایک ایک دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہو گا۔ پھر اس کے دوسرے پلڑے میں ایک چھوٹا سا پرزہ رکھا جائے گا جس میں اس شخص کی شہادت توحید و رسالت ہو گی۔ پس یہ پلڑہ جھک جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ موازین جمع ہو میزان کی تو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ نیکی کی ہر ہر قسم کا میزان جدا جدا ہو گا اور اس کے مقابلہ میں اسی قسم کی برائی ہو گی اور صاحب صافی فرماتے ہیں کہ میزان کا مطلب ہے ایسا معیار جو انسان کی قدر و قیمت پر دلالت کرے اور وہ ہے عقیدہ اگر عقیدہ درست ہو تو انسان کی قدر و قیمت بلند اور اگر عقیدہ فاسد ہو تو اس کی قدر و قیمت ختم پس اس اصول کے ماتحت ہر امت کا میزان ہے۔ اس امت کا نبیؐ و امامؑ کیونکہ نبوت و امامت کا صحیح عقیدہ ہی انسان کی نیکیوں کا اصلی سبب ہوا کرتا

ہے اور نبوت وامامت کے متعلق غلط عقیدہ ہی تمام برائیوں کی جڑ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب موازین کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء و اوصیاء ہیں اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ وہ موازین ہم ہیں۔ پس عقیدہ کی درستی ہی نجات کی ضامن ہے چنانچہ تفسیر کبیر کی سابقہ روایات بھی اسی امر کی تائید کرتی ہے۔

رکوع ۹ — حضرت آدمؑ کی خلقت اور حکم سجدہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ :- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ابتدائے خلقت آدمؑ کا ذکر ہے اور کُمْ کا مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر صورت انسان کی اس کو مرحمت کی پھر فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا۔ اس طرح ہے جس طرح بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا حالانکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے اسلاف سے وعدہ لیا اور ان پر کوہ طور کو بلند کیا ۲۔ ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کیا پھر اس کی پشت میں تمہاری تصویر کشی کی۔ پھر فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا (۳) مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم کو صورت و شکل دی۔ پھر اس بات کی تم کو خبر دیتا ہوں کہ فرشتوں کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم میں نے دیا تھا گویا ثُمَّ کے بعد اُخْبِرُكُمْ محذوف ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے باپ کی پشت میں رہائش اور تصویر سے مراد شکمِ مادر میں منازلِ ارتقاء کی سیر اور بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے انعقاد نطفہ اور تصویر سے مراد ہے اعضاء و جوارح کی موجودہ ترتیب و کیفیت نیز حسن و قبح اور دیگر کیفیات بدنیہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

اور تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں صورت دی پھر حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○

آدم کا تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نہ ہوا سجدہ کرنے والوں سے

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

پوچھا اللہ نے کس چیز نے تجھے روکا کہ سجدہ نہیں کیا جب میں نے حکم دیا تو کہنے لگا میں اس سے بہتر

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ

ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے فرمایا اتر جا

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○

اس جگہ سے تیرا کوئی حق نہیں کہ فخر کرے اس جگہ پس نکل جا کر تو کمینہ ہے۔

maablib.org

وخلقیہ سے آراستگی۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ جب پروردگار نے از روئے سرزنش فرمایا کہ تو نے آدمؑ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کیا جب کہ میرا حکم تھا تو اس بدباطن نے نہایت نڈر ہو کر تکبر کے انداز سے اپنی انانیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا کہ میں اس سے بہتر وافضل ہوں اور جو بہتر ہو وہ اپنے سے ناقص کا سجدہ کیوں کرے؟ محض اپنے بے محل قیاس پر اتراتے ہوئے اپنے تئیں حکمِ عمومی سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور پھر اپنے مزعوم باطل کو خدا سے منوانے کے لئے دلیل وبرہان کے میدان میں اتر آیا اور اس سلسلہ میں قیاس کو پیش کیا۔

فَاهْبِطْ مِنْهَا ۔ چونکہ ابلیس کا انکارِ سجدہ محض تکبر کی بناء پر تھا اور اس کی قیاسی دلیل خوئے بدرا بہانہ بسیار کے ماتحت تھی اور نیز مقدماتِ قیاس اس قدر بودے اور ناقص تھے کہ ان کی تردید کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا پروردگار نے اس کی بدضمیری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صرف تیرے تکبر کی شامت ہے پس اس منزلِ رفیعہ سے اتر جا کیونکہ میری بارگاہ میں منزلِ رفیعہ پر عجز وانکساری اور اطاعت شعاری سے ٹھہرا جا سکتا ہے پس جو مرتبہ پہلے حاصل کر چکا تھا اس سے معزول کر دیا گیا اور بارگاہِ قرب سے نکالا گیا گویا اس صورت میں فَاهْبِطْ اور فَاخْرُجْ کا امر تکوینی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ یہ امر آسمان پر ہوا پس انکار کے بعد اس کو حکم ہوا کہ اب آسمان سے اتر جا اور زمین پر رہ اور جنت سے نکل جا۔ لہٰذا یہ دونوں امر تشریعی ہیں لیکن یہ پہلا معنی زیادہ موزوں ومناسب ہے واقعہ کی تفصیل تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں مرقوم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس جگہ دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

قیاسِ ابلیس

ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کی جواز کو اپنے زعم میں دو مسلمہ مقدموں کا رہین منت قرار دیا (۱) میں آدم سے اشرف وافضل ہوں چنانچہ صاف واشگاف لفظوں میں کہدیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

ابلیس اگرچہ حضرت آدمؑ کے سامنے نہیں جھکا لیکن اپنے تمرّد کے جواز کے لئے ایک قیاسی نکتہ اس کے پیشِ نظر تھا وہ یہ کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ یعنی میں اس سے بہتر وافضل ہوں۔ پس ابلیس سے بھی بدترین انسان ہے وہ جو اپنے اندر احساسِ کمتری پاتے ہوئے زبان سے لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ کا اعلان کرے اور اپنے سے افضل کا اعتراف کر کے اس کے سامنے جھکنے سے گریز کرے اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ افضل کو اپنے سامنے جھکانے کی سعی نامسعود میں اسے تشدد کا نشانہ بنائے حالانکہ ابلیس نے باوجود دعوائے افضلیت کے حضرت آدم کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش تو بجائے خود اس ظلم کا دل میں خیال تک نہ کیا تھا۔ (۲) جو اشرف وافضل ہو تو جائز نہیں کہ اس کو پست کے سامنے جھکنے کا حکم دیا جائے لہٰذا مجھے آدم کے سجدہ کا حکم دینا غلط اور ناجائز ہے۔ دوسرا مقدمہ چونکہ وہ اپنے نزدیک واضح اور بدیہی سمجھتا تھا۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی اور سوال پروردگار کے جواب میں صرف پہلے مقدمہ کو ثابت کرنے کی سعی نامسعود میں گویا ہوا کہ میرا مادۂ خلقت آگ ہے اور آدمؑ کا مادۂ خلقت مٹی ہے۔

لہٰذا میں آدم سے افضل ہوں۔ یہاں دو اور مقدمے موجود ہیں جن کو ابلیس مسلّمات سے فرض کرکے ان کے اثبات کے درپے نہیں ہوا اور وہ یہ کہ (۱) آگ مٹی سے افضل ہے۔ (۲) جس کا مادۂ تخلیق افضل ہو وہ افضل ہی ہوا کرتا ہے۔

آگ کے مٹی سے افضل ہونے کے چند وجوہ ہیں۔ (۱) آگ میں چمک اور روشنی ہے اور زمین میں تاریکی اور ظلمت ہے۔ ۲۔ آگ میں بلندی ہے چنانچہ کرۂ نار تمام کرّوں سے اوپر ہے اور زمین میں پستی ہے چنانچہ کرۂ ارض تمام کرّوں سے پست ہے ۳۔ کرۂ نار عالمِ علوی کا مجاور ہے اور کرۂ ارض عالمِ علوی سے بہت دور ہے ۴۔ آگ لطیف ہے اور مٹی کثیف ہے ۵ آگ میں تاثیر کرنے کا جوہر ہے اور زمین میں صرف قبول کرنے کا مادہ ہے۔ پس آگ فاعل ہے اور زمین منفعل ہے ۶۔ آگ میں حرارت ہے جو زندگی سے مناسبت رکھتی ہے اور زمین میں برودت ہے جو موت سے موزوں ہے۔ یہ وہ ظاہری وجوہ ہیں جن سے آگ کی برتری ثابت ہوتی ہے لیکن اگر آگ اور مٹی کے ذاتی خواص و اوصاف کا جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ آگ زمین کے مقابلہ میں فضائل و کمالات سے تہی دامن ہے۔ اور آگ کے پاس صرف حسنِ ظاہر کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

(۱) زمین میں خشوع و خضوع اس کی فطری و جبلّی صفت ہے جو شایانِ شانِ مخلوق ہے اور آگ اس صفت سے خالی ہے بلکہ اس میں سربلندی اور تکبّر کی صفتِ بد پائی جاتی ہے جو مخلوق کے لئے انتہائی طور پہ ناپسندیدہ ہے اور زمین اس صفتِ بد سے منزّہ ہے چنانچہ آگ پہ اور آگ کا اضافہ ہو تو اوپر کی طرف بڑھتی ہے اور مٹی کے اوپر مٹی ڈالو تو وہ نیچے کی طرف لڑھک جاتی ہے۔ (۲) آگ میں بلندی کی صفت ہے اور ہر بلندی کی انتہا تنزّل کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ اور زمین اس خطرہ سے بے نیاز ہے (۳) آگ میں جو چیز ڈالی جائے وہ اسے جلا دیتی ہے اور زمین میں جو چیز رکھی جائے وہ اسے محفوظ رکھتی ہے۔ ہاں زمین میں بعض چیزوں کا گل سڑ جانا اس لئے نہیں ہوا کرتا کہ زمین انہیں نقصان پہنچاتی ہے بلکہ چیزوں کے کافی عرصہ تک زمین میں رہنے سے ان کو زمین سے مانوسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس وہ اپنی موجودہ صورت کو زمین کی صورت سے بدلنے لگ جاتی ہیں رفتہ رفتہ وہ شکلِ ارضی اختیار کر لیتی ہیں یعنی زمین کی طویل صحبت انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے نہ کہ ان کو فنا کرتی ہے بخلاف اس کے آگ میں یہ قابلیت نہیں کہ کسی چیز کو اپنے رنگ میں رنگ کر اسے آگ بنا دے بلکہ جو بھی اس کے قریب جائے اس کا کام ہے اس کو جلا کر خاکستر بنا دے ۴۔ زمین میں قوتِ تولید اور مادۂ نمو ہے چنانچہ تمام نباتات اس کی ان دونوں قوتوں کے شاہد بیّن ہیں اور اسی پر تمام ذوی الارواح مخلوق کی زندگی کا دار و مدار ہے اور آگ میں بخلاف اس کے قوّتِ احراق ہے جو ذوی الارواح و غیر ذوی الارواح تمام مخلوق کے لئے پیغامِ موت ہے (۵) زمین میں امانت کا مادہ ہے اور آگ میں اس کے برخلاف خیانت کا مادہ ہے۔ ۶۔ زمین اللہ کی مخلوق کے لئے محلِ سکون ہے اور آگ نافرمانوں کے لئے جیل خانہ اور محلِ عذاب ہے ۷۔ زمین کو اپنی فروتنی کے باعث

یہ شرف نصیب ہے کہ خدا نے اس کو محلِ سجدہ قرار دیا نیز مدفن انبیاء و اولیاء بھی اسی کو قرار دیا اور آگ صرف اس کے دشمنوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ ۸۔ زمین ظاہری صورت میں عالمِ علوی سے اگرچہ دور ہے لیکن ان عادات حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے عالمِ علوی کے قریب تر ہے اور برخلاف اس کے آگ ظاہری طور پر جس قدر عالمِ علوی کے قریب ہے اوصاف غیر محمودہ کی بناء پر اسی قدر عالمِ علوی سے دور تر ہے ۹۔ آگ کی شکل لطیف ہے لیکن عمل کثیف ہے اور برخلاف اس کے زمین کی شکل کثیف اور عمل لطیف ہے ۱۰۔ آگ میں اثر کرنے کی قوت ہے اور اس میں اثر لینے کی قوت نہیں ہے اور بخلاف اس کے زمین میں اثر کرنے کی قوت ہے جس طرح قوت تولید و نمو وغیرہ اور اس میں اثر لینے کی بھی قوت ہے اور جس میں دونوں قوتیں ہوں وہ ایک قوت والی چیز سے افضل ہے ۱۱۔ زمین کا اثر کرنا ایک اندازۂ خاص کے ماتحت ہوتا ہے جو قابل و منفعل کے لئے باعثِ نمو و زیادتی ہوتا ہے اور فائدہ مند ہوتا ہے لیکن آگ میں جو اثر کرنے کا جوہر ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ حتیٰ کہ قابل و منفعل کو موت سے ہم آغوش کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں جن میں آگ اثر کرتی ہے۔ ہمیں آگ کے اثر کو کنٹرول کرنے کے لئے وسائط تلاش کرنے پڑتے ہیں اور ذرائع و تدابیر پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آگ کی تاثیر کسی حد تک پہنچ کر ختم کر دی جائے اور قابل و منفعل کو موت سے بچا لیا جائے۔ پس ان باطنی خوبیوں کو اگر نظر انداز کیا جائے اور صرف ظاہر ہی دیکھا جائے۔ تو ابلیس کی طرح دھوکا میں پڑنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے کیونکہ وہ مٹی کی حقیقی اور باطنی اوصاف کو نظر انداز کر کے آگ کی ظاہری چمک دمک پر ناز کرتے ہوئے اپنی ناری پیدائش کو آدمؑ کی خاکی پیدائش پر ترجیح دے رہا تھا اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا نعرہ بلند کر رہا تھا جب ثابت ہو گیا کہ مٹی کو ہی فضیلت حاصل ہے تو قیاس کا پہلا مقدمہ باطل ہو گیا لہٰذا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا دعوٰے باطل ہو گیا۔ خدا کو بھی معلوم تھا کہ یہ آگ سے پیدا ہے اور آدمؑ مٹی سے ہے اور فرشتے نور سے ہیں اور وہی ان سب کا خالق ہے مگر بالفرض مٹی کا درجہ پست بھی ہو تاہم ہو سکتا ہے کہ پست مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں ایسا جوہر رکھ دیا جائے جو بلند مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہ ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حکم دینے کے پہلے اس جوہر کی نشاندہی کر دی جائے جو اس خاص مخلوق کو تفویض کیا گیا ہے، اسی لئے تو جب ابلیس نے انکار کیا تو معرضِ عتاب میں ذات پروردگار نے ارشاد فرمایا۔ جب میرا حکم تھا تو پھر اور کونسی چیز تجھے سجدہ سے مانع ہوئی؟

اس تہدیدی سرزنش کے بعد تو ابلیس کو یقین ہی تھا کہ میں حکمِ سجدہ سے مستثنٰی نہیں تھا اور خالق کا مجھے مستثنٰی نہ قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ آدمؑ میں ایسا جوہر موجود ہے جو آگ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہیں ہو سکتا لہٰذا اپنے مقام پر اس کو اپنے قیاس کے بے محل ہونے کا یقین تھا لیکن مقام انانیت میں آکر پوری جسارت اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی وجہ افضلیت بیان کی اور انکارِ سجدہ پر ڈٹا رہا، اس مقام پر ابلیس نے دو غلطیاں کیں۔ ایک اظہارِ تکبر اور دوسری حکم شرعی خداوندی میں اپنے قیاس کا ڈھونگ اور چونکہ دوسری غلطی پہلی غلطی کا اثر و نتیجہ تھی۔ اس لئے خداوند کریم نے اس کی پہلی غلطی کی مذمت فرمائی اور عتاب کا رخ بھی اسی پہلی غلطی کی طرف کیا۔ اور ابلیس کو

maablib.org

مرتبہ سے گرانا اور اپنے دربار سے نکال دینا اور اسے رجیم مردود ملعون اور کمینہ وغیرہ خطابات سے مخاطب کرنا اسی تکبر ہی کے نتیجہ میں تھا۔

تکبر الانسان مدنی الطبع ہونے کے لحاظ سے باہمی میل جول کا محتاج ہے اور باہمی انس و محبت ہی میل جول کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے اور کردار و اخلاق کی صحت ہی انسان کی اس اہم پوزیشن کی کفالت کر سکتی ہے اور اخلاق کی کمزوری اور کردار کی پستی باہمی انس و محبت کی دشمن اور میل جول کی قاطع ہے تمام انبیاء انسانوں کو اخلاق کی تعلیم و تربیت دینے کے لئے تشریف لائے تاکہ انسانی تمدن صحیح معنی میں برقرار رہے اور اخلاقِ انسانیت سے دست بردار ہو کر یہ انسان درندگی اور بہیمیت کی نازیبا صفات کا مظہر نہ بنے اور تمام صفاتِ بد میں سے تکبر ایسی بدصفت ہے جو تنہا انسانی زندگی کی بربادی یا خرمن امن و اتحادِ بشری کے خاکستر ہونے کے لئے کافی ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں مکارم الاخلاق کی تعلیم کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں حضورؐ اور حضورؐ کی آلِ اطہار علیہم السلام سے تکبر کی مذمت میں بہت کچھ احادیث وارد ہیں چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اُصُولُ الْکُفْرِ ثَلَاثَۃٌ اَلْحِرْصُ وَالْاِسْتِکْبَارُ وَالْحَسَدُ۔ کفر کی جڑیں تین چیزیں ہیں (۱) حرص ۲. تکبر ۳. حسد۔

۲. امام جعفر صادق علیہ السلام سے الحاد کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تکبر الحاد کا پہلا زینہ ہے۔

۳. آپ نے فرمایا ہر قوم کے بدترین انسانوں میں تکبر ہوا کرتا ہے۔ کبر اللہ کی ردا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے وہ اللہ کی ردا میں ہاتھ ڈالتا ہے اور خدا اس کو ذلیل کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ خدا الٹے منہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالے گا

۴. امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک مثقال برابر بھی تکبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۵. امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام سقر ہے اور وہ صرف متکبرین کے لئے ہے۔

۶. امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تکبر اور فخر کرنے والے انسان پر تعجب ہے کہ کل تو وہ نطفہ تھا اور آئندہ مردہ ہو جائے گا۔ یعنی جس کی ابتداء اور انتہا اس قدر ذلیل ہو وہ تکبر کرنے کا کیا حق رکھتا ہے بلکہ درمیانی منزل میں تاجِ کرامت سے سرفراز ہو کر اپنے اس پروردگار کا کیوں نہ شکر ادا کرے جس نے اس کو اس قسم کی ردی اور ناقص منزل سے بلند کر کے انسان اور اشرف المخلوقات بنایا اور بعد کی منزل یعنی موت کو یاد کر کے اس سے خوف کھاتا رہے اور نافرمانی کی جرأت نہ کرے۔

۷. تفسیر صافی میں ہے حضورؐ نے فرمایا جو تواضع کرتا ہے خدا اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے خدا اس کو پست کرتا ہے۔

maablib.org

اگر اس سلسلہ میں اہل بیتؑ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو انسان محوِ حیرت ہو کر رہ جاتا ہے ان کے اخلاق کو دیکھ کر جیب اپنے گریبان میں انسان نظر دوڑاتا ہے تو اسلام ہی بجائے خود انسان کے لئے انسان کہلانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اسی تکبر کی نفی کے لئے حکم دیا کہ انسان اکیلا کھانا نہ کھائے کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔ اکیلا کمرے میں نہ سوئے بلند سٹیج پر اکیلا نہ بیٹھے۔ چند ساتھیوں کے ہمراہ کہیں جاتے ہوئے آگے چلنے میں خوشی نہ محسوس کرے۔ یہ سب تکبر کی علامات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معصوم زمین پر بیٹھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے اور اپنی خدمت آپ کرنا ان کا شیوہ تھا۔ غلاموں کے ساتھ مل کر ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ کسی کو توہین آمیز خطابات سے خطاب نہ کرتے تھے حتیٰ کہ کتاب اربعین علامہ مجلسی میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے چہل حدیث میں حضرت علیؑ سے یہ بھی فرمایا کہ کسی چھوٹی قد والے کو چھوٹے قد والا کہہ کر نہ بلاؤ اور کسی بڑی قد والے کو بڑی قد والا کہہ کر نہ بلاؤ کیونکہ اس میں بھی اس کی توہین ہے اور اپنے تکبر کی نشانی ہے۔

قیاس کی مذمت

تمام فرق اسلامیہ میں سے مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کو یہ بجا فخر حاصل ہے کہ اس مذہب میں بالکل قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ آئمہ اہلبیت سے قیاس کی مذمت میں احادیث تواتر سے مروی ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیاس والوں نے علم کو قیاس سے حاصل کرنا چاہا لہٰذا وہ حق سے دور تر ہوتے گئے کیونکہ اللہ کا دین قیاس سے نہیں حاصل ہو سکتا تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا گناہ جو صفحہ عالم پر سرزد ہوا وہ ابلیس کی انانیت تھی جب خدا نے آدم کے سجدہ کا فرشتوں کو حکم دیا پس سب نے سجدہ کیا سوائے اس لعین کے تو خدا نے فرمایا تو نے کیوں سجدہ نہیں کیا جب کہ میں نے حکم دیا تھا تو اس نے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا نعرہ لگایا اور اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا تو خدا نے اس کو ملعون ٹھہرایا اس کا نام رجیم رکھا اور بارگاہِ قرب سے نکال دیا اور خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ جو بھی دین میں قیاس کرے گا اس کو اپنے دشمن ابلیس کے ساتھ ملا کر جہنم کے نچلے طبقے میں داخل کروں گا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ابو حنیفہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو فرمایا اے ابو حنیفہ میں نے سنا ہے کہ تو قیاس کرتا ہے تو اس نے ہاں میں جواب دیا آپ نے بطور نصیحت فرمایا قیاس مت کیا کرو کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے جب کہ اس نے خدائی حکم کے سامنے قیاس کرتے ہوئے کہا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ اگر آدم کی نورانیت کا اپنی ناریت سے مقابلہ کرتا تو اسے پتہ چلتا کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ اور اس مکالمہ کو ہم نے مقدمہ تفسیر میں وضاحت سے نقل کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ ابلیس پر اپنے قیاس کی مار پڑی اور قرآن نے اس واقعہ کو متعدد بار دہرایا تاکہ امتِ

maablib.org

اسلامیہ اس سے درسِ عبرت حاصل کرے لیکن آلِ محمدؐ کے دروازہ پر نہ جھکنے اور علم کو اپنے اہل سے نہ حاصل کرنے کی بدولت مسلمانوں نے جہاں اور ہزاروں ٹھوکریں کھائیں وہاں یہ مصیبت بھی ان کے لئے طوقِ گردن ہو گئی کہ قیاس کو دین سمجھ بیٹھے چنانچہ فقہاءِ اسلام نے قرآن و حدیث کے بعد حکم فقہی کا ماخذ قیاس کو قرار دیا بلکہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دی چنانچہ فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے اِنَّ مَذْهَبَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ اِذَا وَرَدَ عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ لَمْ یُقْبَلْ یعنی ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب اکیلی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو وہ قبول نہ کی جائے گی بلکہ قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ تفسیر کبیر جلد ۱ صد ۱۰۹ چاپ مصر اور دوسرے مقام پر رازی قیاس کے متعلق ابن عباس سے روایت نقل کرتا ہے کہ ابلیس کے لئے فرمانبرداری قیاس سے بہتر تھی لیکن اس نے نافرمانی کر کے قیاس کر لیا اور پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہی ہے پس جو شخص بھی اپنی رائے سے دین میں قیاس کرے گا خدا اس کو ابلیس کے ساتھ مقرون کرے گا تفسیر کبیر جلد ۴ صد ۱۸۵ چاپ مصر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں کتاب و اہلبیتؑ سے تمسک کی توفیق مرحمت فرمائی اور ایسے آئمہ کی پیروی سے ہمیں نجات دی جو حدیث رسولؐ سے اپنے قیاس کو بہتر سمجھتے ہیں خدا برا کرے تعصب کا کہ رازی جیسے انسان بھی اس مرض کا جب شکار ہوئے تو حق و باطل میں فرق کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا چنانچہ خود معترف ہے کہ ہمارے آئمہ قیاس کو حدیثِ رسولؐ پر ترجیح دیا کرتے تھے اور یہ بھی جانتا ہے کہ قیاس کرنے والے شیطان کے ساتھی ہوں گے اور باوجود اس کے پھر ہے۔ انہی کے نقشِ قدم پر اگر آلِ محمدؐ سے مفت کی عداوت نہ ہوتی تو کیوں دیدہ دانستہ قعرِ ہلاکت میں کرنے کو گوارا کرتا۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝١٤ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝١٥

کہنے لگا مجھے مہلت دے یوم حشر تک فرمایا تحقیق تو مہلت دیا گیا ہے

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝١٦

کہنے لگا پس بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے ضرور بیٹھوں گا ان آدمیوں کے لئے تیرے سیدھے رستہ پر

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ

پھر آؤں گا ان پر سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں جانب سے

اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۝١٧

اور بائیں جانب سے اور نہ پائے گا تو ان کے اکثر کو شکر گزار

قَالَ اَنْظِرْنِیْ :- شیطان نے بارگاہِ ربوبیت سے مردود ہونے کے بعد قیامت تک کی مہلت طلب کی تو خداوند کریم نے وقتِ معلوم تک اس کو مہلت دے دی اور بروایتِ عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا وقتِ معلوم سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہے۔

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ۔ شیطان اپنی غوایت و گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے گویا اس کے عقیدہ میں یہ بات تھی کہ گمراہی کا فعل بھی اللہ ہی کرتا ہے معلوم ہوا فعل شر کی اللہ کی جانب نسبت دینے والا پہلا شخص شیطان ہے جس طرح کہ دینِ خدا میں قیاس کو دخل دینے والا پہلا وہی ہے تو جن لوگوں کے عقائد میں یہ بات داخل ہو کہ ہر اچھے اور برے کام کا فاعل خدا ہوا کرتا ہے تو وہ اصول میں شیطان کے تابع ہوئے اور جن کے فروع میں قیاس داخل ہو وہ فروع میں شیطان کے مقلد ہوئے۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے زرارہ سے فرمایا کہ اس سے مراد تم لوگ ہو کیوں کہ وہ دوسروں کے گمراہ کرنے سے تو فارغ ہو چکا ہے یعنی وہ تو اس کے اپنے ہی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابو بصیر نے روایت کی ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہیں پس شیطان اسی راستہ پر بیٹھ کر اسی راہ پر چلنے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا معصوم کا یہ فرمان حضرت علیؑ کے شیعہ کہلانے والوں کیلئے تازیانۂ عبرت اور مہمیز نصیحت ہے

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ کی تفسیر اس طرح ہے کہ سامنے سے گمراہ کرنے کا مقصد ہے کہ آخرت کا معاملہ ان پر آسان کر دوں گا اور پیچھے سے آنے کا مطلب ہے ان کو جمع اموال اور بخل عن الحقوق کی دعوت دوں گا اور دائیں طرف سے آنے کا مطلب ہے ان پر دین کا معاملہ فاسد کروں گا اور ان کے سامنے گمراہی اور شبہات کو مزین کر کے پیش کروں گا اور بائیں طرف سے آنے کا مطلب ہے کہ ان کو لذتوں سے مانوس کروں گا اور ان کے دلوں پر شہوات کو غالب کروں گا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ
فرمایا نکل جا اس جگہ سے ذلیل مردود جو بھی تیرے تابع ہوگا ان میں سے البتہ پر
مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
کروں گا جہنم کو تم سب سے

اب اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو بات حرف بحرف صحیح ہے۔ شیطان نے آخرت کا معاملہ اس طرح آسان کیا ہے کہ جس قدر گناہ سرزد ہوں ذرہ بھر بھی جہنم کا خوف دل میں خطور نہیں کرتا اور اگر کسی وقت دل میں خیال آبھی جائے تو فوراً شیطان کسی زبان پر یہ کلمات جاری کرا دیتا ہے۔ علی علی کرو اور جنت تمہاری۔ بس اس ایک جملہ کو سنتے ہی حساب و کتاب کے خطرہ سے طبیعت مطمئن ہو گئی پھر جو جی چاہا کر گذرے نہ قرآن کی پرواہ نہ محمدؐ و آل محمدؐ کے احکام کی پرواہ صرف زبان پر علی علی اور باقی تمام عادات اطوار گفتار کردار وغیرہ میں ابلیس کی تعلیم کا پرتو۔ واجبات شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں اور مناہی شرعیہ کا کوئی لحاظ نہیں۔ صرف علی کا نام آتا ہے۔ علی کے کام کا پتہ نہیں یا یہ کہہ دوں کہ نام سے محبت ہے اور

کام سے عداوت ہے۔ اس طرح دوسری شق کو دیکھئے مال کو جمع کرنے کا حرص اور حقوق خداوندی کی ادائیگی سے پہلوتہی اسی قوم کا شعار بن چکا ہے۔ نہ زکوٰۃ نہ خمس اور نہ خیرات بے شک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال برباد ہوتا ہے اور انسان بھوکا ہو جاتا ہے۔ اگر زمین کو کسی کارِ خیر کے لئے وقف کیا تو اولاد بھوکی مرے گی لیکن اگر شیطان کی راہ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کرنا ہو تو نہ بھوک کا ڈر اور نہ اولاد کی وراثت کی پرواہ ہوتی ہے پس شیطانی تسویلات نے فکرِ آخرت سے بالکل بے گانہ کر دیا ہے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے پہلوؤں کو دیکھا جائے تو دین کے مسائل میں شبہات اور غلط رواج و رسوم کی تحسین و تزئین جو اس قوم میں موجود ہے مجال نہیں کہ کوئی ان کی غلط رسم کو غلط کہدے یا ان کی مروجہ عادت کو باطل کہہ دے پس جو رسم رواج پا گئی اسی کو ہی دین کہنا ہے اور جو واقعی دین ہے اس پر ہزاروں اعتراضات و شبہات وارد کریں گے۔ مجالسِ سیدالشہداء میں حقیقی پہلو کا جائزہ لیجئے اور موجودہ رسم و رواج سے اس کو تطابق دیجئے آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا اور جو بھی غلط کو غلط کہے گا اسی پر دشمنیِ حسین کا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔ کون کہے کہ غلط روایت پڑھنا گناہ ہے۔ ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے عورتوں اور مردوں کا مخلوط ہونا ناجائز ہے گانے کی طرز سے مجلس خوانی ٹھیک نہیں اور ذکرِ حسینؑ میں مقصدِ حسینؑ کو بیان کرنا

وَيَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ پاس جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے

ضروری ہے۔ حلال و حرام کے مسائل کو جگہ دینا لازمی ہے وغیرہ تو بلا دریغ کہنے والے کہہ دیں گے ایسی اصلاحات کی تحریک کرنے والا امام حسینؑ کی مجالس کا دشمن ہے۔ الامان۔ شیطان نے ظاہری لذات اور شہوات کو ایسا محبوب بنا دیا ہے کہ لذت اور شہوت کے سایہ میں رہ کر دین کا ٹھیکہ حاصل کرنا عادت بن چکی ہے اسی بناء پر امام معصومؑ آنے والی نسلوں کے ایمانی کردار سے نقاب کشائی فرما رہے ہیں جبھی تو فرمایا کہ شیطان کا ہر چہار طرف سے گمراہ کرنا تم لوگوں کے لئے ہے ورنہ دوسروں سے تو وہ فارغ ہو چکا ہے۔

وَسْوَسَ لَهُمَا۔ وسواس کا معنی ہے دل میں ایک خطور سا پیدا ہو جانا۔ اگر مطلق خطور ہو تو اس کا استعمال اِلٰی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے وَسْوَسَ اِلَیْهِ اور اگر ایسا خطور ہو جس میں خیر خواہی اور خوبی کا پہلو بھی ہو تو اس کا استعمال ل کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کیا گیا۔ شیطان کا وسوسہ اور حضرت آدم کا اس کے دام تزویر میں آنا پوری تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے لیکن مطلب کی وضاحت کے لئے اس کا خلاصہ یہاں پھر بیان کرتے ہیں تاکہ آیات کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو سب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

۱) حضرت آدمؑ و حوا کی وہ جنّت الخلد نہیں تھی ورنہ وہاں سے نکالے نہ جاتے نیز جنّت الخلد دار الجزاء کا نام ہے اور دار العمل سے پہلے دار الجزاء میں پہنچ جانا معقول نہیں پس وہ جنّت باغات دنیا میں سے ایک باغ تھا جس میں حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر رہائش دی گئی تھی (۲) حضرت آدمؑ کی پیدائش زمین کی خلافت کیلئے تھی اور زمین کا آباد کرنا ان کی غرض خلقت تھا نہ کہ بنی بنائی جنّت میں قیام پذیر ہونا اور آدم کو یہ چیز معلوم تھی۔ نیز ابلیس کو بھی اس کا علم تھا۔ (۳) ابتداءً حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر وہاں ٹھہرایا گیا تاکہ ترتیب وار فطرت انسانی کے ماتحت آگے بڑھیں چونکہ یک لخت زمین غیر آباد پر بھیجنا فطرت انسانیہ کے پیش آدم پر بار خاطر ہوتا اس لئے کچھ وقت تک مانوسیت کے لئے ان کو ملائکہ کی صحبت دی گئی (۴) زمین پر جاکر عہدۂ جلیلہ نبوت کے پیش نظر اپنی اولاد کو ابلیس کے مکر و فریب سے بچنے کی انہوں نے تلقین کرنی تھی۔ پس ان امور کے جاننے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہوگیا کہ حضرت آدمؑ

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا

پس وسوسہ ڈالا ان کو شیطان نے تاکہ ظاہر کرے ان کے لئے وہ جو چھپی ہے ان سے ان کی

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

عورتیں سے اللہ کہا کہ نہیں روکا تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

مگر یہ کہ ہو تم دونوں فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ زندگی پانے والے

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

اور قسم کھائی ان کے لئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں

کا جنّت سے خروج بطور سزا کے نہیں بلکہ بطور ڈیوٹی کے تقاضیں کے لئے ان کی خلقت ہوئی تھی کیونکہ جس طرح وہ جنّت ان کی دار الجزاء نہیں تھی اسی طرح اس سے نکلنا سزا نہیں قرار پا سکتا کیونکہ جب حضرت آدمؑ دار العمل میں پہنچے بعد میں ہیں تو پہلے سزا یا جزا کا کوئی معنی ہی نہیں۔ خدا کے علم میں تھا کہ آدمؑ نے اس عارضی گھر جنّت میں کتنی مدّت تک قیام کرنا ہے اور اس مدّت کا آدمؑ کو علم نہ دیا گیا تھا اس نے وساوس شیطانی کے عملی تجربہ کے لئے آدمؑ کی جنّت سے روانگی کو ایک مقررہ درخت کے قریب جانے پر معلق کردیا اور آدمؑ کو صرف اتنا کہا کہ اس درخت کے قریب جانے سے تمہیں خسارہ ہوگا اور خسارہ کی نوعیت نہ بیان کی گئی اب شیطان کا وسوسہ ڈال کر آدم کو درخت کے قریب لے جانا اور آدمؑ کا اس سے کچھ کھانا جنّت سے خروج کا موجب ہوگیا جیسا کہ علم خداوندی میں پہلے سے تھا اور آدمؑ کو اب بتا دیا گیا کہ یہ لو اس درخت کے قریب جانے کا بدلہ پس یہاں سے روانہ ہوکر اپنے مقام خلافت پر جاؤ۔ جانا تو بہر کیف تھا ہی اب خسارہ یہ ہوا کہ اگر اس درخت کے قریب نہ جاتے تو کچھ دیر زیادہ ملائکہ کی صحبت میں اور سرسبز و شاداب باغات میں آرام کی

زندگی گزارتے۔ اب فوراً آنا پڑ گیا۔ اور چونکہ علمِ خداوندی میں ایسا ہی تھا لہٰذا وہی ہو کے رہا اس میں نہ حضرت آدمؑ کی توہین ہے اور نہ عصمت کے منافی کوئی بات ہے اور ابلیس نے وسوسہ اس لئے ڈالا کہ جب سجدہ کے انکار سے اس کو مردود ٹھہرایا گیا تو اس کے دل میں آتشِ انتقام بھڑک اٹھی اور اس کو معلوم تھا کہ دار العمل میں پہنچ جانے کے بعد تو میں آدم کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور نہ وہ میرے داؤ میں آئیں گے کیونکہ وہ نبی ہیں لہٰذا دار العمل میں پہنچنے سے پہلے اسی عارضی آرام گاہ میں ان پر مکر کا جال ڈالکر انتقام لے لیا جائے چنانچہ وہ اپنے حیلہ میں کامیاب ہوا۔

لِيُبْدِيَ لَهُمَا۔ اگر لام کو نتیجہ کے لئے قرار دیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مقامِ عیب ان سے پوشیدہ رکھا گیا تھا وہ اب ان پر ظاہر ہو گیا اور اپنی لغزش کا خوب احساس ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دی گئی اور مقررہ درخت سے منع بھی کیا گیا اور یہ بھی کہا کہ اگر اس کے قریب گئے تو تم کو ہی خسارہ ہو گا یعنی یہ نہی ارشاد کے طور پر تھی نہ کہ مولوی تھی جس کی مخالفت موجبِ گناہ ہوتی ہے۔

اب فطرتِ انسانیہ کے ماتحت آدم نے سوچا کہ وہ خسارہ کیا ہو گا تو دو قسم کے خطور پیدا ہوئے جو وسوسہ تھے۔ کیوں کہ اس جگہ کے ماحول میں ہی تو سوچنا تھا اب خیال کیا کہ یا تو اس درخت کے کھانے سے فرشتہ ہو جائے گا کیوں کہ وہاں فرشتوں کی رہائش ہی دیکھی تھی یا یہ صورت ہو گی کہ اسی باغ کی عارضی سکونت کو میرے لئے دائمی قرار گاہ بنا دیا جائے گا۔ پس شیطان نے اس وسوسہ کو اور تقویت دی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہیں جو منع ہوئی ہے وہ اس لئے ہے کہ اس درخت کے کھانے سے یا ملک ہو گے یا یہاں کی رہائش دائمی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور کیا خسارہ متصوّر ہو سکتا ہے۔ پس یہ خسارہ کوئی بڑی بات نہیں اس ان دیکھی چیز کو دیکھو ضرور اور نہ چکھے ہوئے پھل کا ذائقہ چکھو ضرور پس حضرت آدم اس کی قسم کے دھوکے میں آگئے اور وہ پھل کھا لیا جس کے نتیجے میں انہیں باغِ جنت چھوڑنا پڑا کیوں کہ اس کو کھانے والا وہاں رہ نہیں سکتا تھا اور یہ چیز آدم و حوا سے پوشیدہ رکھی گئی تھی جو اب ظاہر ہو گئی اور جس خسارہ کا وسوسہ حضرت آدم کے دل میں ڈالا گیا وہ تو ہو سکتا ہی نہیں تھا کیوں کہ ان کی پیدائش خلافتِ ارضیہ کے لئے تھی اب حضرت آدم پر شیطان کے دامِ تزویر کی قلعی کھل گئی اور ابلیس کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا اور مقامِ تبلیغ میں اپنی اولاد پر ابلیس کی عداوت کی وضاحت کا مقام خوب ہاتھ آیا۔ اور اگر لام کو تعلیل کے لئے قرار دیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہو گا کہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا ہی اس لئے تھا کہ اس درخت کے قریب جا کر جنت میں رہنے کے قابل نہ رہیں گویا اس کو اس بات کا پہلے سے علم تھا کہ اس درخت کے قریب جانے کا خاصہ یہی ہے لیکن یہ بعید ہے اور صافی و برہان میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ان کو جو لباسِ جنت پہنایا تھا وہ فوراً ان سے علیحدہ ہو گیا اور گر گیا اور تفسیر مجمع البیان میں ایک قول ہے

کہ نور کا لباس تھا اور ممکن ہے اس سے مراد وقار و ہیبت ہو واللہ اعلم۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ: جب انہوں نے پھل کھایا تو مقام عیب کھل گیا اور ان پر ان کی عورتین ظاہر ہو گئیں۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ پہلے تو ملائکہ کے ہمراہ مصروف تسبیح تھے۔ کسی دوسری جہت کا خیال تک نہ تھا بس صرف ایک ہی کام تھا اور ایک ہی خیال تھا۔ اب جو درخت کا پھل کھایا تو اس کے لوازم سامنے آگئے کہ حاجات ضروریہ بھی محسوس ہوئیں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا

پس پھسلا دیا ان کو دھوکے سے تو جب انہوں نے چکھا درخت ظاہر ہو گئیں ان پر انکی عورتین

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا

اور شروع ہوئے سیتے تھے اپنے اوپر جنت کے پتے اور ان کو ندا دی اپنے رب

رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ

نے کیا میں نے تم کو روکا نہیں تھا اس درخت سے اور تم کو کہا تھا کہ تحقیق شیطان

الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۲۲ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

تمہارا واضح دشمن ہے کہنے لگے اے پروردگار ہم نے اپنے

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۳

آپ پر زیادتی کی اور اگر تو معاف نہ کرے اور رحم نہ کرے تو ہم ہو جائیں گے خاسرین میں سے

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

فرمایا اترو بعض تمہارا بعض کا دشمن ہو گا اور تمہارا زمین میں ٹھکانا اور

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲۴ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ

جینا ایک وقت تک ہوگا فرمایا اسی میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور

مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۲۵ ع

اسی سے نکالے جاؤ گے۔

اور قوائے شہوانیہ بھی کام کرنے لگ گئیں فوراً ان جہات کی طرف توجہ دینا پڑی اور قوت عاقلہ الٰہیہ نے جتلا دیا کہ مقام عیب یعنی عورتین کو کھلا نہیں ہونا چاہیے اس سے پہلے انہوں نے نہ اپنی طرف دھیان کیا تھا اور نہ ایک دوسرے کی طرف دھیان کیا تھا بلکہ تسبیح و تقدیس پروردگار کی دھن میں ہی مصروف تھے جیسا کہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کانت سواتھما لاتبدو لھما فبدت یعنی ان کی عورتین ان پر ظاہر نہ تھیں اب ظاہر ہو گئیں گویا حاجات ضروریہ کا احساس ہوا اور قوائے شہوانیہ میں گرمی پیدا ہوئی بلکہ غذا کے اندر جانے سے بدنی مشینری چالو ہو گئی تو بدن

maablib.org

کے بوجھتے معرضِ توجہ میں نہ تھے اب مرکزِ التفات بن گئے فطرتِ انسانیہ کے ماتحت حیا و شرم لازمی تھا پس مقامِ شرم کو ڈھانپنے کی سوچی چنانچہ اور تو کوئی چیز تھی نہیں جنت کے بعض درختوں کے پتوں کو اپنے اوپر سی دیا شاید وہ انجیر کے پتے تھے یا کیلے کے پتے تھے۔

اِھْبِطُوْا۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے بروز جمعہ زوال شمس کے وقت حضرت آدم میں نفخ روح ہوئی اور پھر فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا اور جنت میں سکونت ملی اور کلبہ چھ گھنٹے وہاں رہ کر شام کو باہر نکل آئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

حضرت آدمؑ جنت سے باہر تشریف لائے تو جبرئیل نے پوچھا اے آدمؑ خدا نے تجھے اپنے یدِ قدرت سے خلق فرمایا اور تجھ میں روح پھونکی پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر تجھے حوا زوجہ عطا کی اور جنت میں سکونت بخشی پھر صرف ایک درخت سے اس نے منع کیا لیکن تو نہ رک سکا تو حضرت آدمؑ نے جواب دیا اے جبرئیل۔ ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر مجھے بتایا کہ میں تیرا خیر خواہ ہوں مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ مخلوق میں سے کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھایا کرتا ہے (برہان)

نیز آپ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ شبِ معراج حضرت موسیٰ و حضرت آدمؑ کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدمؑ پر یہی سوال کیا اور حضرت آدمؑ نے اس کا جواب دیا من جملہ اس جواب کے فرمایا شیطان نے خیر خواہی کی قسم کھائی کہ کہا میں تیری حالت پر غمگین ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ تو شیطان نے کہا میں تیرے ساتھ مانوس ہو چکا ہوں لیکن تو عنقریب یہاں سے چلا جائے گا ایسی جگہ جو مجھے ناپسند ہے تو میں نے کہا اس کا پھر علاج کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا اس درخت کا پھل کھالو اور ہمیشہ جنت میں رہو اور قسم کھائی کہ میں خیر خواہی کر رہا ہوں اور مجھے نہ معلوم تھا کہ خدا کی جھوٹی قسم بھی کوئی کھا سکتا ہے۔ پس میں نے اعتبار کر لیا (برہان)

وسوسہ کی حقیقت

احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ دل مثل ایسے گنبد کے ہے کہ متعدد دروازوں سے اس میں حالات کا ورود ہو یا مثل ایسے نشانے کے ہے جس پر ہر جانب سے تیر پڑ رہے ہوں یا مثل ایسے شیشے کے ہے جس پر یکے بعد دیگرے مختلف صورتوں کا نقش ہوتا ہو یا مثل ایسے حوض کے ہے کہ ہر جانب سے نالیوں کے ذریعے اس میں پانی جمع ہوتا ہو۔ پس دل میں حالات مختلفہ کا ورود یا تو ظاہری راستوں سے ہوگا جو حواسِ خمسہ کہلاتے ہیں اور یا باطنی راستوں سے ہوگا جیسے قوتِ خیالیہ قوتِ شہویہ قوتِ غضبیہ وغیرہ پس دل پر انہی متعینہ راستوں کے ذریعے یکے بعد دیگرے جو جو حالات وارد ہوتے ہیں ان کا دل پر اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے دل کے تاثرات بدلتے رہتے ہیں اور دل آثارِ مختلفہ کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ ان میں بعض دیرپا ہوتے ہیں اور بعض فوری ہوتے ہیں جو ادھر سے آئے اور ادھر گئے پس یہی خیالات انسان کی عملی قوتوں کی تحریک کرتے ہیں اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔

maablib.org

۱. ایک وہ جو برائی کی تحریک کرتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اخروی خسارہ ہوتا ہے۔
۲. دوسرے وہ جو اچھائی کی طرف اقدام کے محرک ہوتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اخروی فائدہ ہوتا ہے۔
پہلی قسم کے خیال کا نام وسوسہ ہے اور دوسری قسم کے خیال کا نام الہام ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان خیالات کو کون لاتا ہے؟ یقیناً انسان خود تو لاتا نہیں ہے کیوں کہ ہر انسان جانتا ہے کہ دل پر وارد ہونے والے خیالات غائبانہ آجاتے ہیں اور پھر ہزار کوشش کرے تو دل سے دور نہیں ہوتے اگر اپنے لائے ہوئے ہوتے تو ہٹانے سے بھی ہٹ سکتے اور بعض اوقات انسان کوشش کرتا ہے کہ ان سے گلو خلاصی ہو جائے ساری کی ساری رات بیداری میں کٹ جاتی ہے۔ لیکن وہ خیالات جان نہیں چھوڑتے۔ معلوم ہوا ان کا فاعل خود انسان نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان خیالات کا فاعل دوسرا کوئی انسان بھی نہیں ہے اب یا تو اس کا فاعل خدا ہے یا شیطان پس اگر وہ خیالات اچھائی اور نیکی کے ہیں تو یقیناً ان کا فاعل اللہ ہے کیوں کہ شیطان سے نیکی کی کوئی توقع نہیں ہے اور اگر وہ خیالات برائی کے ہیں تو وہ اللہ کی جانب سے تو ہو نہیں سکتے کیوں کہ خدا برائی کی دعوت نہیں دیتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ خیالات شیطان کی جانب سے ہیں پس ثابت ہوا کہ الہام خدا کی طرف سے اور وسوسہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں

معتزلہ چونکہ ملائکہ کو انبیاء سے افضل مانتے ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے تم ملک بن جاؤ گے یا ہمیشہ کی زندگی پاؤ گے تو اگر ملائکہ انبیاء سے افضل نہ ہوتے تو ابلیس یہ وسوسہ کیوں ڈالتا اور حضرت آدمؑ اس کی طرف اقدام کیوں کرتے لیکن آیت مجیدہ سے ملائکہ کی افضلیت ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ حضرت آدمؑ خطابِ خداوندی سن چکے تھے کہ اس درخت کے قریب جانا باعثِ نقصان ہے اور معمولی سے معمولی دماغ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حاکم بالا کی مخالفت ہرگز ترقی مراتب و مدارج کا موجب نہیں بنتی بلکہ تنزلی کی موجب ہوا کرتی ہے لہٰذا مخالفت کی طرف اقدام کرنا اور اس امید سے کہ مجھے ترقی ملے گی عام صاحب عقل سے ناممکن ہے چہ جائے کہ پیغمبر اس قسم کی توقع رکھے۔ ہاں ایسی صورت میں خسارہ کی امید ہوتی ہے اور یہ وسوسہ خسارہ کی دو طرفوں کا اظہار تھا اور اس ماحول میں طبعی طور پر وسوسہ کی شقیں یہی ہونی چاہئیں تھیں لہٰذا! آیت مجیدہ نبوت کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فرشتے کی افضیلت پر اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وسوسے کی دو شقیں ترقی درجات کے دو پہلو تھے جو شیطان نے بصورتِ وسوسہ پیش کئے تو ہم کہیں گے کہ یہاں آدؑ اعراض کے لئے ہے کہ شیطان نے آدمؑ کو دھوکا دینے کے لئے پہلے یہ حربہ استعمال کیا کہ اگر تو اس پھل کو کھالے گا تو ملک بن جائے گا اور چونکہ ابلیس جانتا تھا کہ آدمؑ ملائکہ سے افضل ہے اور ملائکہ کے حکمِ سجدہ میں بھی شامل تھا پس

فوراً ابلیس سمجھا کہ دھوکا کا یہ پہلو کمزور ہے جس کے سامنے ملائکہ سر بسجود ہو چکے ہوں وہ فرشتہ بننے کی خواہش کیونکر کرے گا لہٰذا اَوْ کے کلمہ کے ذریعے پہلے مطلب سے اعراض کیا اور ہمیشگی کا طمع دلایا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اَوْ کو تخییر کے لئے مانیں جو موجب شبہ ہے۔ بہر کیف انبیاء کے ملائکہ سے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس کے کئی وجوہات ہیں۔ ۱. نبی کے سامنے ملائکہ سر بسجود ہوئے۔ ۲. نبی خدا کی جانب سے عہدۂ خلافت پر مامور ہیں اور فرشتوں کی حیثیت پیغام رسانی کی ہے۔ ۳. خداوند کریم نے آدمؑ نوحؑ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کے عالمین پر مصطفےٰ ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور عالمین میں ملائکہ بھی داخل ہیں۔ ۴. فرشتے چونکہ مادہ سے بالاتر ہیں لہٰذا مقامِ اطاعت و عبادت میں ان کو رکاوٹ کوئی نہیں اور انبیاء مادہ سے مقرون ہونے کے باوجود مطیع و فرمانبردار پروردگار تھے لہٰذا یہ ملائکہ سے افضل ہیں ۵. شبِ معراج سید الملائکہ جبرئیل نے سید الانبیاءؐ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک مقام پر رک کر کہا لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ اگر میں ایک انگلی کے بند کی مقدار آگے آؤں تو جل جاؤں پس جبرئیل رک گیا اور حضورؐ آگے بڑھتے گئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ
اے اولادِ آدم تحقیق ہم نے نازل کیا تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہارے مقامِ شرم کو
وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اور زینت ہے اور لباس تقوےٰ یہ بہتر ہے یہ اللہ کی آیات میں سے ہے
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝٢٦ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ
تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اے اولادِ آدم نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان جس
اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
طرح کہ نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے کہ اتارا ان سے ان کا لباس تاکہ دکھائے
سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ
ان کو ان کے مقامِ شرم تحقیق وہ تم کو دیکھتا ہے اور اس کی نسل بھی کہ تم ان کو نہیں
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٧
دیکھتے تحقیق ہم نے بنایا شیطانوں کو ولی ان لوگوں کا جو ایمان نہیں رکھتے

رکوع ١٠ قَدْ اَنْزَلْنَا۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لباس تقوےٰ سے مراد سفید لباس ہے اور ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لباس سے عام لباس مراد ہے اور ریش سے مال و متاع مراد ہے اور لباسِ تقوےٰ سے عفیف

maablib.org

ہونا مراد ہے کیوں کہ عفیف یعنی پاکدامن انسان اگر ننگا ہو تب بھی اس کی شرمگاہ پر پردہ ہوتا ہے اور بدکار اگرچہ لباس میں ہو تب بھی اس کی شرمگاہ ظاہر) ہوتی ہے تفسیر مجمع البیان میں ریش کا معنی اثاثۂ بیت، مال جمال گذران اور خیر مفسرین سے منقول ہے اور لباسِ تقویٰ کا معنی عملِ صالح ۔حیا۔ لباسِ زہد و تواضع۔ لباس حرب و ضرب خوفِ خدا سترِ عورت اور ایمان باختلاف اقوالِ مفسرین منقول ہے۔

یَرٰاکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ ۔۔ مجمع البیان میں ابنِ عباس سے منقول ہے کہ خدا نے ابلیس اور اس کے لشکر کو یہ طاقت دی ہے کہ انسان کے جسم میں خون کی طرح پھیل جائیں پس بنی آدم کے سینوں میں ان کے ٹھکانے ہیں وہ تو بنی آدم کو دیکھتے ہیں لیکن یہ ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا ۔۔۔ اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں کہ وہ مرد و عورتیں بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم ایسے طواف کرتے ہیں جس طرح پیدا ہوئے تھے اور ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم گناہ کر چکے ہیں اور اپنی

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا
اور جب کریں برائی تو کہتے ہیں ہم نے پایا اسی طریقہ پر اپنے آباء کو اور اللہ نے ہم کو یہ حکم
بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
دیا ہے کہہ دیجئے تحقیق اللہ نہیں حکم دیتا برائی کا کیا کہتے ہو اللہ پر وہ بات جو تم

کمر کے ساتھ چمڑے کی ایک طرزکی باندھ لیتے تھے جس کو خوف کہتے تھے اور عورت اپنے آگے شرمگاہ کے مقام پر کوئی مختصر سا ٹکڑا رکھ لیا کرتی تھی اور تفسیر صافی و برہان میں امام موسٰے کاظم علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے جو کہتا ہو کہ خدا نے مجھے زنا شراب یا کسی فعلِ حرام کا حکم دیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا اس فاحشہ سے کیا چیز مراد ہے جس کے متعلق کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو لوگوں نے کہا خدا ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا ولی اس کو جانتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ آئمہ جور کے حق میں ہے اور جو لوگ دعوےٰ کرتے ہیں کہ خدا نے ہم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے پس ان کی تردید کر رہا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور سراسر جھوٹ بولتے ہیں پس اسی کو فاحشہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ ۔۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے کئی معانی منقول ہیں (۱) نماز کے لئے ہر مسجد میں قبلہ کی طرف رخ کرو (۲) اپنے منہ کو اس جانب سیدھا رکھو جس جانب نماز میں منہ کرنے کا حکم ہے ۳. جب نماز کے وقت کسی مسجد میں پہنچو تو وہاں ادا کر لو اور یہ نہ کہو کہ میں فلاں مسجد میں جا کر پڑھوں گا ۔۴. ہر نماز کیلئے

مسجد کا قصد کیا کرو۔ گویا نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے (۵)، اطاعت خداوندی میں اپنے وجوہ کو خالص کرو اور شرک کی ملاوٹ نہ کرو۔

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ :۔ اس میں بھی کئی اقوال ہیں (۱) یعنی جس طرح وہ تمہاری ابتداء پر قادر ہے اسی طرح تمہاری دوبارہ بازگشت پر بھی قادر ہے لہٰذا تم نے اس کے ہیش ہونا ہے تو پھر اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو۔ ۲۔ مٹی سے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری بازگشت وہی مٹی ہے ۳۔ جب تم کو پیدا کیا تو تم کسی چیز کے مالک نہ تھے۔ اسی طرح جب دوبارہ تمہیں اٹھایا جائے گا تو کسی چیز کے مالک نہ ہوگے اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز ننگے محشور ہوں گے۔ چنانچہ پارہ ۹ کے رکوع ۱۵ کی تفسیر میں ایک روایت ہم نے اصول کافی سے نقل کی ہے جس میں جناب رسولِ پاکؐ کا حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد کو اپنی قمیص سے کفن دینے کا تذکرہ ہے تاکہ وہ میدانِ محشر میں ملبوس محشور ہوں۔ ہم نے اس حدیث کو نورانی لطیفہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قبر میں بھی ولائے علیؑ کے سوا کسی کی نہ گذر سکے گی۔ اسی جلد کے صفحہ ۱۷۹ پر ملاحظہ ہو۔ اور تفسیر کی جلد

تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ
نہیں جانتے — کہہ دیجئے امر کیا میرے رب نے انصاف کا اور سیدھا رکھو اپنے منہ کو
عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ
نزدیک ہر نماز کے اور پکارو اس کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو جس طرح
كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ ۲۹
اس نے تم کو پیدا کیا اسی طرح پلٹو گے۔

۴ صفحہ ۲۴ پر فرادیٰ کی تفسیر میں اس مطلب کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آئمہ طاہرینؑ سے یہ روایت بھی ہے کہ میّت کو کفن عمدہ پہنایا کرو کیوں کہ بروزِ محشر لوگ اپنے اکفان پر فخر کریں گے۔ (۴) جس عقیدہ پر انسان مرے گا بروزِ محشر اسی عقیدہ پر اٹھے گا۔

آداب و اطوار

خُذُوا زِينَتَكُمْ :۔ ۱۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ جمعہ اور عیدین میں غسل کرنے اور سفید لباس پہننے کا حکم ہے۔

۲۔ تفسیر برہان میں بروایت فقیہہ امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ ہر نماز کے وقت ڈاڑھی میں کنگھی کرنے کا حکم ہے

۳۔ مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ اور عید کے دن زینت کا لباس پہن کر جایا کرو۔

۴. حضرت امام حسن علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عمدہ لباس پہن لیتے تھے تو ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا اِنَّ اللهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ فَاَتَجَمَّلُ لِرَبِّیْ تحقیق اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا میں بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر جمال کو اختیار کرتا ہوں۔

۵. بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کنگھی کیا کرو کیوں کہ اس سے رزق بڑھتا ہے، بال اچھے رہتے ہیں۔ حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ قوت باہ زیادہ ہوتی ہے اور بلغم ختم ہوتی ہے اور حضرت رسالتمآبؐ داڑھی پر نیچے سے چالیس مرتبہ اور اوپر سے سات مرتبہ کنگھی پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے رزق بڑھتا ہے اور یہ چیز بلغم کی قاطع ہے۔

فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ط اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک گروہ کو ہدایت کی اور ایک فریق پر واجب کیا گمراہی کو تحقیق انہوں نے بنایا

الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۳۰)

شیاطین کو اپنا ولی سوائے خدا کے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا

اے اولاد آدم پکڑو اپنی زینت نزدیک ہر مسجد کے اور کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (۳۱) ع

پیئو اور نہ اسراف کرو تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا اسراف کرنے والوں کو

۶. اس آیت مجیدہ کی تاویل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی زیارت سے قبل غسل کر لیا کرو۔

۷. امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ہر نماز فریضہ یا نافلہ کے لئے کنگھی کرو اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کنگھی کرنا وبا کو دور کرتا ہے اور حضرت صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد کنگھی کیا کرتے تھے۔

۸. امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس جگہ زینت سے مراد ہے جمعہ و عید کے دن چادر اوڑھ کر نکلے کرو۔

وَلَا تُسْرِفُوْا۔ تفسیر کبیر میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جاہل قبائل عرب زن و مرد بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے کہ ہم گناہ والے کپڑوں میں طواف کیوں کریں اور بعضوں کا گمان تھا کہ جس طرح ہم اپنے جسم سے کپڑے دور کرتے ہیں خدا اس فعل سے ہمارے جسم سے گناہ کو دور کرے گا گویا نیک فالی کے لئے ایسا کرتے تھے اسی طرح مسجد نبوی میں پہنچتے تھے تو کپڑے اتار لیتے تھے اور ننگے اندر جاتے تھے لیکن صرف یہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ کھانے پینے میں کمی کر دیتے تھے اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ان کی تمام رسوم کو غلط کہہ کر صحیح طریقہ کی تعلیم دی کہ عبادت کے لئے زینت

اختیار کرو یعنی لباس پہنو اور کھاؤ پیو جو چاہو ہاں فضول خرچی نہ کرو۔

لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۳۱؎ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے یہ سمجھا ہے کہ خدا نے جو کچھ کسی کو دیا ہے وہ اس لئے کہ وہ اللہ کو زیادہ پیارا تھا اور جس کو نہیں دیا وہ اس لئے کہ اس کے نزدیک وہ ذلیل تھا۔ یہ بات نہیں بلکہ مال سب اللہ کا ہے اور انسان کو بطور امانت عطا فرماتا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ کھانے پینے پہننے نکاح کرنے اور سواری کرنے میں میانہ روی کو اختیار کریں اور بقایا مال سے فقراء مومنین کی خبر گیری کریں ان کی حاجات پوری کریں پس جو ایسا کرے گا تو گویا اس نے حلال کھایا حلال پیا حلال سواری کی اور حلال سے نکاح کیا اور جو اس سے تجاوز کرے گا تو حرام کرے گا۔ پھر فرمایا خدا اسراف والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی کو مال کا امین بنا کر اسے ہزار دینار کا گھوڑا خریدنے کی اجازت دے جب کہ اسے بیس دینار کا گھوڑا بھی کافی ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ
کہہ دو کس نے حرام کی اللہ کی زینت وہ جو ظاہر کی اس نے اپنے بندوں کے لئے اور پاکیزہ

مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً
رزق کہہ دو جو لوگ ایمان لائے زندگی دنیا میں یہ چیزیں خالص ان کی ہوں گی

یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲
بروز قیامت اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں اپنی نشانیوں کی اس قوم کے لئے جو جانیں۔

مقصد یہ ہے کہ ضروریات زندگی جس طرح خوش اسلوبی سے پورے ہو سکتے ہوں پس اس سے آگے بڑھانا فضول خرچی ہے۔ ایک حدیث میں معصوم سے منقول ہے کہ جب رات دن کی قوت گھر میں موجود ہو تو ایسی صورت میں سوال کرنا بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں حکایت ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک انگریز ڈاکٹر تھا جو فن طب میں ماہر تھا اس نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا علم تو صرف دو ہیں ایک علم دین اور دوسرا علم طب لیکن تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کا کوئی ذکر نہیں تو علی بن حسینؑ بن واقد نے اس کو جواب دیا کہ خداوند کریم نے ساری طب کو ایک نصف آیت میں بند کر کے رکھدیا ہے اور وہ ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھانے پینے میں اعتدال ہی کا نام تو ہے طب اور نبی علیہ السلام نے ایک ہی فقرہ میں ساری طب کو بند کر دیا ہے اور وہ ہے المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواء واعط کل بدن ما عودتہ یعنی معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کا سر ہے اور بدن کو غذا وہ دو جو اس کی عادت میں داخل ہو تو ڈاکٹر یہ سن کر کہنے لگا تمہاری کتاب

اور تپی نے تو جالینوس کو طب میں مات کر دیا

رکوع ۱۱ ترک لذات

قُلْ مَنْ حَرَّمَ۔ زینت کی چیزیں جو زمین سے نکلتی ہیں اور پاکیزہ اور لذیذ چیزیں جو زمین اگاتی ہے انسان پر حرام نہیں ہیں اور دنیا میں طیبات اور زینتوں میں مسلمان وکافر سب شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ چیزیں صرف ان لوگوں کے لئے ہوں گی جو دنیا میں مومن ہوں گے یا یہ معنی ہوگا کہ دنیا میں یہ لذات مصائب وآلام کے ساتھ ملی ہوئی ہیں لیکن آخرت میں مومنوں کے لئے یہ لذات خالص ہوں گی یعنی غم ودکھ کی ملاوٹ نہ ہوگی۔

تفسیر صافی میں عیاشی اور کافی سے منقول ہے کہ سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت نے قیمتی لباس پہنا ہوا تھا پس وہ امام کے پاس آیا اور بے ادبانہ زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ نے تو اس قسم کا لباس کبھی نہیں پہنا تھا آپ نے نہایت متانت اور حوصلے سے ارشاد فرمایا کہ حضور رسالتمآبؐ جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگدستی کا تھا اور اب زمانہ خوشحالی کا ہے اور نیک لوگ اس خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ سزاوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم دوسروں کی نسبت اس کو استعمال کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں (یہ اس کے سوال کا حلی جواب تھا پھر اس کے نقض کی طرف مائل ہوئے اور فرمایا) اے سفیان میرا ظاہری لباس جو تو دیکھ رہا ہے یہ میں نے صرف لوگوں کے لئے پہن رکھا ہے۔ پھر سفیان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اوپر کا کپڑا اٹھایا جس کے نیچے ایک کھردرا کپڑا تھا پس فرمایا یہ میں نے اپنے لئے پہنا ہے اور جو تو ظاہر میں دیکھ رہا ہے وہ لوگوں کے لئے پہنا ہوا ہے پھر آپ نے سفیان کا کپڑا اٹھایا تو اوپر کھردرا تھا اور اندر نرم لباس پہنے ہوئے تھا فرمایا تو نے لوگوں کے دکھاوے کے لئے اوپر کھردرا لباس پہنا ہے اور اپنی ذات کے لئے نرم لباس پہن رکھا ہے۔

نیز مروی ہے کہ آپ ایک مرتبہ مرو کے عمدہ خوبصورت کپڑے پہن کر اپنے کسی صحابی پر تکیہ لگا کر جا رہے تھے کہ راستہ میں عباد بن صامت سے ملاقات ہوئی وہ کہنے لگا حضور آپ تو خاندان نبوت میں سے ہیں۔ کیا کہنا تیرے باپ کا وہ کس قسم کے بلند انسان تھے (یعنی حضرت علی علیہ السلام تو تارک دنیا تھے) اور آپ قیمتی لباس پہنتے ہیں۔ اس کا مقصد صرف اعتراض کرنا تھا، آپ نے فرمایا اے عباد۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ۔ الآیہ۔ یعنی آپ نے قرآن کی یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جب خدا کسی انسان پر نعمت نازل فرماتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس انسان پر اس نعمت کا اثر دیکھے۔ اس کے بعد فرمایا اے عباد میں جگر گوشہ رسولؐ ہوں مجھے اذیت نہ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ حضرت علیؑ تو کھردری قمیص پہنتے تھے جس کی قیمت چار درہم کے لگ بھگ ہوا کرتی تھی اور آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں تو فرمایا حضرت علیؑ جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگ حالی

کا تھا اس زمانہ میں اس قسم کا لباس۔ لباس شہرت کہلاتا تھا لیکن آج خوشحالی کا زمانہ ہے اور یہ کپڑے عام معمول ہو گئے ہیں لہٰذا ان کو لباسِ شہرت نہیں کہا جاتا اور ہر زمانہ کا بہترین لباس وہ ہے جو اس زمانہ میں مروج ہو ہاں جب ہمارا قائم ظہور کرے گا تو وہ علیؑ کا لباس پہنے گا اور انہی کی سیرت کو اپنائے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سردیوں کے لئے پشمینہ خریدا فرماتے تھے جس کی لاگت پچاس دینار ہوتی تھی اور سردیاں گذر جانے کے بعد وہ صدقہ کر دیتے تھے اور اس کی آپ نے کبھی پرواہ نہ کی تھی اور یہی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نیز امام جعفر صادق علیہ السلام بھی پشم کا جبہ اور طیلسان پہنا کرتے تھے اور نیز آپ نے فرمایا کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر پشم کا جبہ تھا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی و عیاشی منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے غلام عباس بن ہلال شامی نے عرض کی حضور! خشک روٹی کھانا اور کھردرا موٹا لباس پہننا اور خشوع کرنا لوگوں کو زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسف بن یعقوب پیغمبر بنی اور نبی زادے تھے۔ اور ریشم کے زرباف کپڑے کی قبا زیب تن فرمایا کرتے تھے اور آلِ فرعون کے سٹیج پر بیٹھ کر حکم صادر فرماتے تھے۔ لوگوں کو اس کے لباس سے غرض نہ تھی بلکہ ان کے عدل کی ان کو ضرورت تھی۔ اسی طرح امام وقت کی شان ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا (امام کا حق ہے) بولے تو سچ ہو وعدہ کرے تو پورا کرے اور حکم کرے تو عدالت کے ماتحت ہو۔ خداوند کریم نے حلال کا کھانا پینا حرام نہیں کیا البتہ اس نے حرام کو حرام کہا ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ جو صحابی رسولؐ۔ با اخلاص مومن اور کامل انسان تھا حضرت امیر علیہ السلام سے انتہائی محبت رکھتا تھا چنانچہ حضرت علیؑ نے اسی عثمان کی محبت میں اپنے فرزند کا نام بھی عثمان رکھا۔ یہ شخص بڑا عابد و زاہد تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور دل میں وسواس بہت پیدا ہوتا ہے اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو خصی کر دوں۔ حضور نے فرمایا ایسا مت کرو۔ بلکہ قوتِ مردمی کے کم کرنے کے لئے میری امت کے لئے روزہ ہے یعنی روزہ رکھا کرو پھر عثمان نے عرض کی میرا گوشہ نشینی کو جی چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا میری امت کے لئے گوشہ نشینی یہ ہے کہ نماز باجماعت کی انتظار کے لئے مسجد میں بیٹھے رہا کرو۔ اس نے کہا میرا سیاحت کو دل چاہتا ہے تو فرمایا میری امت کی سیاحت حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس نے عرض کی میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی تمام ملکیت کو ختم کر دوں آپ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنا اور بال بچوں کا خرچ پورا کرو اور جو بچے اس سے یتیموں، مسکینوں کی خبرگیری کرو۔ اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ اپنی عورت خولہ کو طلاق دے دوں تو آپ نے فرمایا میری امت پر اس چیز کا چھوڑنا واجب ہے جو حرام ہو اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ مجامعت نہ کروں۔ آپ نے فرمایا مسلمان جب اپنی

عورت یا کنیز کے ساتھ مجامعت کرے اگر بچہ پیدا نہ ہو تو خدا اس کے بدلہ میں اس کو جنت الخلد میں وصیف عطا کرے گا اور اگر بچہ پیدا ہو خواہ اس سے پہلے مرے یا بعد میں مرے دونوں صورتوں میں اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو گا اور قیامت میں باعث سرور ہو گا اور اگر زمان بچپن میں مرے گا تو بروز محشر اس کا شفیع اور باعث رحمت ہو گا۔ اس نے عرض کی کیا گوشت کھانا چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا نہ بلکہ مجھے جب گوشت ملتا ہے تو کھاتا ہوں اور اللہ سے اس کے ملنے کی دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا کیا خوشبو کو چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے اطلاع دی ہے کہ خوشبو لگایا کرو اور خصوصاً بروز جمعہ اس کا ترک نہ کرو۔ پھر فرمایا اے عثمان میری سُنت سے منہ نہ پھیرو کیوں کہ جو میری سنت سے منہ پھیرے گا اور توبہ سے پہلے مرجائے گا۔ بروز قیامت فرشتے میرے حوض (کوثر) سے اس کا منہ پھیر دیں گے۔ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اسلام صرف ترک لذت کا نام نہیں بلکہ لذات کو حلال طریقہ سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام اور نیز معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کی اصل ہے مباح ہونا پس

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ

کہہ دو کہ صرف حرام کیں میرے رب نے برائیاں جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور شراب اور ظلم

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

ناحق اور شرک کرنا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کا کہ نہیں اتاری اس پر اس نے کوئی

سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

دلیل اور کہنا اللہ پر ایسی بات کا جو نہ جانتے ہو

حرام وہی ہوں گی جن کی حرمت پر نص ہو گی۔

قُلْ اِنَّمَا:۔ اس سے پہلے حلال کا حکم مطلق بیان فرمایا۔ اب محرمات کی تفصیل بیان فرما رہا ہے۔

۱۔ فاحش ظاہری یعنی بدکاری وزناکاری جیسا کہ زمان جاہلی میں رواج تھا کہ میلوں کے موقع پر بدکار عورتیں اپنے خیام کے اوپر جھنڈا لگا دیتی تھیں تاکہ حرام کار مرد یہ نشانی دیکھ کر وہاں پہنچیں جس طرح آجکل کنجروں کا طریقہ ہے

۲۔ فاحش پوشیدہ یعنی خفیہ زناکاری اور گذشتہ آیت کی تطبیق سے یہ بھی ممکن ہے کہ عورتوں و مردوں کے ننگے طواف مراد ہوں چونکہ مردون کو کرتے تھے لہذا وہ فاحش ظاہری ہوا اور عورتیں رات کو کرتی تھیں لہذا وہ فاحش پوشیدہ ہوئی۔

۳۔ شراب نوشی۔

۴۔ ظلم و تکبر اور بغیر الحق کا لفظ تاکید کے لئے ہے۔

۵. شرک اور مَا لَمْ یُنَزِّلْ کا جملہ تحکم اور استہزاء کے طور پر ہے کیوں کہ ایسا شرک کوئی بھی نہیں جس کی خدا اجازت دے یا اس پر برہان نازل فرمائے۔

۶. اللہ پر ایسی بات کرنا جس کا علم نہ ہو یعنی علم کے بغیر دین میں مفتی بننا چنانچہ بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دو خصلتوں سے بچو کیوں کہ انہی کی بدولت ہلاک ہوئے جو ہوئے۔

۱. قیاس سے فتوے دینا۔

۲. ایسی چیز کو دین بتانا جس کا علم نہ ہو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا لوگوں پر خدا کی حجت کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو جانتے ہوں کہیں اور جو نہ جانتے ہوں وہاں ٹھہر جائیں۔

ایک روایت میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتوے دیتا ہے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں (صافی)

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس اجل سے مراد وہ اجل ہے جو شب قدر ملک الموت کو بتائی جاتی ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
اور ہر امت کے لئے مدت مقرر ہے پس جب آئے گی مدت ان کی تو نہ پیچھے ہٹیں گے اس
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
سے ایک گھنٹہ اور نہ آگے ہوں گے اے اولادِ آدم اگر آئے تمہارے پاس رسول تم ہی سے
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
جو بیان کریں تم پر ہماری آیات کو پس جس نے تقوےٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو نہ خوف
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ہوگا ان کو اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو
وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾
اور تکبر کیا ان سے وہی دوزخ جانے والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۳۷: یہاں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک افتراء کذب اور دوسری تکذیب آیات اور ان کے ارتکاب کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے پہلی چیز کا مطلب ہے کہ جو چیز خدا نے نہیں کہی وہ کہنا اور دوسری چیز کا مقصد ہے جو کچھ خدا نے کہا ہے اس کو نہ ماننا پس تمام کے تمام گناہ ان دو کلیوں میں بند ہو جاتے ہیں پہلی چیز کہ جس کی نفی کرنی ہے اس کا اثبات کرنا۔ اس میں شرک کرنا۔ بت پوجنا اور باقی محرمات شرعیہ کو بجا لانا

سب کے سب داخل ہیں اور دوسری چیز کہ جس کو خدا نے مثبت کیا ہے اس کی نفی کرنا۔ نبوّت کا انکار ولایت کا انکار، آیاتِ کلام اللہ کا انکار اور جملہ احوال دین اور فروعاتِ اسلامیہ جن کے بجالانے کا حکم ہے۔ ان کا انکار اس کلیہ میں داخل ہے۔ کیونکہ تکذیب سے مراد عام ہے خواہ تکذیب دل سے ہو یا زبان سے ہو یا عمل سے ہو۔

نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتٰبِ:۔ کتاب سے مراد عذاب ہے اور کتاب سے تعبیر اس لیئے ہوا کہ کتاب میں اس کا وعدہ ہو چکا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ط

پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے اس کی آیات کو

اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ

ایسے لوگوں کو پہنچے گا حصّہ عذاب کا جو کتاب میں ہے، یہاں تک کہ جب آئیں گے ان پر

رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ

ہمارے بھیجے ہوئے پیغام موت لے کر تو کہیں گے کہ کہاں ہے وہ جس کو تم پکارتے تھے اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ ط قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

سوا تو یہ جواب دیں گے گم ہو گئے ہم سے اور شہادت دیں گے اپنے خلاف

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

کہ ہم کافر تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ ظالم ہیں ان کو بھی اپنے رزق اور اپنی عمر کا حصّہ تو ملے گا یعنی ظلم کی وجہ سے ان کا رزق یا عمر کٹ نہ جائے گی پس جب اپنا عمر و رزق کا حصّہ ختم کر لیں گے تو ملائکہ موت پیغام موت لے کر ان کے سر پر آ جائیں گے۔

ابن عباس نے کہا ہے کہ کافر کے لیئے موت قیامت ہے اور فرشتے زجر و توبیخ کے طور پر بوقت موت ان کو کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم لوگ پکارا کرتے تھے۔

قَالَ ادْخُلُوْا:۔ جب بیان لیئے جا چکیں گے اور وہ لوگ اپنے کفر کا اقرار کر لیں گے تو حکم ہو گا کہ جاؤ جہنم میں، یعنی ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا اور ان سے پہلے بھی جنّوں اور انسانوں میں سے کچھ لوگ جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے تو ہر بعد والی جماعت پہلوں کو لعنت کرے گی۔ یعنی دنیا میں یہ لوگ جن کی اتباع کر کے جہنم کے سزاوار ہوئے تھے۔ یعنی اس کے پیر و مرشد جو پہلے جہنم میں ٹھکانہ بنائے ہوئے ہوں گے یہ مریدوں کی ٹولیاں

جب یکے بعد دیگرے جہنم کا پرمٹ لے کر وہاں پہنچیں گی تو اپنے راہنماؤں اماموں پیروں اور بزرگوں کو لعن طعن کریں گی اور جب سب وہاں اکٹھے ہو جائیں گے تو یہ لوگ اپنے پیروں کو کہیں گے کہ اس عذاب میں ہم کو تم نے ڈالا ہے۔ خدا تم پر لعنت کرے۔ اور معصوم نے فرمایا کہ ان سے ظالم امام مراد ہیں اور خدا سے عرض کریں گے اے پروردگار! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دے تو خدا فرمائے گا اب پیرو مرید دونوں کے لئے عذاب یکساں ہے اور سب کے لئے دوگنا ہے۔ خوب آرام سے رہو۔ یہ بات سن کر پیر غصہ ہوں گے اور کہیں گے واہ تم ہمارے خلاف کیوں شور کر رہے ہو تم ہم سے کوئی اچھے ہو تم کیوں اتباع کرتے تھے وہاں گناہ میں دونوں برابر کے شریک تھے اب عذاب میں دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ گھبراتے کیوں ہو۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
(تو خدا) فرمائے گا داخل ہو ان جماعتوں میں جو گذر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے
فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّى إِذَا ادَّارَكُوا
دوزخ میں تو جب داخل ہوگی ایک جماعت لعنت کرے گی دوسری کو یہاں تک کہ جب
فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ
جمع ہو جائیں گے اس میں سب تو کہے گی پچھلی جماعت پہلی کی متعلق۔ اے پروردگار انہوں نے
عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۳۸
ہم کو گمراہ کیا تھا پس دے ان کو عذاب دوگنا دوزخ کا فرمائے گا ہر ایک کے لئے دوگنا ہے لیکن تم
وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ
جانتے نہیں ہو اور کہے گی پہلی جماعت پچھلی کو کہ تم کو ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے پس تم
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ ۳۹ ع
بھی چکھو عذاب کو بوجہ اس کے جو کرتے تھے۔

رکوع ۱۲

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ
تحقیق جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان پر دروازے

لا تفتح: تفسیر

مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومنوں کے ارواح و اعمال جب بلند ہوتے ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لیکن جب کافر کا روح و عمل بلند ہوتا ہے تو اوپر سے ندا آتی ہے اس کو سجین میں گرا دو اور وہ حضر موت میں ایک وادی ہے جس کو وادی برہوت بھی کہتے ہیں۔

MAAB 1431 maablib.org

مِنْ غِلٍّ :۔ جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کے دلوں سے کینہ حسد اور بغض و عداوت وغیرہ اندرونی آلائشات کا خاتمہ کردیا جائے گا۔ پس وہ بھائی بھائی بن کر جنت میں عیش کریں گے۔

السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ

آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک داخل ہو اونٹ سوراخ سوزن میں اور

الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ (۴۰) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

اس طرح بدلہ دیں گے ہم مجرموں کو ان کا جہنم سے بچھونا ہوگا

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ (۴۱)

اور ان کے اوپر لحاف ہوگا اور اسی طرح بدلہ دیں گے ہم ظالموں کو

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ

اور جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۴۲) وَنَزَعْنَا مَا فِیْ

کی طاقت پر وہ لوگ اصحاب جنت ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کھینچ لیں گے وہ جو

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ

ان کے سینوں میں ہوگا کینہ بہیں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے حمد ہے اللہ

لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ

کی اللہ کی جس نے رہبری کی ہماری اس طرف اور ہم نہ تھے کہ راہ پاتے اگر نہ رہبری فرماتا

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

ہمارا خدا تحقیق آئے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے اور ان کو ندا ملے گی کہ اس جنت

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۴۳)

کے تم وارث ہوئے ہو بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے

اُوْرِثْتُمُوْهَا :۔ خدا کی جانب سے ان کو ندا پہنچے گی کہ اپنے اعمال کی بدولت ہی تم لوگ اس جنت کے وارث بنے ہو اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے دو دو گھر ہیں۔ ایک جنت میں دوسرا جہنم میں پس کافر شخص مومن کے دوزخ کے گھر کا وارث ہوگا اور مومن مرد کافر کے جنت کے گھر کا وارث ہوگا۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ :۔ جنت والے جب جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ ہمیں تو وعدہ خداوندی کے مطابق جنت کا گھر مل چکا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں بھی کچھ ملا ہے تو جہنم والے کہیں گے ہاں تو اس وقت مؤذن اذان دے گا۔

کہ ظالموں پر خدا کی لعنت۔ تفاسیر امامیہ میں ہے کہ یہ مؤذن حضرت علیؑ ہوگا۔ مجمع البیان میں محمد بن حنفیہ سے روایت ہے حضرت علیؑ نے فرمایا میں وہ اذان دینے والا ہوں گا۔ نیز ابن عباس سے منقول ہے کہ علیؑ کے قرآنِ مجید میں ایسے نام ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے چنانچہ مؤذن سے مراد بھی یہی ہے کہ کہے گا اللہ کی لعنت ان لوگوں پر جنہوں نے میری ولایت کی تکذیب کی اور میرے حق کو ظلم سے دبالیا

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اور ندا دیں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پالیا ہے جو ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا

رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ

ہمارے رب نے سچ سچ تو کیا تم نے بھی پایا ہے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا رب نے سچ سچ تو کہیں

مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ

گے ہاں پس آواز دے گا آواز دینے والا ان کے درمیان کہ خدا کی لعنت اوپر ظالموں کے جو روکتے تھے

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝۴۵

اللہ کے راستے سے اور چاہتے تھے اس کی کجی اور وہ آخرت کا انکار کرتے تھے اور

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَ

ان کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر کئی مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو علامتوں سے

نَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ

اور پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر نہ داخل ہوں گے اس میں حالانکہ پر امید

يَطْمَعُونَ ۝۴۶ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

ہوں گے اور جب پھیری جائیں گی ان کی آنکھیں طرف دوزخ والوں کے تو کہیں گے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ع ۸ / ۱۲

اے پروردگار نہ کر ہمیں ساتھ قوم ظالم کے

اعراف کا ذکر

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ

یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہوگا جس طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے درمیان ایک حدِ فاصل ہو گی جس کا ایک دروازہ بھی ہوگا جس کے اندر کی طرف خدا کی رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب خداوندی ہوگا۔ رازی نے کہا ہے کہ الاعراف جمع ہے عرف کی اور اس کا معنی ہے بلند جگہ اور بعض نے کہا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو سور حائل ہوگی اس کی بلندی کا نام ہے اعراف اور بعض نے صراط کو اعراف کہا ہے۔

اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ اعراف پر کون لوگ ہوں گے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی جہنم اور ان کے درمیان ان کی نیکیوں کا پردہ ہوگا۔ اور جنت اور ان کے درمیان برائیوں کا پردہ ہوگا۔ پس وہاں ٹھہرائے جائیں گے۔ پھر جب خدا چاہے گا ان کو اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا۔ یہ قول ابنِ عباس اور ابنِ مسعود سے منقول ہے۔

تفسیرِ ثعلبی سے منقول ہے کہ اعراف صراط کے اوپر ایک بلند جگہ کا نام ہے جس پر حضرت حمزہ حضرت عباس حضرت علی اور حضرت جعفر طیار تشریف فرما ہوں گے اور چہروں کی سفیدی اور سیاہی سے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہنچانیں گے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ آلِ محمدؐ ہوں گے۔ پس جنت میں نہیں جائے گا مگر ان کا دوست اور جہنم میں نہیں جائے گا مگر ان کا دشمن چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بروزِ قیامت ہم جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوں گے اپنے دوستوں کو پہچانیں گے اور جنت میں داخل کریں گے اور اپنے دشمنوں کو بھی پہنچانیں گے اور ان کو جہنم داخل کریں گے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو خود اپنی معرفت عطا فرما دیتا لیکن اس نے ہمیں اپنا باب صراط اور سبیل قرار دیا ہے اور ہم وہ دروازہ ہیں جس سے اللہ کی طرف جایا جا سکتا ہے۔ حضرت سلمان سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے دس سے زیادہ مرتبہ سنا کہ انھوں نے فرمایا علیؑ تو اور تیرے اوصیاء جنت اور دوزخ کے درمیان اعراف پر ہوں گے۔ پس جنت میں نہیں جائے گا۔ مگر وہ جو تمہیں جانتا ہوگا اور تم اس کو جانتے ہوگے اور جہنم میں نہیں جائے گا مگر وہ جو تمہارا انکاری ہوگا اور تم اس کا انکار کرو گے۔ بہرکیف اس مطلب کی احادیث حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں کہ اعراف پر آلِ محمدؐ موجود ہوں گے اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان کر جنت اور جہنم میں داخل کریں گے۔ بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کُلُّ اُمَّۃٍ یُحَاسِبُھَا اِمَامُ زَمَانِھَا یعنی بروزِ قیامت ہر امت کا حساب اس امت کے امامِ زمانہ کے ہاتھ میں ہوگا اور وہی حساب لے گا۔ اور امامِ زمانہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہنچانے گا جس طرح کہ خدا فرماتا ہے یَعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ کہ وہ سب کو پہچانتے ہوں گے علامات سے۔ پس اپنے دوستوں کو کتاب دائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے اور دشمنوں کو کتاب بائیں ہاتھ دیں گے تو وہ بلا حساب جہنم میں چلے جائیں گے۔

ان روایات کے مقابلہ میں دوسری وہ روایات بھی موجود ہیں جن میں ہے کہ اعراف پر وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہونگی اگرچہ یَعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ کا جملہ تو ان سے تطبیق نہیں کرتا کیوں کہ وہ بیچارے سب مومنوں اور سب کافروں کا سراغ کس طرح لگا سکیں گے لیکن آیت مجیدہ کا بعد والا جملہ کہ لَمْ یَدْخُلُوْھَا وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ یعنی خود جنت میں نہ داخل ہوں گے البتہ جنت کا طمع ان کو ہوگا۔ اس کی تائید کرتا ہے کہ اعراف

پر ایسے لوگ ہی ہوں گے۔ چنانچہ اس بارے میں کافی ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے جب آپ سے اعراف والوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ قوم ہو گی جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی پس اگر خدا ان کو جہنم میں بھیجے تو ان کے گناہوں کی شامت سے اور اگر ان کو جنت میں بھیجے تو اپنی رحمت سے تو ان پر ہر دو قسم کی روایات میں کوئی تنافر نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ ایک گنہگار طبقہ اعراف پر اپنے آئمہ کے ساتھ موجود ہو اور جنت کا امیدوار ہو اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اعراف جنت اور جہنم کے درمیان ایک بلند مقام ہے کہ اس پر ہر زمانہ کا نبی اور اس کا صحیح جانشین اپنے گنہگار امتیوں اور دوستوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے جس طرح کہ لشکر کا مالک و سالار اپنے کمزور سپاہیوں کو اپنے پاس کھڑا کر لیا کرتا ہے۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے تو خلیفہ نبی اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگاروں سے کہے گا کہ اپنے نیک بھائیوں کو دیکھو کہ وہ کیسے جنت میں جا رہے ہیں تو یہ گنہگار لوگ ان کو سلام دیں گے جیسا کہ خدا فرماتا ہے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ یعنی یہ لوگ اصحاب جنت کو سلام دیں گے اور خود جنت میں نہ جائیں گے البتہ جنت کے امیدوار ہوں گے کہ شاید خدا ان کو نبی اور امام کی سفارش سے جنت میں داخل کر دے۔ پھر جب اہل دوزخ کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں میں سے نہ کر اس کے بعد اصحاب اعراف یعنی انبیاء اور انبیاء کے جانشین جہنمیوں اور کافروں کے سرداروں سے خطاب کریں گے کہ آج تم کو اپنی جمعیت و کثرت اور تکبر نے کوئی فائدہ نہیں دیا پھر جنت والوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو کہیں گے کہ کیا تم لوگ انہی لوگوں کے متعلق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ یہ لوگ رحمت خدا سے دور ہیں کہ ان کو تم ذلیل سمجھتے تھے اور فقر کی وجہ سے ان کو حقیر جانتے تھے اور اپنی دنیا پر نازاں ہوتے تھے۔ پھر وہ اصحاب اعراف اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگار امیدواروں سے خطاب فرمائیں گے کہ اب تم بھی بلا مضائقہ جنت میں چلے جاؤ۔ تفسیر قمی سے بھی اس قسم کی ایک حدیث منقول ہے وہاں یہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ اپنے گنہگار شیعوں کے ہمراہ اعراف پر موجود ہوں گے۔ اور آخر میں لفظ یہ ہیں کہ اصحاب اعراف آئمہ طاہرینؑ جہنم میں جلنے والے اپنے دشمنوں سے کہیں گے کہ یہ ہمارے وہ شیعہ اور بھائی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کو خدا کی رحمت نہ پہنچے گی۔ پھر شیعہ گنہگاروں کو فرمائیں گے۔ اب جنت میں جاؤ اور خوف و غم کا کوئی فکر نہ کرو۔ اور حضرت علیؑ کے قسیم الجنۃ والنار ہونے کی احادیث بکثرت موجود ہیں جو ان احادیث کی تائید کرتی ہیں (ملخص از تفاسیر)

رازی نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں مومنوں اور کافروں کے اعمال سے مطلع ہوں گے اور ان کی نشانیاں جانتے ہوں گے پس بروز محشر انہی علامات سے ان کو پہچان کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں گے اور مومنوں کو جنت کی طرف اور کافروں کو جہنم کی طرف بھیجیں گے خداوند کریم تمام اہل محشر کو ان لوگوں

کے شان کی عظمت دکھائے گا جو اعراف پر متمکن ہوں گے. درمیان میں بیٹھ کر اپنے دوستوں کو جنت میں جاتا ہوا دیکھیں گے اور مسرور ہوں گے گویا شاہانہ شان سے اس بلند سٹیج پر تماشائی کی حیثیت سے لطف اندوز ہوں گے اور یہ لذت اپنے جنّت میں پہنچنے سے بہت زیادہ ہے پھر جب اہلِ دوزخ اور اہل جنّت اپنے اپنے ٹھکانے لگ جائیں گے تو اصحاب اعراف اپنے جنّت کے بلند ترین درجات کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور رازی کے نزدیک جنّت کا طمع رکھنے والے یہی ہوں گے وہ کہتا ہے کہ اعراف پر بیٹھ کر نظارہ کرنا جنّت کی لذات سے زیادہ ہے اور یہاں ان کی شاہانہ شان کا مظاہرہ ہے اور اس نظارہ کی موجودگی میں وہ خود جنّت میں نہ جائیں گے. ہاں ان کو امید ہو گی کہ ابھی نظارہ کے خاتمہ کے بعد ہم اپنے درجات میں جائیں گے اور یہاں امید یقین کے معنی میں ہے جس طرح قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے متعلق ہے. وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ یعنی وہ اللہ کہ میں امید اور طمع رکھتا ہوں کہ مجھے بخش دے حالانکہ حضرت ابراہیم کو یقین تھا. پس یہاں بھی طمع یقین کے معنی میں ہے.

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا

اور آواز دیں گے اعراف والے ان آدمیوں کو جن کو پہچانیں گے علامتوں سے کہیں گے نہیں

مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ

نفع دیا تم کو تمہاری کثرت نے اور جو تم تکبر کرتے تھے کیا یہی لوگوں کے متعلق

اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ

تم قسم کھاتے تھے کہ نہ دے گا اللہ ان کو اپنی رحمت داخل ہو جنت میں نہ کوئی خوف تم کو

رکوع ۱۳ - وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ - یعنی اعراف والے جہنمیوں سے خطاب کریں گے. مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تمہارا نظریہ کچھ اور تھا اب تمہارا تکبر اور جمعیت پر ناز کہاں گیا. مفصّل روایت ابھی گذر چکی ہے.

وَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جہنمی پیاسے مرتے ہیں اور پیاسے قبر میں جاتے ہیں اور پیاسے محشور ہوں گے. تفسیر برہان میں ایک روایت ہے کہ جہنم والے عذاب سے تنگ ہوں گے تو جنّت والوں سے پانی اور طعام کا سوال کریں گے تا کہ ان پر تخفیف عذاب ہو لیکن جنّت والے چالیس برس تک ان کو جواب تک نہ دیں گے پھر از راہِ تحقیر و تذلیل ان کو کہیں گے دہت جاؤ) یہ چیزیں کافروں پر حرام ہیں پھر خازنین جہنم سے درخواست کریں گے جس طرح ایک اور مقام پر قرآن میں ان کی حکایت موجود ہے کہ اللہ سے دعا مانگو کہ ایک دن تو ہم سے عذاب کو اٹھا لے پھر وہ بھی چالیس سال تک خاموش رہیں گے. پھر جواب دیں گے کہ کافر کی اب کوئی دعا مقبول نہیں ہو سکتی. پھر مالک داروغہ جہنم سے آخری درخواست کریں گے جس طرح قرآن مجید

میں حکایت موجود ہے اے مالک تو سفارش کر تو وہ بھی چالیس برس کے بعد جواب دے گا۔ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ تم نے ہمیشہ یہیں ٹھہرنا ہے۔

نَنْسٰهُمْ :۔ خدا کو بھول نہیں لگتی یہاں مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں خدا و قیامت کو بھلا دیا ہوگا۔ بروز محشر خدا ان کو اس کی سزا دے گا کہ ان کی طرف کوئی نظر رحمت نہ ہوگی یعنی ہم ان کے ساتھ معاملہ اس طرح کریں گے جس طرح بھول جانے والا انسان کیا کرتا ہے کہ ان کی آواز کا بہت دیر کے بعد جواب دیں گے اور پھر ان کی کوئی دعا قبول نہ کریں گے اور ان کی چیخ و پکار پر رحم نہ کریں گے۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے کیا تھا۔

وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

اور نہ کوئی حزن ہوگا اور آواز دیں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ

اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ

عنایت کرو ہمیں کچھ پانی یا کچھ وہ جو تم کو رزق دیا اللہ نے وہ کہیں گے تحقیق اللہ

حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ

نے یہ دونوں چیزیں حرام کی ہیں کافروں پر جنہوں نے بنایا اپنا دین لہو و لعب اور دھوکا

لَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ

دیا ان کو زندگی دنیا نے تو ہم آج ان سے لاپرواہی کریں گے جس طرح انہوں نے

یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝

لاپرواہی کی اس دن کی ملاقات سے اور تھے ہماری آیات کا انکار کرتے۔

تنبیہہ و تذکرہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی ولا کلید جنت ہے اور ان کی محبت بالآخر انسان کو جنت میں پہنچا دے گی لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا یہ عام محبت اور ولاء کا دعوے رکھنے والے محب و موالی ہیں بھی یا نہ؟ اہلبیتؑ کے نام سے والہانہ عقیدت کا نام تو محبت و موالات نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کی تعلیمات سے وابستگی نہ ہو چنانچہ کتاب اصول کافی باب زیارۃ الاخوان میں خیثمہ روایت کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں وداع کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے خیثمہ ہمارے موالیوں کو ہمارا سلام پہنچانا اور ان کو تقوے کی وصیت کرنا اور اس بات کی کہ دولتمند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے۔ طاقت ور پر واجب ہے کہ ناتواں کی دستگیری کرے اور ان کے زندوں پر لازم ہے کہ مرنے والوں کے جنازوں میں شرکت

MAAB 1431
maablib.org

کریں اور گھروں میں جاکر ایک دوسرے سے ملاقات کریں کیوں کہ ان کی گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات ہمارے مشن کی زندگی کی موجب ہے اللہ خدا اس شخص پر رحم کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرے اے خیثمہ ہمارے موالیوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے مگر ساتھ عمل کے۔ اور وہ ہماری ولایت کو نہیں پا سکتے مگر ساتھ پرہیزگاری کے۔ ابلغ موالینا انا لا نغنی عنھم من اللہ شیئا الا بعمل وانھم لن ینالوا ولایتنا الا بالورع الخ۔ اب ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم میں محبت کی کونسی علامت پائی جاتی ہے۔ خداوند کریم ہم کو آلِ محمد کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ

اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے

يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝٥٢ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ

لئے جو ایمان لائے — نہیں انتظار کرتے مگر اس کے انجام کی جس دن ہوگا انجام (ان کے اعمال کا) تو کہیں

الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَـقِّ ۚ فَهَلۡ

گے جنہوں نے لاپرواہی برتی تھی پہلے تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے کیا ہمارا کوئی ہے شفیع

لَّـنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَيَشۡفَعُوۡا لَـنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ

جو ہمارے حق میں شفاعت کرے یا ہمیں لوٹایا جائے تاکہ عمل کریں غیر اس عمل کا جو کرتے تھے تحقیق

قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝٥٣ ع ١٣

انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ دیا ہے اور گم ہوگیا ان سے وہ جو افترا باندھتے تھے۔

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ۔ ان کی طرف انتظار کی نسبت مجازاً دی گئی ہے۔ ورنہ وہ لوگ تو قیامت کے سرے سے قائل ہی نہ تھے۔ ہاں البتہ مومنین کو ان کے ایمان کی انتظار تھی اور بصورت دیگر ان کے عذاب میں گرفتار ہونے کی امید تھی اب کفار کی طرف انتظار کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے بس جس دن عذاب کو دیکھیں گے تو ان کو پتہ لگے گا کہ رسول سچ فرمایا کرتے تھے اب کاش کوئی ہماری سفارش کرتا یا ایک مرتبہ ہمیں دنیا کی طرف واپس پلٹنے کا موقع دیا جاتا تاکہ ہم مومنوں کی طرح اعمال کرتے لیکن اس وقت ان کی کوئی شنید نہ ہوگی۔

رکوع ۱۴۔ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یعنی اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو مکمل کیا اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں ہو سکتا تھا لیکن اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا جیساکہ ایک انسان مقام نطفہ سے لے کر مقامِ تولد تک چھ یا دس ماہ میں تیار ہوتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو ایک لمحہ میں پیدا کرتا لیکن اس کی مصلحت

نے ایسا ہی چاہا ہے اسی طرح تمام مخلوق کی پیدائش اور تربیت و تکمیل کو اس نے تدریجی قرار دیا ہے۔ پس اسی طرح آسمانوں اور زمین کی خلقت کا حال ہے اور چھ دن سے مراد یہ ہے کہ اتنے وقت میں ان کی خلقت تمام ہوئی کہ اگر گردشِ شمس کا حساب لگایا جائے تو چھ دن بنتے ہیں ورنہ اس وقت نہ سورج تھا نہ چاند پھر چھ دن کس طرح تھے کیوں کہ آسمان پیدا ہوں تو اس میں سورج و چاند رکھے جائیں اور گردش کے بعد زمانہ پیدا ہو۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایام کی ابتداء اتوار سے رکھی گئی اور خلقتِ آسمان و زمین کی تکمیل بروز جمعہ ہوئی اس لئے اس روز کو یوم جمعہ کہتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ
تحقیق تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پھر وہ متمکن
أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ
ہوا عرش پر پہنا دیتا ہے رات کو دن پر کہ اس کو پا لیتی ہے جلدی اور
حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ ط
سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو کہ مطیع ہیں اس کے حکم کے سامنے بے شک
أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ○ اُدْعُوا
ایجاد اور امر اسی کا ہی ہے بابرکت ہے اللہ جو رب ہے عالمین کا پکارو اپنے
رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○
رب کو گڑگڑا کر اور پوشیدہ تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو

ثُمَّ اسْتَوٰی: یعنی خلقت آسمان و زمین کے بعد سریر مملکت الوہیت عرش مجید کو قرار دیا جس طرح حکومت کے لئے ایک پایۂ تخت ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا عرشِ مجید پر بیٹھا ہے اور باقی مکانات اس سے خالی ہیں بلکہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز پر حاوی ہے اور عرشِ مجید کو اس کی طرف نسبت ہے جو مقامِ عرش کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔

الخلق والامر: خلق اور امر کے جدا جدا معانی ہیں۔ خلق کا معنی ایجاد کرنا اور امر کا معنی ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے یعنی جس طرح حق خلق اسی کا ہے اسی طرح مخلوق پر حق حکومت و تصرف بھی اسی کو ہی حاصل ہے۔

خاصیت مروی ہے کہ جس شخص کو جادو یا جنات کا خطرہ ہو اس آیتِ مجیدہ کی تلاوت کرے

MAAB 1431
maablib.org

توکوئی نقصان نہ دیکھے گا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ سے آخر تک ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جنگل میں رات گذارے اور یہ آیت پڑھ لے تو اس سے شیاطین دور ہوتے ہیں اور ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں چنانچہ ایک شخص کو جنگل میں رات آگئی تو اس نے جان بوجھ کر یہ آیت نہ پڑھی تو جنوں نے اس پر حملہ کر دیا جب مجبور ہوا تو یہ آیت پڑھی پس جنوں نے ایک دوسرے سے کہا اب ہم نے صبح تک اس کی حفاظت کرنی ہے اور اس کی ایذا رسانی سے باز آگئے اور اس نے صبح سویرے امیرؑ کو بتایا کہ واقعی آپ کا کلام شافی و وافی تھا (کافی)

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا

اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اصلاح کے اور پکارو اس کو خوف اور طمع سے تحقیق

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ

اللہ کی رحمت قریب ہے احسان کرنے والوں سے اور وہ ہے جو بھیجتا ہے

الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا

ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی رحمت سے پہلے یہاں تک کہ جب اٹھا لیں

ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ

وہ بھاری بادلوں کو تو چلاتے ہیں ہم اسکو زمین غیر آباد کی طرف پس نازل کرتے ہیں اس

مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (٥٧)

پر بارش تو پھر نکالتے ہیں اس سے ہر قسم کے پھل اس طرح ہم نکالتے ہیں مردے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا

اور زمین پاکیزہ (زرخیز) نکالتی ہے اپنی انگوری اپنے رب کے اذن سے اور جو خبیث ہو نہیں اگاتی

يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ (٥٨)

مگر تھوڑی اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات واسطے اس قوم کے جو شکر کرے

تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً یعنی دعائیں آہستہ سے اور عاجزی و زاری سے خدا سے مناجات کی جائے۔ ایک جنگ میں حضورؐ مصروف تھے کہ ایک وادی میں دیکھا لوگ تہلیل و تکبیر باآواز بلند پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا لوگو! کچھ سوچو سمجھو تم کسی دور والے کو یا کسی بہرے کو تو نہیں بلا رہے ہو بلکہ تم تو سمیع قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ موجود ہے اس کے بعد خدا ارشاد فرماتا ہے کہ تحقیق وہ حد سے بڑھنے والوں کو نہیں دوست رکھتا اور آج کل تو لوگوں نے دستور بنا لیا ہے۔ شور مچا مچا کر قرآن پڑھنا اور دعائیں مانگنا خدا جانے یہ بار عادت ان میں کیوں سرایت کر گئی ہے غالباً تصنع اور ریا ہی اس کا محرک اعظم ہے۔ خدا ہمیں اس وبا سے نجات دے۔

لَا تُفْسِدُوْا[۳۴]: یعنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے زمین کو خراب نہ کرو اور فسادات کی بنیاد قائم نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ صافی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ بعثت سے پہلے زمین فاسد تھی اور حضورؐ کی تشریف آوری سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے اب مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ دوبارہ اسے فساد کی طرف نہ لے جانا لیکن حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے حقوق سے پیچھے ہٹا کر جب امت نے نظام اسلام اپنے ہاتھ میں لیا تو زمین خدا رفتہ رفتہ فساد کی طرف پلٹ گئی۔

خَوْفًا وَّطَمَعًا[۳۵]: یعنی ایک طرف اس کی گرفت اور جہنم کا ڈر ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت و بخشش کی امید ہو۔ چنانچہ معصوم کا ارشاد ہے کہ اگر مومن کے خوف کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور اس کی امید کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو دونوں پلڑے برابر ثابت ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ مومن کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ جو شخص صرف امید ہی امید رکھتا ہو وہ بھی غلطی پر ہے اور جو صرف خوف ہی خوف رکھتا ہو اور جنت سے مایوس ہو جاتے وہ بھی غلط راستہ پر ہے۔ مومن ان دونوں راستوں کے درمیان چلتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
اور تحقیق ہم نے بھیجا نوحؑ کو طرف اپنی قوم کے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی تمہارا کوئی
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝
معبود نہیں سوائے اس کے تحقیق میں خوف کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی: یعنی جس طرح ہم زمین کے شکم سے بیجوں کو جمادیت سے نباتیت کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا مردے کو زندہ کرنا ہے۔ اسی طرح نطفۂ انسانی جماد کی قسم ہے جس کو انسانیت کی طرف علی التدریج خدا منتقل کرتا ہے۔ پس خدا فرماتا ہے جس طرح میں یہ کام کر سکتا ہوں، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی اسی قدرت سے کر سکتا ہوں۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ[۳۶]: مروی ہے ایک مرتبہ امیر شام نے امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو آپ نے فرمایا ہاں تو اس نے پوچھا بتاؤ میری داڑھی خفیف اور آپ کی گھنی ہے ان کا قرآن میں کہاں ذکر ہے تو آپ نے یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی نیز عمرو عاص اور امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح منقول ہے۔

رکوع ۱۵

حضرت نوحؑ کا ذکر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا: حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کی دسویں پشت تھے۔ نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریسؑ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ اور یکے بعد دیگرے یہ سب کے سب

maablib.org

نبی تھے لیکن سرکشوں اور ظالموں کے ڈر سے چھپ کر انہوں نے زندگی گذاری اس لیئے ان کا ذکر مشہور نہیں ہے اور نہ قرآن مجید نے وضاحت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نوح کا اصلی نام باختلاف احادیث عبدالغفار یا عبدالملک یا عبدالاعلیٰ تھا۔ اور کثرت گریہ کی وجہ سے ان کو نوح کہا جاتا ہے جب خدا نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا تو ھبۃ اللہ کی اولاد نے فوراً مان لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن قابیل کی اولاد نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ ہم سے پہلے قوم جن کا زمین پر تسلط تھا تو خدا نے ان کی طرف فرشتہ بھیجا تھا اگر ہماری طرف بھی کسی کو بھیجنا تھا تو فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گویا بشر اور رسول کے درمیان کا فرق لوگ پہلے دن سے منافات سمجھتے تھے جب بھی نبی کہتا تھا کہ میں رسول ہو کر آیا ہوں تو فوراً تردید کرتے ہوئے کہہ دیتے تھے کہ بشریت اور رسالت کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی بہتات ہوا کرتی ہے حضرت نوح کا رنگ گندمی چہرہ پتلا سر لمبا۔ آنکھیں موٹی اور پنڈلیاں پتلی قد طولانی اور جسم موٹا تھا ان کی تبلیغ میں تین تین سو برس کے تین دور گذرے اور جتنی ہی تبلیغ کرتے گئے اتنی ہی قوم کی سرکشی بڑھتی گئی اور ہر بعد کا دور پہلے دور سے سخت رہا ہے اور ایک شخص چھوٹے بچے کو اٹھالاتا تھا اور نوح کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا کہ اگر میرے بعد تو زندہ

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

کہا اس کے سردارانِ قوم نے تحقیق ہم سمجھتے ہیں تجھے کھلی گمراہی میں

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

فرمایا اے قوم میں گمراہ نہیں ہوں لیکن میں تو بھیجا ہوا ہوں عالمین کے

الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ

پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات اپنے رب کے اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں میں

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

جانتا ہوں اللہ کی جانب سے جو تم نہیں جانتے کیا اوپرا لگا ہے تمکو کہ آیا تمہارے پاس ذکر تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ

رب سے اوپر ایک بندے کے جو تم میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور تم ڈرو تاکہ تم رحم

تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی

کیئے جاؤ تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ساتھ کشتی

ع ۱۵

الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ (۶۴)

میں تھے اور ہم نے غرق کیا ان کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تحقیق وہ دل کے اندھے لوگ تھے

ہو تو دیکھو اس کی بات نہ مانتا اور پھر ان کو پتھر مارنے کی طرف اُکساتے تھے۔ چنانچہ حضرت نوح پتھر کھا کھا کر زخمی ہو جاتے تھے اور لوگ عالمِ غشی میں ان کو اٹھا کر گھر کے دروازہ پر چھوڑ جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نوح کی عمر ۲۵۰۰ برس تھی ۸۵۰ برس بعثت سے پہلے اور ۹۵۰ برس تبلیغ کے اور ۲۰۰ برس کشتی کے بنانے میں اور ۵۰۰ برس طوفان کے بعد۔ ایک دن اتنی عمر طویل کے بعد دھوپ میں سوئے ہوئے تھے کہ ملک الموت وارد ہوا حضرت نوح نے دریافت کیا کہ کیسے آئے ہو؟ ملک الموت نے سلام دیا۔ حضرت نوح نے جواب دیا تو ملک الموت نے کہا میں تیرا روح قبض کرنے آیا ہوں۔ حضرت نوح نے فرمایا مجھے اسقدر مہلت دے دو کہ دھوپ سے منتقل ہو کر سایہ میں پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ملک الموت نے اجازت دے دی اور آپ سایہ میں آگئے اور فرمانے لگے اے ملک الموت! اس قدر عمر طویل پانے کے بعد مجھے اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ میری زندگی صرف اسی قدر رہی تھی جو دھوپ سے سائے تک آنے کی مقدار ہے۔ حضرت نوح کے کشتی سے اترنے کے بعد جب دوبارہ لوگوں میں بت پرستی پھیلی تو بتوں کے نام وہی رکھے جو حضرت نوح سے پہلے کے مشرکوں نے رکھے ہوئے تھے۔ یمن والوں کے بتوں کا نام یغوث و یعوق تھا دومۃ الجندل والوں کے بت کا نام ود تھا۔ حمیر کے بت کا نام نسر اور ھذیل کے بُت کا نام سواع تھا (مجمع البیان)

اور معارج النبوۃ میں ہے کہ اتنی طویل عمر کے باوجود حضرت نوح کا نہ دانت گرا تھا اور نہ آپ کے بال سفید ہوئے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ طوفان سے غرق ہونے کے بعد تمام مخلوق ان کی نسل سے ہے اور لمبی عمر کی وجہ سے ان کا لقب شیخ المرسلین ہے۔ بنا بر مشہور کے نجف اشرف میں حضرت امیر علیہ السلام کے سرہانے حضرت آدم اور حضرت نوح مدفون ہیں۔ حضرت نوح کی نسل۔ آپ کے تین فرزندوں سے چلی۔ حام۔ یافث۔ سام۔ اور ان کا چوتھا لڑکا کنعان طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ مروی ہے ایک دن حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوئے ہوئے تھے کہ ہوا نے آپ کے لباس کو ادھر ادھر کر دیا تو حام اور یافث باپ کو ننگا دیکھ کر ہنسنے لگے اور کپڑا درست نہ کیا بلکہ سام جب ان کو منع کرتا تھا اور کپڑا ٹھیک کرتا تھا تو وہ دونوں کپڑے کو الگ کر کے ہنستے تھے۔ جب حضرت نوح بیدار ہوئے تو ان کے ہنسنے کی وجہ پوچھی سام نے صاف صاف بتا دیا۔ پس آپ ان دونوں پر ناراض ہوئے اور ان کو بددعا دی اور سام کے حق میں دعا کی۔ پس تمام حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک اور یاجوج ماجوج یافث کی اولاد سے ہیں اور باقی سفید گورے رنگ کے لوگ سام کی اولاد سے ہیں۔ (مجمع البیان)

حضرت نوح کے باقی واقعات۔ کشتی بنانا۔ طوفان کا آنا۔ کنعان کا غرق ہونا وغیرہ بعد میں مفصل آئیں گے۔

رکوع ۱۶ حضرت ہود کا ذکر

وَ اِلٰی عَادٍ حضرت نوح کے قصہ پر عطف ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف حضرت ہود کو بھیجا۔ ہود کے باپ کا نام شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا منقول ہے کہ قوم عاد یمن میں سکونت پذیر تھی اور عمان سے حضر موت تک پھیلی ہوئی تھی۔ زمینیں سرسبز و زرخیز تھیں فصل زیادہ ہوتے تھے اور باغات بھی عمدہ عمدہ ان کے پاس تھے اور اس کے ساتھ ان کی عمریں طویل تھیں قد و قامت میں طویل جسیم تھے جیسے بَصْطَةً کا لفظ شاہد ہے۔ کہتے ہیں ان کا بڑی قد والا سو ذراع کا ہوتا تھا اور پست قد ساٹھ ذراع کا ہوا کرتا تھا یہ لوگ بت پرست تھے امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کھجوروں کی طرح ان کی قدیں تھیں، حضرت ہود نے ان کو بت چھوڑنے اور خدا واحد کی پوجا کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے نہ مانا بلکہ حضرت ہود کو اذیتیں پہنچائیں پس تین سال یا باختلاف روایت سات سال

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ

معبود سوائے اس کے کیا تم نہیں ڈرتے کہا سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۶۶

تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھے بیوقوفی میں اور ہم تجھے خیال کرتے ہیں جھوٹوں میں سے

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۷

فرمایا اے قوم میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں رسول ہوں عالمین کے پروردگار کی طرف سے

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝۶۸ اَوَعَجِبْتُمْ

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ امانت دار ہوں کیا تم اوپری

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ۭ وَ

سمجھے ہو یہ بات کہ آئے تمہارے پاس ذکر تمہارے رب سے اوپر ایک بندے کے جو تم میں

اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو اس نے خلیفہ بنایا قوم نوح کے بعد اور زیادہ

وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

دی تم کو جسمانی قوت پس یاد کرو اللہ کی نعمتیں تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

ان پر بارش نہ ہوتی اور اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کوئی مصیبت سر پر آتی تو مسلمان یا کافر سب مکہ کا قصد کرتے تھے اس وقت مکہ میں عمالقہ کی سکونت تھی جو عملیق بن لاوذ بن سام کی اولاد تھے اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا جس کی ماں قوم عاد میں سے تھی۔ پس انہوں نے ایک وفد مکہ کی طرف روانہ کیا حدود حرم مکہ سے باہر معاویہ کا قیام تھا اس نے وفد کی بہت عزت کی چنانچہ یہ لوگ پورا ایک مہینہ اس کے ہاں شراب نوشی میں خوشحال رہے۔ معاویہ نے سوچا کہ یہ لوگ طلب بارش کے لئے مکہ جا رہے تھے ادھر میرے ننھال قحط کا شکار ہو رہے ہیں اور مہمانوں کو گھر سے نکالنا بھی نادرست ہے۔ اسی سوچ میں تھا کہ آخر اپنی دو کنیزوں کے سامنے اس نے راز ظاہر کر دیا اور پوچھا کہ کیا علاج کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں ایک نظم بنا کر دی جائے جس میں ان کے یہاں ٹھہرنے کی مذمت ہو اور قوم عاد کے لئے بارش کی دعا ہو۔ ہم مجلس شراب میں وہ نظم گائیں گی تو وہ خود بخود آمادۂ مکہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ جب کنیزوں نے وہ نظم گائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں جا کر مکہ میں اپنی قوم کے لئے طلب بارش کی دعا کرنی چاہیئے تو ان میں ایک شخص موجود تھا جو اندرونی طور پر حضرت ہود پر ایمان لا چکا تھا وہ کہنے لگا کہ تمہاری دعا کا انہیں کوئی فائدہ نہ ملے گا۔ ہاں اگر تم لوگ اپنے نبی کے اطاعت گذار ہو جاؤ تو خدا باران رحمت نازل فرمائے گا۔ انہوں نے اس کو نہایت ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکہ میں استسقاء کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وفد کا سردار و رئیس قیل بن عنز تھا۔ اس نے مکہ میں پہنچ کر ان لفظوں سے دعا مانگی۔

قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
کہنے لگے کیا تو آیا ہے تاکہ ہم عبادت کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کی عبادت
اٰبَآؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۷۰)
کرتے تھے ہمارے بزرگ پس لے آ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو ہے سچا
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ
فرمایا تحقیق واجب ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب سے عذاب اور غضب

اے ہمارا پروردگار اگر ہود سچا ہے تو ہمیں باران رحمت عطا فرما تو خداوند کریم نے تین بادل بھیجے۔ سفید۔ سرخ اور سیاہ۔ پھر آسمان سے ندا پہنچی کہ ان بادلوں میں سے قوم کے لئے ایک چن لو تو اس نے سیاہ کو چنا جس میں عذاب خدا پنہاں تھا۔ قوم عاد نے بادل کو دیکھا تو خوش ہوئے کہ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یعنی یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے۔ پس سات راتیں اور آٹھ دن ان پر موسلا دھار بارش رہی کہ وہ سب کے سب تباہ ہو گئے۔

حضرت ہودؑ اپنے مخصوص مومنین کے ہمراہ علیحدہ ہو گئے تھے اور ان پر اس بادل کی معمولی بوندا باندی تھی اور قوم عاد پر بارش کے علاوہ آسمان سے پتھر برستے رہے۔ اور اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ:۔ انہوں نے اپنے بتوں کے جدا جدا نام رکھے ہوئے تھے کہ فلاں بارش برساتا ہے۔ فلاں رزق کا کفیل ہے۔ فلاں بیماری سے تندرستی عطا کرتا ہے وغیرہ گویا ہر خدا کے ذمہ انہوں نے ڈیوٹیاں تقسیم کر رکھی تھیں۔

حضرت ہود کا واقعہ مفصل سورہ ہود میں بھی انشاء اللہ آئے گا۔

رکوع ع ۱۷ حضرت صالح کا ذکر

وَاِلٰی ثَمُوْدَ:۔ ثمود اور عاد ایک دوسرے کے چچازاد تھے کیونکہ ارم بن سام بن نوح کے بیٹے ایک کا نام عوص تھا دوسرے کا نام عابر تھا عاد عوص کا بیٹا تھا اور ثمود عابر کا بیٹا تھا پس عاد کی اولاد کی طرف حضرت ہود پیغمبر مبعوث ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ثمود کی اولاد ان کی وارث ہوئی اور ان کی جگہ پر متمکن ہوئی۔ تو خدا نے ان کی طرف حضرت صالح کو مبعوث فرمایا۔ ان کی عمریں بھی

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا

کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو تم نے خود رکھ لئے ہیں اور تمہارے بڑوں

نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ

نے کہ نہیں اتاری اللہ نے ان پر کوئی دلیل پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار والوں

الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

میں ہوں پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ہمراہ تھے ساتھ اپنی

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا

رحمت کے اور توڑ دی جڑ ان کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے

مُؤْمِنِیْنَ ۝ ع

مومن

لمبی ہوا کرتی تھیں۔ گرمیوں سردیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ گھر بنایا کرتے تھے۔ نرم اور سہل زمینوں میں گرمیوں کے لئے گھر بناتے تھے اور پہاڑ کے دامن میں سردیوں کے گھر پہاڑوں کو کرید کر بنایا کرتے تھے جس طرح قرآن مجید اس کی حکایت کر رہا ہے۔ اور کل پانچ نبی ہیں جن کی زبان عربی تھی۔

۱۔ حضرت ہودؑ۔ ۲۔ حضرت صالحؑ ۳۔ حضرت شعیبؑ ۴۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور پانچویں حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجمع)

alaablib.org

مروی ہے کہ ۱۶ برس کی عمر میں حضرت صالح مبعوث برسالت ہوئے اور ۱۲۰ برس کی عمر تک تبلیغ فرماتے رہے لیکن وہ لوگ ذرہ بھر اثر قبول نہ کرتے تھے اور ان کے پاس ستر بت تھے جن کی پوجا کرتے تھے آخر تنگ آکر حضرت صالح نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ساتھ دماغ سوزی کرتے ہوئے لمبی مدت ہوئی ہے اب فیصلہ کن بات ہے کہ میں تمہارے خداؤں کو بلاتا ہوں اور اپنے خدا کو بھی بلاتا ہوں جس نے ہماری دعا سنی اور قبول کی وہ ٹھیک ہوگا،٭ وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے چنانچہ اپنے مخصوص عید کے دن بتوں کو لاتے اور ان کے سامنے بہت زاری کی کہ صالح کو ضرور جواب دینا لیکن جب حضرت صالح نے ان کو بلایا تو وہ گونگے کے گونگے رہے چنانچہ چند بار ان کی طرف سے کوشش کی گئی اور ناکام ہوئی تو قوم کے ستر آدمیوں نے استدعا کی کہ اب آپ اپنے خدا کو بلائیں آپ نے فرمایا تم بتاؤ کیا کچھ مانگنا ہے تو انہوں نے ایک پہاڑ کے قریب جاکر کہا کہ اس پتھر سے دس ماہ کی حاملہ سرخ رنگ کی اونٹنی پیدا کرے کیوں کہ وہ اس پتھر کی

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ

معبود سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب سے یہ اللہ کی ناقہ ہے تمہارے

اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

لئے نشانی پس چھوڑو اس کو چرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھوؤ اس کو برائی سے ورنہ پکڑے

بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ

گا تم کو دردناک عذاب اور یاد کرو جب کہ کیا تم کو اس

خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ

نے خلیفہ بعد قوم عاد کے اور ٹھکانا دیا تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم نرم زمین میں محل

سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ

اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر بس یاد کرو اللہ کی نعمتیں اور نہ بنو

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا

زمین میں فساد کرنے والے تو کہا ان سرداروں نے جو متکبر

مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا

تھے اس کی قوم کے کمزوروں کو

٭ حضرت صالح علیہ السلام کی پیش کش کا مقصد صرف الزام خصم تھا اور ان جاہلوں کے لئے اس سے بڑھ کر ہدایت کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا جس کو اختیار کیا جاتا۔ کیونکہ وہ دلائل و براہین کو ٹھکرا چکے تھے۔

بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اس کی پوجا کیا کرتے تھے. چنانچہ جب حضرت صالح نے دعا کی تو پتھر میں جنبش ہوئی اور اس سے اونٹنی پیدا ہوئی پھر انہوں نے کہا ہم دیکھیں اس کا بچہ پیدا ہو تو آپ کی دعا سے فوراً اس کا بچہ پیدا ہوا۔ وہ ناقہ بڑا طول و عرض رکھتی تھی اور جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی اپنی ماں کی طرح بڑے جسم کا تھا وہ دیکھ کر حیران و ششدر ہو گئے پس غریبوں میں سے ایک طبقہ مومن ہو گیا۔ لیکن متکبرین کا طبقہ ویسے اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا۔

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ: یہ لِلَّذِیْنَ سے بدل بعض ہے یعنی تکبر کرنے والوں نے غریب اور کمزور لوگوں میں سے ان

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے۔ کیا تم جانتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب سے تو انہوں نے

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

کہا کہ ہم تو اس کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں کہا تکبر کرنے والوں نے تحقیق ہم اس

اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ

چیز سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو کافر ہیں تو نحر کر دیا ناقہ کو اور سرکشی کی اپنے

عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

رب کے امر سے اور کہنے لگے اے صالح لا وہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

رسول پس پکڑا ان کو زلزلہ نے تو ہو گئے اپنے

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

گھروں میں پچھاڑے ہوئے۔ پس چلے گئے ان سے اور فرمایا اے قوم تحقیق میں

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

نے پہنچائی تم پر رسالت اپنے رب کی اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم خیر خواہوں

النّٰصِحِيْنَ ۝

کو پسند نہیں کرتے

سے پوچھا جو حضرت صالح پر ایمان لا چکے تھے کہ کیا تم اس کو رسول مانتے ہو تو انہوں نے کہا ہاں تو وہ کہنے لگے ہم تو اس کی رسالت کو نہیں مانتے۔ بات اس طرح ہوئی کہ جب وہ ستر آدمی واپس اپنی قوم کو بتانے کے لئے روانہ ہوئے تو ان میں سے ۶۴ آدمی تو مرتد ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور چھ مومن رہے۔ واپس آنے پر ان میں سے ایک مرتد ہو گیا اور باقی ۵ بچ گئے اور انہوں نے باقی قوم کو بتایا لیکن انہوں نے کہا کہ ہم تو ہر گز ماننے کو تیار نہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ: عقر کا معنے ہے پے کرنا یعنی اس

کا پیر کاٹ ڈالنا اور چونکہ عقر کرنے والے پے کرنے کے بعد نحر بھی کر لیا کرتے تھے اس لئے عقر کا معنی نحر بھی کیا جاتا ہے اور عقر کا لغوی معنی ہے ایسا زخم جو جان بر نہ ہونے دے۔

قصہ خداوند کریم نے حضرت صالح پر وحی کی کہ تیری قوم اس ناقہ کو قتل کرے گی۔ یہ ناقہ قوم ثمود کے لئے باعث برکت تھی اور وہ اس لئے بھی خوش تھے کہ ان کو اس سے تکلیف کوئی نہ تھی۔ ان کا حوض ایک دن ناقہ کے لئے تھا اور ایک دن ان کے لئے تھا جس دن حوض کا پانی ناقہ پیتی تھی اس دن وہ سارے لوگ اس ناقہ کا دودھ پیتے رہتے تھے۔ جب حضرت صالح نے اپنی قوم کو وحی ربّانی سنائی کہ تم میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس ناقہ کو قتل کرے گا اور وہ ساری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب ہوگا تو انہوں نے کہا ہم بچہ پیدا نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ اسی شہر میں اسی دوران میں نو آدمیوں کے بچے پیدا ہوئے اور انہوں نے ان کو قتل کر دیا پھر دسویں آدمی کا لڑکا پیدا ہوا تو اس نے قتل کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اس سے پہلے اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی سرخ رنگ نیلگوں آنکھ اور کوتاہ قد تھا بہت جلدی اس نے تربیت پائی اور جوان ہوا جب یہ لڑکا ان نو آدمیوں کے پاس سے گذرتا تھا تو اس کو دیکھ کر وہ طیش میں آتے تھے کہ حضرت صالح نے ہمارے بچے مروا ڈالے اگر ہمارے بچے زندہ ہوتے تو وہ بھی آج اس بچے کی طرح چلتے پھرتے پس دل میں انتقام کا جوش اٹھا اور حضرت صالح کے قتل کے درپے ہوگئے آپس میں مشورہ کیا کہ سفر کے بہانے سے یہاں سے نکل جائیں اور رات کو اچانک صالح پر حملہ کریں گے اور قتل کر دیں گے کسی کو ہمارے جرم کا پتہ نہ لگ سکے گا اور ہم خود انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم مسافری پر گئے ہوئے تھے ہمیں کیا خبر؟

حضرت صالح کا یہ دستور تھا کہ شہر میں نہ سوتے تھے بلکہ سارا دن قوم کو وعظ کر کے رات کو شہر کے باہر ایک مسجد میں جا آرام کرتے تھے۔ اس مسجد کو مسجد صالح کہتے ہیں وہ لوگ اپنے ارادہ فاسدہ سے روانہ ہوتے اور رات کو پہاڑ کی غار میں پنہاں ہوگئے۔ خداوند کریم نے پہاڑ کو ان کے اوپر گرا دیا اور وہ ہیں کے وہیں رہ گئے۔ صبح سویرے بعض آدمی جو ان کے رازدان تھے پتہ کرنے کے لئے باہر نکلے تو پہاڑ کو ان کے اوپر گرا دیکھا شہر میں آکر واویلا مچا دیا کہ دیکھو صالح نے کیا غضب کیا ہے کہ پہلے ان بے چاروں کے بچے قتل کروا دیئے اب ان پر پہاڑ گرا کر سب کو مروا دیا پس شہر والوں نے اس ناقہ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ناقہ کے قتل کا بہانہ کیا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دسواں لڑکا قدار نامی جب بڑا ہوا تو مجلس شراب میں جاتا تھا ایک دن جب شراب کی مجلس گرم تھی تو انہوں نے شراب میں پانی کی ملاوٹ کا ارادہ کیا اتفاق سے وہ دن ناقہ کا تھا جب حوض پر پہنچے تو پانی موجود نہ تھا کیوں کہ جس دن ناقہ نے پینا ہوتا تھا تو وہ سارے حوض کا پانی پی جاتی تھی۔ جب دوسرے دن یہ لوگ جاتے تھے تو حوض پر ہوتا تھا اور یہ لوگ پیا کرتے تھے۔ جب ان شرابیوں کو پانی نہ ملا تو بہت برہم ہونے اور قدار نے کہا اگر کہو تو میں اس ناقہ کو قتل کرتا ہوں اور ایک روایت

میں ہے کہ ناقہ کے دن یہ لوگ ناقہ کا دودھ بھی پیتے تھے اور اگر پانی کی ضرورت ہوتی تھی تو پہاڑوں اور غاروں سے تلاش کرکے پیتے تھے اور ناقہ کی قدوقامت سے ان کے حیوان بھی ڈرتے تھے ان سب باتوں سے تنگ آکر انہوں نے ناقہ کو پے کرنے کا عزم مصمم کرلیا تھا۔

صدوف نامی ایک عورت جو خوبصورت بھی تھی اور بڑی مالدار تھی۔ اونٹ گائے بکریاں وغیرہ اس کے پاس بہت تھیں تو وہ اپنے مال یا حسد کی وجہ سے حضرت صالح کو بہت دشمن سمجھتی تھی تو اس نے مصدع نامی ایک شخص کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میں تیرے ساتھ شادی کروں گی اور دوسری ایک عورت عنیزہ نامی تھی جس کی لڑکیاں خوبصورت تھیں اس نے قدار بن سالف کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میری لڑکیوں میں سے جس سے چاہے گا تیری شادی کروں گی اور مروی ہے کہ قدار حرام زادہ تھا اگرچہ سالف کے گھر پیدا ہوا تھا لیکن سالف کا نطفہ نہیں تھا اور بایں ہمہ اپنی قوم میں مقبول شخصیت کا مالک تھا تو مصدع اور قدار نے اپنی قوم کے چند اوباش بدمعاش بھی اپنے ساتھ ملا لئے جن کی تعداد سات تھی۔

بعضوں نے وجہ یہ لکھی ہے کہ ملکاء نامی ایک عورت قوم ثمود پر حکمران تھی جب حضرت صالح کی دعوت اور معجزہ سے متاثر ہو کر لوگ ایمان کی طرف راغب ہوتے اور رفتہ رفتہ ایمان والے بڑھتے گئے یہاں تک کہ حضرت صالح قوم ثمود کے اقتدار کے مالک ہو گئے اور دشمن لوگ دب کر خاموش ہو گئے تو ملکاء کے دل میں اپنے اقتدار کے چلے جانے کا درد پیدا ہوا اور دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے دو عورتیں طلب کیں۔ قطام اور قبال۔ قطام قدار کی معشوقہ تھی اور قبال مصدع کی محبوبہ تھی۔ پس ملکاء نے لالچ کے جال میں ان دو عورتوں کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور کہا کہ رات کو تمہارے عاشق تمہارے پاس آئیں تو ان کو اپنے جسم پر تصرف نہ کرنے دینا جب تک کہ ناقہ کے قتل کا وعدہ نہ کریں پس ایسا ہی ہوا اور یہ دونوں بدمعاش ہر رات اپنی معشوق سے ملتے تھے تو اب جو گئے تو ملاقات مشروط تھی چنانچہ انہوں نے ناقہ کے قتل کا حتمی وعدہ کرلیا اور اس سکیم کے ماتحت دوسرے غنڈوں کو بھی دعوت دی چنانچہ سات آدمی اور بھی ساتھی ہو گئے۔

بہرکیف جس راستہ سے ناقہ پانی پی کر واپس جاتی تھی اس راستہ پر انہوں نے مورچے جما لئے ایک پتھر کے پاس چھپ کر مصدع بیٹھ گیا اور دوسرے پتھر کے ساتھ قدار پوشیدہ ہو گیا جونہی ناقہ پانی پی کر چلی تو پہلے پہل مصدع نے تیر کس کر مارا کہ اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اب جو ناقہ قدار کے قریب سے گذری تو عنیزہ خود بھی نکلی اور اپنی لڑکی کو آگے بڑھایا جو بہت ہی خوبصورت تھی۔ غالباً اسی کا نام قطام تھا اور اس نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر قدار کو شاباش شاباش کہا۔ اور قتل کی ہمت دلائی۔ چنانچہ اس نے عشق کی مستی میں تلوار نیام سے نکالی اور حملہ کر دیا اور اس کا پیر کاٹ ڈالا ناقہ چیختی چلاتی ہوئی دوڑی تو اس بدبخت نے اس کے سینے میں تیر اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر گئی اب تو تمام شہر والے ٹوٹ پڑے اور اس کا گوشت تقسیم کرکے گھروں میں لے گئے اور خوب کھایا گویا ہمارے

ہی قتل میں شریک ہو گئے. ناقہ کے بچے نے جب یہ دیکھا تو دوڑا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین دفعہ آسمان کی طرف منہ کر کے چیخا اور اس درد سے چیخا کہ لوگوں کے دل ہلا دیئے وہ لوگ گھبرا کر حضرت صالح کے پاس معذرت کے لئے آئے اور کہا کہ فلاں نے ظلم کیا ہے ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا آپ نے فرمایا اس ناقہ کا بچہ تلاش کرو اگر مل جائے تو ممکن ہے عذاب ٹل جائے انہوں نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ بچہ نہ مل سکا. پس آپ نے فرمایا کہ تین دن تک جو چاہو کھاؤ پیو کیونکہ تمہارے اوپر عذاب حتمی ہو چکا ہے وہ نازل ہو کر رہے گا۔

تفسیر صافی میں ہے. خدا کی جانب سے حضرت صالح پر وحی ہوئی کہ تیری قوم نے سرکشی کی ہے اور اس ناقہ کو قتل کیا ہے جو میری طرف سے ان پر حجت تھی. نیز اس کا ان کو کوئی نقصان بھی نہیں تھا بلکہ فائدہ تھا اب ان کو کہہ دو کہ تین دن تک میرا عذاب آنے والا ہے اگر توبہ کریں اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جائیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا. اگر توبہ نہ کریں تو تیسرے دن عذاب آئے گا. جب حضرت صالح نے اپنی قوم سے یہ فرمایا تو وہ پہلے سے بھی سرکش ہوئے اور کہنے لگے اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ کنت انتم یعنی لاؤ وہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو رسولؐ ہے۔

آپ نے فرمایا اے قوم. کل تمہارے منہ زرد ہوں گے پرسوں سرخ ہوں گے اور تیسرے دن منہ سیاہ ہو جائیں گے اور بدھ کی رات انہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا. پس ان کے چہرے پہلے دن زرد اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہوئے اور ان لوگوں نے عذاب کے یقین کے بعد کفن پہن لیے تھے اور حنوط کر لیا تھا. پس آدھی رات کے وقت جبرائیلؑ نے صیحہ یعنی آواز پیدا کی جس سے ان کے کان. دل اور جگر سب پھٹ گئے اور سب کے سب گر گئے اور کوئی ذی روح نہ بچ سکا اور صبح کو آسمان سے آگ نازل ہوئی جس نے ان کی لاشوں کو جلا دیا تھا اور بعض روایات میں ہے صیحہ بھی تھا اور زلزلہ بھی تھا۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک میں جب حضرت رسالتمآبؐ اس پتھر کے پاس سے گذرے تو فرمایا اے اصحاب اس بستی میں کوئی نہ جائے اور یہاں سے پانی پیو اور ان عذاب کردہ لوگوں پر سے نہ گذرو مگر یہ کہ روتے ہوئے اور پناہ مانگتے ہوئے گذر جاؤ اور یاد رکھو آئندہ تم لوگ اپنے رسول سے معجزہ نہ طلب کیا کرو. دیکھو یہ صالح پیغمبر کی قوم تھی جنہوں نے معجزہ طلب کیا تھا اور خدا نے ناقہ پیدا کی تھی اس راستہ سے آتی تھی اور اس راستہ سے پانی پی کر واپس جاتی تھی آپ نے ناقہ کے بچے کا پہاڑ پر چڑھنے کی جگہ کا نشان بتایا اور فرمایا جب انہوں نے سرکشی کی تھی تو خدا نے سب کو عذاب سے فنا کر دیا تھا اور ان ہی سے ایک شخص اس وقت حرم خدا کے اندر تھا تو وہ عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے نکلا تو فوراً گرفتار عذاب ہوا اور مر گیا اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اس کے ساتھ دفن کی گئی تھی اس کا نام ابورغال تھا اور وہ قوم ثقیف

کا جدِ اعلیٰ تھا۔ پھر حضور نے ان کو ابو رغال کی قبر کا نشان بھی بتایا تو چونکہ انہوں نے سنا کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک سلاخ بھی تھی تو تلواروں سے اس جگہ کو کھودا اور اس سلاخ کو نکال لیا۔

ثعلبی سے منقول ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ تم جانتے ہو کہ اولین میں سے شقی ترین کون تھا؟ تو علیؑ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو بہتر جانتے ہیں پس آپ نے فرمایا وہ وہ شخص تھا جس نے حضرت صالحؑ کی ناقہ کو قتل کیا۔ پھر فرمایا آخرین میں سے شقی ترین انسان کون ہے؟ تو علیؑ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا وہ تیرا شہید کرنے والا ہے اور ایک روایت میں ہے حضور نے حضرت علیؑ کے سر اور داڑھی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا مَن یخضب ھٰذہٖ مِن ھٰذِہٖ جو اس کو (یعنی داڑھی کو) اس سے (یعنی سر کے خون سے) خضاب کرے گا۔

یاد رہے کہ یہ ناقہ حضرت صالحؑ قوم ثمود کے لئے حجتِ خدا تھی اور اس کے بے گناہ قتل سے ساری قوم عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئی۔ مروی ہے جب مسلمان حضرت علیؑ کو مجبور کرکے دربارِ خلافت میں بیعت کے مطالبہ کے لئے لے چلے تو جناب خاتون جنّت بتول معظمہ سلام اللہ علیہا نے مسلمانوں سے خطاب کرکے فرمایا تھا خَلُّوْا عَنِ ابْنِ عَمِّیْ میرے چچا زاد کو چھوڑ دو۔ وَاِلَّا لَاَنْشُرَنَّ شَعْرِیْ وَلَاَضَعَنَّ قَمِیْصَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلٰی رَاسِیْ ورنہ میں اپنے بال پریشان کروں گا اور حضرت رسالتمآبؐ کی قمیص کو اپنے سر پر رکھ کر بددعا کروں گی اس کے بعد فرمایا تھا کہ حضرت صالح پیغمبر کی ناقہ کی قدر مجھ سے زیادہ تو نہ تھی اور اس ناقہ کے بچے کی قدر اللہ کے نزدیک میرے حسنینؑ سے زیادہ نہ تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اس کی بے گناہی اور بچے کی معصومانہ اور مظلومانہ فریاد موجبِ عذاب ہوگئی تھی تو میں تو حبیبِ خدا کی شہزادی ہوں اگر فریاد کروں گی تو تم پر عذاب آئے گا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا ابھی تک آپ نے بددعا نہیں کی تھی لیکن مسجدِ نبوی کی دیواریں زمین سے بلند ہونا شروع ہوگئی تھیں فوراً جنابِ امیرؑ نے عذاب کے آثار دیکھ کر سلمان سے فرمایا کہ بنتِ رسول سے جا کر سفارش کرو کہ بددعا نہ کریں، چنانچہ سلمان نے پہنچ کر عرض کی اے بی بی تیرا باپ عالمین کے لئے رحمت تھا۔ آپ بددعا نہ فرماویں تو بی بی نے روتے ہوئے دردناک لہجہ میں ارشاد فرمایا اے سلمان! میرا حق غصب ہوا تو میں نے صبر کیا۔ میرے گھر کی ہتک کی گئی تو میں نے صبر کیا مجھے طمانچہ مارا گیا حتّٰی کہ میری بالیاں کانوں سے ٹوٹ گئیں تو میں نے صبر کیا۔ دروازہ گرایا گیا تو میں نے صبر کیا۔ صبر کی کوئی حد بھی ہے اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حسنینؑ کو یتیم کر دیں۔ میں اس پر صبر نہیں کرسکتی۔ پس فوراً سلمان نے رو کر عرض کی اے دخترِ رسولؐ میری کیا مجال ہے کہ کچھ عرض کروں۔ میرے آقا حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے میں تو ان کا پیغام پہنچا رہا ہوں جب مخدومہ نے سنا کہ آقا یہ فرما رہے ہیں تو فوراً ہاتھ نیچے کر لئے اور یہی کہا کہ میرے سردار اگر آپ اسی پر راضی ہیں تو میں راضی ہوں۔

مسلمانوں نے انبیاء کے واقعات کو صرف ایک قصہ سمجھ لیا ورنہ اگر حقائق کو عبرت آموز درس سمجھتے تو اولادِ پیغمبر کے نہ گھر لٹتے نہ سر کٹتے نہ عصمت مآب شہزادیوں کی درباروں بازاروں میں سر برہنہ پھرائے جانے کی نوبت آتی نہ سیّد زادے دیواروں میں چنے جاتے اور نہ زمین سادات کے خون سے رنگین ہوتی. ہائے کس قدر سخت دل تھے وہ مسلمان جنہوں نے سنتے جانتے سمجھنے کے بعد سب کچھ گوارا کیا. سب سے پہلے دخترِ رسولؐ پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور پھر نسلاً بعد نسلٍ آلِ رسولؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔

حضرت لوطؑ کا واقعہ

حضرت لوط کے والد کا نام ہاران بن تارخ تھا گویا حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد تھے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد تھے اور حضرت سارہ کے برادر تھے. تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیمؑ کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اور ان کے والد کا نام لاحج تھا اور وہ بھی نبی تھا. نیز مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب نمرود کے ملک سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت لوط ان کے ہمراہ تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط کو (بھیجا) جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بدکاری کہ نہیں کی تم سے پہلے

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

کسی نے جہان میں تحقیق تم کرتے ہو مردوں سے کام بشہوت سوائے عورتوں

دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ

کے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو اور نہیں تھا

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے خود اس قوم میں سے نہ تھے. پس تیس برس ان ہی رہ کر ان کو تبلیغ فرمائی وہ لوگ غسل جنابت نہ کرتے تھے اور حد سے زیادہ بخیل تھے اور اسی بخل ہی کی بدولت اس غیر فطری عادت میں مبتلا ہوئے جو ان کے لئے موجبِ عذاب ہوئی یہ لوگ اس راستہ کے اوپر آباد تھے جو شام اور مصر کو جاتا تھا لہٰذا مہمانوں کی آمد و رفت یقینی تھی تو انہوں نے اپنے بخل کے پیشِ نظر مردوں سے غیر فطری فعل شروع کر دیا تاکہ ہماری یہ بات جب شہرت پکڑے گی تو مہمان کنارہ کر جائیں گے لیکن پھر ان کو اس کی عادت ہو گئی یہاں تک کہ مردوں کو معاوضہ دے کر یہ کام کرتے تھے اس طرف حضرت لوط مہمان نواز تھے تو ان کو بھی یہ لوگ منع فرماتے تھے اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آئندہ آپ کا کوئی مہمان آیا تو ہم اس کے ساتھ بھی یہی فعل کریں گے پس حضرت لوط کا یہ

دستور تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آتا تھا تو اس کو چھپائے رکھتے تھے جب ان کے عذاب کا موسم آیا تو حضرت لوط اپنی کھیتی کو پانی لگا رہے تھے کہ جبریل بمعہ چند ملائکہ کے پہنچ گئے حضرت لوط نے پوچھا کون ہو؟ جواب دیا کہ ہم مسافر لوگ ہیں اور یہاں رات کو رہنا چاہتے ہیں حضرت لوط نے فرمایا میری قوم کے لوگ مردوں کے ساتھ لواطت کرنے کے عادی ہیں اور لٹیرے بھی ہیں مناسب ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ تو انہوں نے جواب دیا اب دیر ہو گئی ہے ہم کہیں نہیں جا سکتے پس حضرت لوط گھر تشریف لائے اور اپنی عورت سے فرمایا کہ میرے ہاں مہمان ہیں ان کے متعلق کسی کو نہ بتانا لیکن وہ کافروں کے ساتھ ملی ہوئی تھی اور نشانی یہ مقرر تھی، جب آپ کے ہاں مہمان دن کو آتے تھے تو وہ چھت کے اوپر دھواں لگا دیتی تھی اور اگر رات کو آتے تھے تو صحن خانہ میں آگ روشن کرتی تھی۔

جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ
اس کی قوم کا جواب مگر یہ کہا کہ نکال دو ان کو اپنی بستی سے کیوں کہ یہ لوگ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا
پاک رہنا چاہتے ہیں پس ہم نے اس کو بچا لیا اور اس کی
امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ
اہل کو سوائے اس کی عورت کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی اور برسایا ہم نے ان پر مینہ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع
پتھروں کا، پس دیکھو کیسا تھا انجام جرم کرنے والوں کا

تاکہ کفار کو حضرت لوط کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کا سراغ لگ جائے گا چنانچہ اب بھی اس نے ایسا کیا فوراً لوگ جمع ہو گئے اور حضرت لوط کی منت سماجت کو انہوں نے نہ مانا پس جبریل نے پر مارا کہ انکی آنکھیں اندھی ہو گئیں اس کے بعد حضرت لوط سے کہا کہ آپ بمعہ اپنی عیال کے نکل جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کفار گھر کو احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کیسے جاؤں تو جبریل نے ان کے سامنے ایک نورانی عمود نصب کر دیا جس کی روشنی میں وہ چلے گئے۔

طلوع صبح کے وقت جبریل نے پر مار کر اس بستی کی زمین کو ساتویں زمین سے اکھیڑ لیا اور اس قدر بلند کیا کہ اہل آسمان ان کے کتوں کی آوازیں سنتے تھے پس وہاں سے زمین کو الٹا دیا۔

وَاَمْطَرْنَا۔ یعنی ان پر پتھروں کی بارش ہوئی ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان پر ہم نے پتھر برسائے یعنی جو لوگ بستی میں موجود تھے ان پر زمین کو الٹایا گیا اور جو لوگ باہر تھے ان پر پتھر نازل کئے گئے یہاں تک کہ کوئی بھی اس قوم کا آدمی بچ نہ سکا اور حضرت لوط کی عورت پر بھی پتھر نازل کیا گیا۔ ابلیس نے ان کو اس عادتِ بد

کی راہنمائی کی تھی کہ جب وہ لوگ مہمانوں سے تنگ ہوئے اور ان سے گلوخلاصی کی کوئی تدبیر نہ سوجھی تو وہ حیران و پریشان تھے کہ ابلیس نے ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں ان کے سامنے آکر ان کو اپنے ساتھ بدفعلی پر آمادہ کیا چنانچہ انہوں نے پھر یہی حربہ مہمانوں پر استعمال کرنا شروع کر لیا۔

رکوع ۱۱ :- **حضرت شعیب کا ذکر** وَاِلٰی مَدْیَنَ :- یہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیسرے شہزادے تھے اور ان کی اولاد انہی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں اور ان کی طرف حضرت شعیب کو الگ الگ بھیجا گیا تھا اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہی قوم ہو۔ واللہ اعلم۔ منقول ہے کہ مدین کے لڑکے یشجب کے گھر حضرت لوط کی لڑکی تھی اور ان سے میکیل پیدا ہوئے جو حضرت شعیب کے والد تھے تو گویا حضرت شعیب مدین کے پڑپوتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے پوتے تھے وہ شعیب ابن نویہ بن مدین بن ابراہیم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا

کوئی معبود سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس واضح دلیل اپنے رب سے پس پورا کرو

الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا

ناپ اور وزن اور نہ خسارہ دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں اور نہ فساد کرو زمین میں

فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ط ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بعد اس کی اصلاح کے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور

مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ

نہ بیٹھو ہر راستہ پر کہ ڈراتے ہو لوگوں کو اور روکتے ہو اللہ کے

تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا

رستہ سے اس کو جو ایمان لائے اس پر اور چاہتے ہو۔

فَاَوْفُوا الْكَیْلَ :- یہ آیت بتلا رہی ہے کہ حضرت شعیب کی قوم تجارتی معاملات میں غدار تھی اور آپ ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ ناپ اور تول میں دھوکا کرتے تھے یعنی لینے کے لئے ناپ تول زیادہ اور دینے کے لئے کم پس خداوند کریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور ان کو بزبان حضرت شعیب اس

عادت بد سے منع فرمارہا ہے۔

ولا تقعدوا:- اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) یہ لوگ راستہ پر بیٹھ جایا کرتے پس جو آدمی شعیب کو ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ ان کو ڈراتے دھمکاتے تھے (۲) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ رہزن اور ڈاکو تھے اور ان کو اس فعل بد سے روکا گیا ہے (۳) دین کے راستوں پر مورچے بنا کر دین کے طلبگاروں پر ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ یعنی جو لوگ حضرت شعیبؑ کے پاس دین سمجھنے جاتے یا دین کی باتیں سیکھ کر واپس آتے تھے تو یہ لوگ ان کے دلوں میں شیطان کی طرح وسوسے ڈالا کرتے اور حضرت شعیبؑ کے متعلق ہزاروں قسم کے غلط سلط پروپیگنڈے کرتے تاکہ لوگوں کے دلوں سے ان کا وقار اٹھ جائے اور ان کی دینداری ختم ہو جائے۔

تبغونها عوجا:- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ھا ضمیر کا مرجع سبیل ہے یعنی تم وہ راستہ چاہتے ہیں جو راہ مستقیم سے کج ہو اور دوسری طرف جانے والا ہو (۲) یعنی تم صراط حق اور سبیل خداوندی میں عیب تلاش کرتے ہو تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے (۳) اس کا معنی یہ ہے کہ تم سیدھے راستہ سے منہ پھیرنا چاہتے ہو۔

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ

کج راستہ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پس اس نے تم کو زیادہ کیا اور دیکھو کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ

ہے انجام فسادیوں کا اور تحقیق ایک گروہ تم سے ایمان لایا

آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا

ہے اس پر جو میں لایا ہوں اور ایک گروہ نہیں ایمان لایا پس صبر کرو یہاں

فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

تک کہ خدا فیصلہ کرے ہمارے درمیان اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

فکثرکم:- ایک روایت میں ہے کہ مدین کے گھر حضرت لوط کی لڑکی تھی اور ان سے اولاد کثیر پیدا ہوئی چونکہ عذاب شدہ قومیں ان سے پہلے بہت گذری تھیں مثلاً قوم لوط قوم ھود قوم صالح اور قوم نوح پس خدا ان کی ہلاکت و بربادی کو بیان فرما کر ان کو اپنے بدکردار سے منع فرما رہا ہے تاکہ عذاب سے ڈریں اور گذشتہ اقوام کی بربادی سے سبق لیں اور مروی ہے کہ تمام انبیاء میں سے حضرت شعیب علیہ السلام نہایت قادر الکلام مقرر تھے۔ اس لئے ان کا لقب بھی خطیب الانبیاء ہے۔

دربار ہشام بن عبدالملک میں باقر آل محمدؐ کا داخلہ

اصول کافی باب مولد ابی جعفرؑ میں ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ السلام

کو ہشام بن عبد الملک نے بلایا اور حضرت وہاں پہنچے تو دربار کے دروازہ پر رک گئے۔ ادھر ہشام نے حاضرین مجلس کو سمجھایا کہ جب میں امام عالی مقام کو جھڑکوں اور پھر خاموش ہو جاؤں تو تم سب کا فرض ہے کہ اس کو جھڑکو۔ اس کے بعد حضرت کو اندر آنے کی اجازت دی گئی چنانچہ جب آپ اندر تشریف لائے تو تمام حاضرین مجلس پر ایک ہی سلام کہا اور بادشاہ کے لئے بالخصوص سلام نہ کہا اور پھر بیٹھ گئے۔ ہشام کے دل پر آپ کا یہ رویہ جلتی پر تیل کا کام کر گیا وہ پہلے بھی برافروختہ تھا لیکن مخصوص سلام کے نہ ہونے اور بلا اجازت دربار میں بیٹھ جانے سے جل بھن گیا تو امام عالی مقام کو تیز و تند لہجہ میں یوں خطاب کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تم میں سے ایک شخص امامت کا مدعی ہے اور وہ مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کا بیج بو رہا ہے اور اپنی اطاعت کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے اس کے بعد جو چاہا بکتا رہا پھر خاموش ہوا تو حاضرین مجلس میں سے ہر شخص نے یکے بعد دیگرے سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت آپ سے تلخ کلامی کی لیکن امام پاک اپنے انتہائی وقار و اطمینان کے ساتھ سب کی باتیں سنتے رہے جب وہ لوگ بھی بک بک کر چپ ہو گئے تو امام عالی مقام کی زبان حق ترجمان یوں گویا ہوئی۔ لوگو کہاں جا رہے ہو۔ ہماری وجہ سے تمہارے اول و آخر نے ہدایت پائی اگر تمہارے پاس ظاہری اقتدار ہے تو ہمارے حصہ میں اخروی اقتدار ہے اور ہمارے اقتدار کے بعد کسی کا اقتدار نہ ہوگا چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ حق کے تلخ کلمات کو سن کر دشمن دین کے سینہ پر از کینہ پر عداوت و بغض آل محمدؐ کے سانپ لوٹنے شروع ہوئے پس امام کی حبس کا حکم دے دیا چنانچہ جب آپ قید میں پہنچے تو آپ کے اخلاق حسنہ سے تمام قیدی آپ کے ہمنوا ہو گئے مجبوراً داروغہ قید نے ہشام کو رپورٹ کی کہ اگر امام چند دن مزید قید میں رہے تو صرف قیدی ہی نہیں بلکہ تمام اہل شام اس کے گرویدہ ہو کر تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے اور تیرے لئے مسند اقتدار کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ پس ہشام نے حکم دیا کہ آپ کو واپس مدینہ بھیج دیا جائے اور راستہ کے شہروں میں حکم بھیجا کہ کوئی بھی ان سے ملاقات کرنے نہ آئے اور نہ ان کے لئے روٹی پانی کا انتظام کرے چنانچہ تین دن کے متواتر سفر کے بعد آپ مدین کے دروازہ پر پہنچے۔ اس دوران میں روٹی پانی کہیں سے دستیاب نہ ہوا۔ جب ان لوگوں نے حضور کی آمد سنی تو دروازے شہر کے بند کر دیئے۔ حضرت کے ساتھیوں نے بھوک و پیاس کی شدت کی شکایت کی تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے شہر والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے اس شہر کے باشندو! جس کے بسنے والے ظالم ہیں۔ اَنَا بَقِيَّةُ اللّٰهِ میں حجت خدا ہوں اور خدا ارشاد فرماتا ہے بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ اس شہر میں ایک سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا اے قوم خدا کی قسم یہ وہ دعوت ہے جو حضرت شعیب پیغمبر نے مدین والوں کو دی تھی خدا کی قسم اگر اس شخص کی طرف دروازے نہ کھولو گے اور ضروریات زندگی اس کے لیے مہیا نہ کرو گے تو اوپر اور نیچے سے

عذابِ خداوندی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس دفعہ میری یہ بات ضرور مان لو۔ اگر بعد میں کوئی بات کروں تو اس کو مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی۔ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ چنانچہ شہر والوں نے جلدی سے دروازے کھول دیئے اس کے بعد جب ہشام کو اطلاع پہنچی تو اس بوڑھے مرد کو اپنے پاس بلوایا اور اس کو سزا دی۔

جلاء العیون اور دیگر کتب تاریخ میں حضرت صادق آلِ محمدؐ سے ایک لمبی روایت اسی واقعہ سے ملتی جلتی ہے کہ ہشام سے رخصت ہونے پر ایک جگہ عیسائیوں کے ایک پادری سے تبادلہ خیالات فرمایا اور ہشام نے آپؑ کے متعلق عیسائیت کی افواہ اُڑائی۔ چنانچہ واپسی پر جس شہر میں آئے لوگوں نے آپ سے بے توجہی کی حتے کہ اہلِ مدین والوں نے بھی بے توجہی کا سلوک کیا۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس سفر میں بابا کے ہمراہ تھا۔ آپ ہمیں دروازہ پر چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہی آیات پڑھیں جو حضرت شعیبؑ نے پڑھی تھیں چنانچہ عذابِ خداوندی کے آثار نمودار ہوئے تو ایک بوڑھے شخص نے لوگوں سے کہا مجھے پتہ ہے کہ حضرت شعیبؑ نے بھی اسی جگہ کھڑے ہو کر یہی دعوت دی تھی۔ پس ضرور ان کے سامنے دروازے کھول دو ورنہ وہی عذاب آجائے گا۔ جو قوم شعیبؑ پر آیا تھا چنانچہ لوگوں نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔

پارہ ۹

نشے کی اقسام

نشہ کی برائی میں کسی ذی ہوش انسان کے لئے مجال انکار نہیں اور اس سے مراد وہ نشہ ہے جو متاعِ انسانیت یعنی عقل کی بربادی کا زینہ ہو اور یہ بھنگ چرس چنڈو اور شراب تک محدود نہیں بلکہ اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں اسبابِ نشہ میں سے کمزور ترین سبب ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عقل کی بربادی ہی ہر قسم کی برائی کے جنم کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب ذرا اقسامِ نشہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ اقتدار کا نشہ اور یہ نشہ تمام نشہ کی اقسام سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ ۲۔ حسن کا نشہ خواہ حسن ذاتی ہو یا صفاتی ہو بلکہ بعض اوقات خارجی حسن بھی موجبِ نشہ ہو جاتا ہے مثلاً بیٹے یا زوجہ یا محبوبہ کا حسن یا لباس۔ سواری اور مکان کا حسن وغیرہ۔ ۳۔ قوت و طاقت کا نشہ۔ اس میں جسمانی طاقت قوم و قبیلہ کی طاقت۔ عقیدت مندوں کی طاقت اور اطاعت گذاروں کی طاقت سب شامل ہیں ۴۔ دولت کا نشہ ۵۔ مال و اولاد کا نشہ ۶۔ تندرستی کا نشہ ۷۔ جائداد کی فراوانی کا نشہ ۸۔ شہوت کا نشہ۔ کیوں کہ جب شہوت کا بھوت سر پر سوار ہو تو عقل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں ۹۔ محبّت کا نشہ چنانچہ مقولہ مشہور ہے حب الشئی یُعمی ویُصم کسی شے کی محبت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیا کرتی ہے کہ محبوب کے عیب عیب نہیں معلوم ہوتے اور اس سلسلہ میں ناصح کی آواز سے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں ۱۰۔ لالچ کا نشہ۔ اس میں شک نہیں کہ لالچی انسان عقل سے باغی ہوا کرتا ہے ۱۱۔ اطاعت کا نشہ جب انسان کے پاس اطاعت گذار موجود ہوں خواہ عقیدت مندی سے جیسے مرید لوگ پیروں کی اطاعت کرتے ہیں یا شاگرد استاد کی قدر کرتے ہیں یا عزادار مومن ذاکر و واعظ کی عزّت کرتے ہیں اور خواہ اطاعت ڈر سے ہو جیسے حکام وقت کی اطاعت یا کسی سردار کی اطاعت۔ پس جس کی اطاعت کی جائے اس میں ایک قسم کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے جو بعض اوقات حق و باطل کی تمیز سے بیگانہ کر دیتا ہے ۱۲۔ ریاست کا نشہ خواہ ریاست دینی ہو یا دنیاوی ۱۳۔ کمال کا نشہ ۱۴۔ تکبّر کا نشہ ۱۵۔ وجاہت کا نشہ جس کو پتہ ہو کہ مجھے کچھ لوگ چاہتے ہیں اس کے دماغ میں نشہ آ جاتا ہے خواہ وہ چاہت حُسنِ صورت کی وجہ سے ہو یا عمل و کردار کی بدولت ہو یا تقریر و تحریر کی خوبی سے ہو یا آواز کی شیرینی سے ہو۔ ۱۶۔ کارکردگی کا نشہ ۱۷۔ فتح و کامیابی کا نشہ خواہ امتحان میں کامیابی ہو یا میدان میں فتح ہو بہر کیف جیت ایک نشہ ہے ۱۸۔ کسی نشہ آور چیز کا استعمال مثلاً بھنگ چرس چنڈو شراب وغیرہ اور اکثر نشے انسان کے لئے تکبّر کا زینہ ہیں نیز تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام نشوں میں سے کمزور ترین نشہ آخری قسم کا ہے اور سب نشوں میں سے بدترین اور سخت ترین پہلی قسم کا نشہ ہے یوں تو ہر نشہ دماغِ انسانی کو معطل کر دیتا ہے لیکن باقی تمام نشے کسی نہ کسی وقت اتر جایا کرتے ہیں لیکن حکومت و اقتدار کا نشہ کسی وقت نہیں اترتا لہٰذا صاحبِ اقتدار کا ہوش سنبھال لینا اللہ کی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ خداوند کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے ان کی کامیابی کے راستہ میں یہی نشے حائل رہے اور لوگ ان ہی اقسام کے نشوں میں چُور ہو کر انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے۔ اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام کو جن لوگوں نے ظلم کا نشانہ بنایا وہ اسی قسم کے نشوں کی بدولت تھا جن میں سب سے زیادہ خطرناک نشہ اقتدار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے میں با اقتدار طبقہ ہر جگہ پیش پیش رہا ہے اور یہ واضح رہے کہ آخری قسم کے علاوہ نشہ کے جس قدر اسباب ہیں اگر شرعی اقتدار کے ماتحت ہوں اور شکرِ خداوندی کا زینہ ہوں تو انتہائی ممدوح ہیں ورنہ بے حد مذموم بلکہ انسانیت سوز ہیں اور ہر قسم کی برائی کی جڑ ہیں۔

رکوع ۱۱۔ قَالَ الْمَلَاُ۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ متکبر اور خود سر تھے انہوں نے حضرت شعیبؑ کو کہہ دیا کہ یا تو آپ یہاں سے نکل جائیں اور یا ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی اَوْ لَتَعُوْدُنَّ۔ اس کا معنی ہے پلٹ آؤ۔ پلٹنا تب صادق آتا ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں پھر اسلام پر آئے ہوں لیکن حضرت شعیبؑ تو نبی تھے لہٰذا ان کے متعلق یہ ناممکن ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں۔ پس اس صورت میں کفار کا کہنا کہ پلٹ آؤ ہمارے دین پر غلط ہوگا تو اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں ۱۔ چونکہ قبل از بعثت

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰا

کہا ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا اپنی قوم میں سے ہم تجھے ضرور نکالیں گے اے شعیب

شُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور ان کو جو ایمان لائے تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا یہ کہ پلٹ آؤ ہمارے دین میں

فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ۝ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ

کہا کیا اگرچہ ہم ناپسند بھی کرتے ہوں؟ ہم اللہ پر افترا اور جھوٹ باندھیں

كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ

اگر پلٹیں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں بچایا اس سے

مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ

اور ہمیں جائز نہیں کہ اس میں پلٹیں مگر یہ کہ چاہے اللہ جو ہمارا

رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا

رب ہے۔ احاطہ کیا ہے ہمارے رب نے کل شے پر علم کا اللہ پر ہم نے توکل

وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ۝

کی اے رب ہمارا فیصلہ کر ہمارے اور قوم کے درمیان حق کا اور تو ہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

حضرت شعیبؑ اگرچہ دینِ الٰہی اور ملت ابراہیمی پر تھے لیکن چونکہ کفار سے ان کا طریقہ مخفی تھا لہٰذا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی ہماری طرح ہیں۔ اس لئے جب آپ مامور بہ تبلیغ نبوت ہوتے تو وہ اپنے زعم فاسد کی بناء پر کہتے تھے کہ آپ ہمارے دین پر پلٹ آئیں (۲) چونکہ حضرت شعیبؑ کے ساتھی تو حقیقتاً کفر پر تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ اب متکبرین ان کو کہتے تھے کہ پلٹ آؤ بنا بر اہتمام کے خطاب کا رخ حضرت شعیبؑ کی طرف ہے لیکن مراد وہ لوگ ہیں ۳۔ ممکن ہے یہاں عود کا معنی صرف داخل ہونا ہو یعنی آجاؤ اور یہ معنی بھی بعض مفسرین نے کیا ہے۔ پس جہاں جہاں کسی نبی کے لئے عود

کا لفظ استعمال ہو اس کی توجیہہ اس طریق سے کی جائے گی۔
اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۔ یہ اس طرح ہے جس طرح پہلے ایک جگہ فرمایا ہے کہ کافر لوگ جنت میں داخل نہ ہونگے مگر یہ کہ اونٹ سوراخ سوزن میں داخل ہو جائے۔ یعنی جس طرح اونٹ کا سوراخ سوزن میں داخل ہو جانا ناممکن ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔ پس یہاں بھی وہی ہے کہ ہمارا تمہارے دین پر آنا تب ہو گا جب خدا چاہے گا یعنی ہمارا کفر میں داخلہ اس طرح ناممکن ہے جس طرح خدا کا کفر و شرک کو چاہنا ناممکن ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا
اور کہا انہوں نے جو کفر کرتے تھے اس کی قوم میں سے اگر تم لوگ پیچھے چلو گے شعیب کے
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا
تو تم البتہ خسارہ میں رہو گے۔ پس ان کو پکڑا زلزلے نے تو ہو گئے گھروں
فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ ۹۱ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ
میں بچھاڑے ہوئے۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی
یَغْنَوْا فِیْهَا ۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ
آباد ہی نہیں تھے اس میں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہ
الْخٰسِرِیْنَ ۝ ۹۲ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
خسارہ میں تھے پس روگردانی کی ان سے اور فرمایا اے قوم تحقیق میں پہنچا
رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝ ۹۳ ع
چکا اپنے رب کے پیغام اور خیر خواہی کر چکا تمہاری پس کیسے افسوس کروں اس قوم پر جو کافر تھی

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ مروی ہے کہ خداوند کریم نے ان پر پہلے زلزلہ بھیجا اور سخت گرمی ان پر نازل فرمائی کہ سانس لینا بھی ان کے لئے مشکل ہو گیا جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو گرمی نے وہاں بھی نہ چھوڑا پس نہ ان کو سایہ بچاتا تھا اور نہ پانی اور گرمی اس قدر تیز سے تیز تر ہوتی گئی کہ ان کے چمڑے جل گئے تو خداوند کریم نے ایک بادل بھیجا جس میں نہایت پاکیزہ ہوا تھی جب انہوں نے ہوا کی ٹھنڈک اور پاکیزگی محسوس کی تو ایک دوسرے کو خوشی سے بلانے لگ گئے کہ اس بدل کو نہ چھوڑو لہذا وہ سب گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور بادل کے نیچے جمع ہوئے۔ جب سب کے سب وہاں اکٹھے ہو گئے تو خداوند کریم نے اس کو آگ کی طرف منتقل کر دیا پس نیچے سے زمین لرزنے لگی اور اوپر سے آگ برسنے لگی اور وہ جل بھن کر خاکستر کا ڈھیر ہو گئے اور اسی کو دوسرے مقام پر عذاب یوم الظلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ

کہتے ہیں کہ حضرت شعیب دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے، ایک اہل مدین دوسرے اصحاب ایکہ۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک قوم پر صرف رجفہ کا عذاب آیا اور دوسری قوم پر عذاب یوم الظلۃ نازل ہوا۔ واللہ اعلم

لم یغنوا فیہا یعنی عذاب کے بعد اس طرح نیست و نابود ہوئے کہ ان کی آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ لوگ کبھی یہاں آباد ہی نہیں تھے۔

وکیف آسیٰ الخ بعضوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مومن کے لئے ناجائز ہے کہ کافر کے لئے دعائے خیر کرے۔ نیز کافر کی موت یا تباہی و بربادی پر افسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

رکوع ۲ بالبأساء الخ:۔ یہاں چند قول ہیں۔ باساء کا معنی (۱) جانی تکلیف اور ضرا کا معنی مالی تکلیف ۲۔ باساء کا معنی بھوک اور ضرا کا معنی دکھ بیماری ۳۔ باساء کا معنی بھوک اور ضراء کا معنی فقر۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو تنبیہ کے لئے دکھ تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

قالوا قد مس الخ یعنی جب خدا ان سے مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اولاد بڑھ جاتی ہے تو معمولی سرزنش اور تنبیہ کو تو وہ سمجھتے ہی کچھ نہیں بلکہ فوراً جواب دیتے ہیں۔ یہ گرمی سردی دنیا والوں پر ہمیشہ آیا کرتی ہے لہٰذا اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آتے اور نہ توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پس خدا سختیوں سے بھی آزماتا ہے اور نعمتوں سے بھی آزماتا ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں انسان غرّہ ہو کر خدا کی طرف نہ جھکے اور نہ گناہوں سے توبہ کرے تو پھر اچانک اس پر عذاب نازل فرماتا ہے جو اس کے لئے باعث نقمت اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوتا ہے خداوند کریم تمام اہل ایمان کو گناہ سے بچنے اور توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے

واعوذ باللہ من سخطہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ پکڑا اس کے باشندوں کو تکلیف اور دکھ کے ساتھ

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ

تاکہ وہ عاجزی کریں پھر ہم نے بدل دی سختی کی بجائے

الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

نرمی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے تحقیق چھوا تھا ہمارے بڑوں کو

فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی

سختی اور نرمی نے تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور وہ غافل تھے اور اگر بستی والے

رکوع ۳ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ انسان جب گناہ کرتا ہے اور توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا تو رفتہ رفتہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس پر نہ کوئی وعظ اثر کرتا ہے اور نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور اس کے کان کلمات حق سننے سے گریز کرتے ہیں اور اسی کو طبع سے تعبیر فرمارہا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے کیونکہ خدا نے مجبور تو کیا نہیں اور اپنے اختیار پر چھوڑ دیا ہے لیکن انسان اپنے سوء اختیار سے گناہ کو اختیار کر بیٹھتا ہے اور گناہ کرنے کی طاقت بھی اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے مجازاً نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے اور ختم اور طبع کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

ایمان لاتے اور ڈرتے تو کھولتے ہم ان پر برکتیں آسمان و زمین سے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۹۶ اَفَاَ

لیکن انہوں نے جھٹلایا پس ہم نے ان کو پکڑا بوجہ اسی کے جو وہ کسب کرتے تھے۔ کیا

مِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ ۹۷

بے خطر ہیں بستیوں والے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب رات کو کہ وہ سوئے ہوئے ہوں

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ

یا بے خطر ہیں بستیوں والے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن کو اور وہ کھیل رہے ہوں

يَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۸ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ

کیا وہ بے خطر ہیں اللہ کی گرفت سے تو نہیں بے خطر ہوتے اللہ کی گرفت سے

الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۹۹ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ

مگر وہ لوگ جو خسارہ پانے والے ہیں۔ کیا نہیں ہدایت کرتی ان کو جو وارث بنتے ہیں زمین کے بعد اس کی

بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

اہل کے یہ بات کہ اگر ہم چاہیں تو پکڑ لیں ان کو بسبب ان کے گناہوں کے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر

جلد میں مذکور ہے اور جبر و اختیار کے مسئلہ پر مفصل بحث بھی وہاں موجود ہے۔ اصول کافی باب الذنوب بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر زیادہ گناہ کرے تو وہ نقطہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر وہ انسان نیکی کی طرف نہیں رجوع کرتا۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا۔ یعنی جو لوگ الست کے دن انکار کر چکے وہ اب اقرار نہیں کرتے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی منقول ہے کہ خدا نے عالم ذر

میں تمام ارواح کو اپنی توحید و رسالت و ولایت کے اقرار کی دعوت دی تھی تو جن ارواح نے وہاں قبول کیا تھا وہ یہاں بھی قبول کرتے ہیں اور جنہوں نے وہاں انکار کیا تھا وہ یہاں بھی انکار کرتے ہیں۔

وَمَا وَجَدْنَا:- ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے میثاق کے اقرار سے وفا نہیں کی جیسا کہ تفسیر صافی میں مروی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ذکر

اِلٰى فِرْعَوْنَ:- تفسیر مجمع البیان میں ہے بقول وہب فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا اور حضرت یوسف کے زمانہ میں بھی یہی فرعون تخت مصر پر قابض تھا جس دن حضرت یوسف مصر میں داخل ہوئے اس دن سے حضرت موسیٰ کے داخلہ مصر کے دن تک چار سو سال کا فاصلہ تھا۔ تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت یوسف کے بعد ۱۲ اسباط بھیجے اور ان کے بعد حضرت موسےٰ اور ہارون تشریف لائے۔

تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ فرعون نے حضرت موسےٰ سے بچنے کے لئے اپنے حفاظتی سات مضبوط قلعے بنوا رکھے تھے اور ان کے درمیان جنگلات اور بیشے بنوا دیئے اور ان میں شیر چیتے وغیرہ چھوڑ دیئے اور ساتویں میں اپنا محل بنوایا تاکہ ان چھ قلعوں اور بیشوں سے موسےٰ بچ کر ادھر نہ پہنچ سکے۔ لیکن جب حضرت موسےٰ کو خدا نے بھیجا تو جس قلعہ کے دروازہ پر پہنچتے تھے وہ خود بخود کھل جاتا

نَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (۱۰۰) تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَ

بس وہ نہ سنیں یہ بستیاں کہ ہم نے قصہ سنایا ہے تم کو ان کی باتوں کا اور تحقیق

لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا

آئے تھے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ پس وہ نہ تھے ایمان لانے

مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۱۰۱) وَمَا

والے اس بات پر جکو وہ جھٹلا چکے پہلے اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر اور ہم نے نہیں

وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (۱۰۲)

پایا ان کے اکثر کا کوئی عہد اور تحقیق ہم نے اکثر کو فاسق ہی پایا ہے۔ پھر

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی جماعت کے پاس تو انہوں نے ظلم

فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰۳) وَقَالَ

کیا پس دیکھو کیسا تھا انجام فسادیوں کا اور فرمایا

مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۰۴) حَقِيْقٌ

موسےٰ نے اے فرعون تحقیق میں رسول ہوں جہان کے پروردگار کی طرف سے سزاوار ہے

تھا اور جب شیر چیتے آپ کو دیکھتے تھے ۔ نہایت انکساری کے ساتھ آپ کے سامنے سر خم کر لیتے اور دم ہلانے لگتے تھے اور بغیر تکلیف دیئے واپس پلٹ جاتے تھے ۔ یہاں تک کہ آپ آخری قلعہ تک پہنچ گئے جس میں فرعون کا شاہی محل و تخت تھا پس آپ دروازہ پر بیٹھ گئے ۔ ایک اونی قمیض زیب تن تھی اور عصا ہاتھ میں تھا حضرت موسےٰؑ نے دربان سے اندر داخل ہونے کے لئے اذن طلب کرنے کو کہا تو دربان نے توجہ تک نہ کی آپ بڑی دیر تک دربان کو کہتے رہے لیکن وہ ایک نہ سنتا تھا جب آپ نے بہت اصرار کیا اور اپنی رسالت کا اظہار فرمایا تو دربان نے جواب دیا کہ خدا کو تیرے علاوہ کوئی آدمی دوسرا نہیں ملتا تھا جس کو عہدہ رسالت عطا فرماتا ! یہ بات سن کر حضرت موسےٰؑ کو غصہ آیا اور دروازہ پر عصا زور سے مارا جس کی دھمک سے موسےٰ اور فرعون کے درمیان جس قدر دروازے باقی تھے سب کے سب کھل گئے اور حضرت موسےٰ فرعون کے سامنے تھے ۔ فرعون نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ ان کو اندر آنے کی اجازت دی جائے چنانچہ حضرت موسےٰ اندر تشریف لے گئے فرعون ایک نہایت بلند گنبد نما چبوترے میں جس کی اونچائی اسی ۸۰ ذراع لکھی ہے بیٹھا تھا حضرت موسےٰؑ نے جاتے ہی فرمایا اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں جہانوں کے

حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ
ہے کہ نہ کہوں اللہ پر کوئی بات مگر سچ تحقیق میں آیا ہوں ساتھ دلیل واضح کے تمہارے رب
رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ
سے پس بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کہا اس نے اگر تو لایا ہے
بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ
کوئی نشانی تو لا وہ اگر تو سچا ہے پس انہوں نے ڈالا
فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾
اپنا عصا تو وہ اژدہا تھا ظاہر اور نکالا اپنا ہاتھ تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے

پروردگار کی جانب سے رسول ہو کر آیا ہوں تو فرعون نے جواب میں کہا فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ آپ کوئی نشانی پیش کریں ۔ اگر سچ کہتے ہیں پس آپ نے عصا کو زمین پر پھینکا جس کی الگ الگ دو شاخیں تھیں وہ اژدہا بن گیا اس کی ایک شاخ زمین پر تھی اور دوسری فرعونی چبوترے کے بالائی حصہ تک جا پہنچی اور یہ گویا اس اژدہا کا منہ تھا فرعون نے اژدہا کے منہ کے اندر جو نگاہ کی تو اس کو جلتی بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئی ۔ اژدہا نے فرعون کا ارادہ کیا اور آگے بڑھا تو ڈر کے مارے فرعون کا پاخانہ نکل گیا اور حضرت موسےٰ کو دہائی دی اور جان بچائی ۔

عصائے موسیٰؑ

مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق یہ عصا حضرت موسیٰؑ کو مدین کی طرف آتے ہوئے راستہ میں ایک بادشاہ نے پیش کیا تھا اور دوسری روایت کے ماتحت یہ عصا جنت کے درخت سے

تھا جو حضرت آدمؑ اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت آدم کی اولاد میں پشت بہ پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیب تک پہنچا اور حضرت شعیب کے پاس اپنے بزرگوں کی وراثت سے اس کے علاوہ چالیس عصا اور بھی تھے۔ جب حضرت شعیب نے حضرت موسیٰؑ کو ۸ برس کے لئے اپنا اجیر بنایا تو حکم دیا کہ کمرہ سے ایک عصا اٹھا لے اور چنانچہ حضرت موسےؑ کا ہاتھ یہی عصا پر پڑا حضرت شعیب نے عصا ان سے لیا اور واپس رکھ دیا پھر حضرت موسےؑ سے کہا کہ عصا لے آؤ۔ دوبارہ بھی حضرت موسے کے ہاتھ میں وہی عصا آگیا اور پھر حضرت شعیب نے اسے واپس کرایا تو چوتھی دفعہ انہوں نے پھر حضرت موسے کے ہاتھ میں رہنے دیا اور واپس نہ کیا جب حضرت شعیب کے پاس اجارے کی مدت ختم ہو گئی اور واپس مصر کی طرف رخ کیا تو راستہ میں آگ دیکھی وہاں پہنچے تو ارشاد پروردگار ہوا میں تیرا رب ہوں پھر اس عصا کے زمین پر ڈالنے کا حکم ہوا چنانچہ وہ زمین پر پہنچتے ہی اژدہا بن گیا۔ تو حضرت موسےؑ اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوتے پس ندائے پروردگار پہنچی کہ اس کو بغیر خوف وہراس کے پکڑ لو تو حضرت موسےؑ نے اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہاتھ ڈالا تو وہ ویسے کا ویسا عصا بن گیا جب آپ فرعون کے پاس آئے تو وہی عصا پھینکا جو اژدہا بن گیا اور بروایت ابن عباس اس نے منہ کھولا تو نیچے کا جبڑا زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا فرعون کے چبوترے کے اوپر پہنچ گیا گویا اس نے اس کو منہ میں ڈال لیا فرعون تخت سے اتر کر بھاگا اور اس کا پاخانہ بھی نکل گیا۔ دوسرے لوگ حاشیہ نشین سب حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے آخر فرعون نے حضرت موسے سے پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اس کو پکڑ لیجئے تو میں ایمان لاؤں گا جب حضرت موسے نے اس کو پکڑا تو وہ عصا بن گیا لیکن فرعون ایمان نہ لایا۔

سوال:۔ اس مقام پر ارشاد ہے کہ وہ عصا اژدہا بن گیا کیونکہ ثعبان کا معنی ہے اژدہا اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَانٌّ یعنی کہ جب اس کو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کر رہا ہے۔ جانّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات میں تفاوت یا تضاد نہیں ہے تو اس مقام پر تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب:۔ (۱) ممکن ہے دو دفعہ دو مختلف صورتیں پیش آئی ہوں۔ ایک مرتبہ اژدہا بنا ہو اور دوسری مرتبہ معمولی سانپ بنا ہو۔

(۲) دوسری آیت میں جسامت کی تشبیہ نہیں کہ وہ مثل چھوٹے سانپ کے جسم کے تھا بلکہ اس میں اژدہا کی حرکت کی تشبیہ ہے کہ وہ اژدہا چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کرتا تھا گویا یہ معجزہ در معجزہ ہے کیونکہ بڑے بڑے اژدہا عموماً ساکن رہتے ہیں اور حرکت کی صورت میں نہایت معمولی سی حرکت کرتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا بلکہ اتنے لمبے چوڑے جسم کے باوجود وہ اژدہا چھوٹے سانپوں کی طرح نہایت پھرتی اور تیزی سے حرکت کرتا تھا اور یہی جواب زیادہ موزوں اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال :- حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی و رسول تھے بلکہ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ اور اس قدر بلند مرتبہ نبی ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ کے عصا سے یا یوں سمجھئے کہ اپنے معجزہ سے ڈر کیوں گئے۔ صرف خوف قلبی ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ خود بھی دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور خداوند کریم نے تسلی کیلئے فرمایا کہ ڈرو نہیں یہ تمہارا وہی عصا ہے ہم اس کو پہلی شکل کی طرف منتقل کر دیں گے۔ لیکن باوجود اس یقین دہانی کے بھی حضرت موسےٰ کے دل سے سانپ یا اژدہا کا خوف نہ گیا اور بمطابق روایات ڈرتے ڈرتے اس کو ہاتھ لگایا چنانچہ وہ عصا بن گیا پس اتنا خوف وہراس اپنے ہاتھ کے عصا سے موسےٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو زیب نہیں دیتا۔

جواب :- یہ ضروری نہیں کہ خداوند کریم اپنے انبیاء و اولیاء کو معجزات و کرامات کی حقیقت سے بھی روشناس کرائے تو ممکن ہے کہ حضرت موسےٰ سے اس حقیقت کو پہلے پوشیدہ رکھا گیا ہو کہ آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ دوبارہ عصا ہی بن جائے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے خوف کھانے کے بعد قدرت کی طرف سے یقین دہانی انہی الفاظ میں ہوئی کہ ہم اسس کو اپنی پہلی شکل پر پلٹا دیں گے۔ آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں۔

(۲) خداوند کریم نے حضرت موسےٰ کے دل میں خوف وہراس طاری کر دیا کیونکہ اگر حضرت موسےٰ نہ خوف کرتے تو معجزہ کا فائدہ کوئی نہ ہوتا کیونکہ اس صورت میں ظاہر بین نگاہیں معجزہ اور جادو کے درمیان فرق نہ کر سکتیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جادوگر جب جادو کرتے ہیں تو وہ چیز دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ اور کی اور بن کر پیش ہوتی ہے لیکن خود جادوگر کی نگاہوں میں وہ چیز اپنی حقیقت پر باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ خود اپنے جادو کردہ اشیاء سے مرعوب نہیں ہوا کرتا مثلاً اس زمانہ کے جادوگر رسیوں کو سانپ بنالیا کرتے تھے تو وہ دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ چلتے پھرتے سانپ تھے لیکن جادوگروں کی نگاہوں میں وہ رسیاں ہی تھیں جس کی وجہ سے وہ خود ان سے مرعوب نہ تھے۔ پس اگر حضرت موسےٰ اژدہا سے خوف نہ کھاتے تو وہ جادوگر یہ خیال کرتے کہ حضرت موسیٰ کا عصا بھی جادو کے ماتحت سانپ ہوا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بڑا ہے اور ہمارے رسیوں کے سانپ چھوٹے ہیں ورنہ جادو ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر جادو نہ ہوتا بلکہ حقیقت ہوتی تو حضرت موسےٰ خود کیوں خوفزدہ نہ ہوتے یہی تو وجہ ہے کہ حضرت موسےٰ جب ڈرے اور وحی خدائی کے پیش نظر دوبارہ اس کو پکڑا تو جادوگر حقیقت پر پہنچ گئے اور فوراً ایمان لے آئے کیوں کہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر جادو ہوتا تو حضرت موسےٰ خوف زدہ نہ ہوتے پس اپنے پھینکے ہوئے عصا کے اژدہا سے موسےٰ کا ڈرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اژدہا جادو کا نہیں تھا بلکہ امر پروردگار تھا جو بصورت اعجاز ظہور پذیر ہوا۔ پھر اس کا ان کے جادو کے سانپوں کو ہڑپ کر جانا تائید مزید تھی جو جادوگروں کے جادۂ حق پر گامزن ہونے کا سبب بنی۔

۳۔ فرعون لوگوں سے چھپ کر پاخانہ کو جاتا تھا اور ایسے وقت میں جاتا تھا کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے پس لوگوں کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے اپنی خدائی کے لئے یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ دیکھو اگر میں خدا نہ ہوتا تو مجھے بھی لوازم بشریہ سے دو چار ہونا

پڑتا حالانکہ میں ایسے لوازم سے پاک وصاف ہوں اور سادہ لوح انسانوں کو دھوکا دینے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اب جو اژدھانے اپنا لمبا چوڑا منہ کھولا اور فرعون کے محل کو اپنے جبڑوں میں لے لیا تو فرعون کا پاخانہ نکل گیا۔ پس عوام الناس پر فرعون کی مکاری کا راز فاش ہوا اور ان کو یقین ہوا کہ ہم صرف ہمیں دھوکا دیا گیا تھا ورنہ یہ تو وہ بھی ہم جیسا انسان اور لوازم بشریہ کا اس سے بھی تعلق ہے، چنانچہ موذی جانوروں سے بھی ڈرتا ہے اور پاخانہ وغیرہ جیسی ضروریات سے پاک بھی نہیں لہٰذا یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اب اس مقام پر اگر حضرت موسےٰ کے دل میں خوف وہراس پیدا نہ ہوتا اور اپنے مقام پر ثابت قدم رہتے تو وہ سادہ لوح انسان جو اس سے پہلے فرعون کی خدائی کو تسلیم کر رہے تھے حضرت موسےٰ کو خدا کہہ بیٹھتے کہ یہ وہی ہے جو عصا کو سانپ بناتا ہے اور غیر ذی روح کو حیات بخش سکتا ہے پس باقی کائنات کا خالق بھی یہی ہے۔ بنا بریں خداوند کریم نے حضرت موسےٰ کے دل میں خوف ڈال دیا تاکہ لوگ فرعون کے مغالطہ کو سمجھ لیں اور موسےٰ کے متعلق بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ حقیقی خالق کو پہچانیں اور حضرت موسےٰ کو اس کا نمائندہ تسلیم کر لیں چنانچہ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ جادوگر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

عصا کی فضیلت

مجمع البیان میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لازمی طور پر اپنے ہاتھ میں عصا رکھتے تھے کیونکہ اس میں تکبر سے بچاؤ ہوتا ہے یعنی ہاتھ میں عصا رکھنا فروتنی اور انکساری کی علامت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنٹر تازیانہ اور ہاکی وغیرہ کا پاس رکھنا چونکہ تکبر مزاجی اور اوباشی کی نشانی ہے لہٰذا شعار انبیاءؑ کے خلاف ہے اور ناپسندیدۂ خدا ہے لہٰذا اگر اس کی حرمت پر نص نہ ہو تو وہ بھی مکروہ ہونا تو یقینی ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ عصا ہاتھ میں رکھا کرو کیونکہ اس کا پاس رکھنا میرے مرسل بھائیوں کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص سفر میں جائے اور تلخ بادام کا عصا اس کے پاس ہو اور یہ آیت مجیدہ تلاوت کرے وَلَمَّا تَوَجَّہَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ سے وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ تک تو خداوند کریم اس کو ہر پھاڑنے والے جانور ہر ظالم چور اور ہر ڈسنے والی چیز سے محفوظ رکھے گا۔ یہاں تک کہ با خیر وعافیت اپنے گھر اور بال بچوں تک پہنچ جائے گا اور خداوند کریم اس کے لیے ستر فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی واپسی تک اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت پہلا عرب شخص جس نے عصا ہاتھ میں لیا۔ وہ قس بن ساعدہ تھا: مجمع البیان، اور عام حالات میں عموماً اور سفر میں خصوصاً عصا کا ہاتھ میں رکھنا بالخصوص تلخ بادام کے عصا کا رکھنا مستحب ہے اور بوقت خطبہ عیدین یا خطبہ جمعہ بھی ہاتھ میں عصا کا رکھنا اور اس پر اعتماد کرنا مستحب ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس وقت وہ عصا ہمارے پاس موجود ہے اور وہ پہلے دن کی طرح سرسبز ہے جیسا کہ تازہ درخت سے کاٹا گیا ہو جب اس کو بلوایا جائے تو وہ بولتا ہے اور وہ حضرت قائم کے پاس محفوظ ہے اور وہ اس سے وہی کام لیں گے جو حضرت موسےٰ لیا کرتے تھے الخ (برہان)

تنبیہہ جو لوگ معجزہ کا انکار کرتے ہیں وہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر خارق عادت بغیر مادۂ مناسبہ کے کسی منصۂ شہود پر آجائے تو علم ضروری باطل ہو جائے گا اور کسی شے کے متعلق اعتماد نہ رہے گا کیوں کہ اگر لکڑی سے سانپ پیدا ہو جائے یا پتھر سے اونٹنی نکل آئے تو پھر جائز ہے کہ انسان بھی اسی طرح یک لخت پیدا ہوا ہو اور آدم و حوا کے تسلیم کرنے کی پھر کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند کریم نے مخلوقات کی ترقی کی رفتار ایک خاص نظام و اہتمام کے ماتحت رکھی ہے اور اس کی ترتیب و ترکیب کی تدریجی منازل معین و مقرر کی ہیں اور کوئی چیز بھی اس عادی رفتار سے مقدم یا موخر نہیں ہو سکتی لیکن خداوند کریم اپنی حقانیت یا اپنے نبی و ولی کی صداقت کی خاطر دفعۃً ایک ایسی چیز کو ظاہر کرنے پر قادر ہے اور کرتا بھی ہے جو ظاہراً اپنے موزوں مواد کی بھی مرہونِ منت نہیں ہوا کرتی اور اسی کا نام تو ہے معجزہ اور بغیر کسی اہم ضرورت کے خدا بھی عمومی نظام کے خلاف نہیں کرتا تاکہ علوم ضروریہ کے ابطال کا باعث نہ ہو اور معجزہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں موجود ہے

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ ۱۰۹

کہا سرداروں نے قوم فرعون سے تحقیق یہ البتہ ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ ۱۱۰

نکال دے تم کو تمہاری زمین سے پس کیا رائے دیتے ہو۔

رکوع ۱۴ قَالَ الْمَلَاُ

جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے عصا ڈال کر اژدہا کا معجزہ دکھایا اور ید بیضا کی تجلی سے اس کی آنکھوں کو چکا چوند کیا تو قوم فرعون کے سردار لوگ آپس میں کہنے لگے تو جادوگر ہے اور یہاں تسلط حاصل کر کے ہمیں نکالنا چاہتا ہے۔ پس آپس میں مشورہ کر کے فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہرا لو تاکہ شہروں سے دوسرے جادوگر جمع کئے جائیں پھر حق و باطل کا پتہ چلے گا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ :۔ اس میں چار قرائتیں ہیں ۱۔ اَرْجِئْهُ ۲۔ اَرْجِهِ ۳۔ اَرْجِهِ ۴۔ اَرْجِئْهُ۔ اور آخری قرأت عاصم اور حمزہ کی ہے اور ہمارے ہاں کے موجودہ قرآنوں میں یہی قرأت مروج ہے۔ اِرجاء سے امر کا صیغہ اَرْجِئْهُ آتا ہے۔ اس کا معنی ہے تاخیر میں ڈالنا اور اَرْجِئْهُ کے بعد ھاء ضمیر کی ہے اور اصل قیاس اَرْجِئْهُ ہونا چاہیے لیکن موجودہ قرأت اَرْجِهْ جس میں ہمزہ کو بلا وجہ حذف کیا گیا ہے اور ھاء ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے اس کے قیاسی طور پر جواز میں نحوی متردد ہیں لیکن اس مقام پر سماع کی بنا پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ :۔ عبارت میں حذف زیادہ ہے لیکن مطلب واضح ہے۔ یعنی جادوگروں نے آ کر پہلے جادو کیا اور رسیوں کے سانپ بنا کر دکھائے تو ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈالو چنانچہ عصا سے اژدہا بنا جو ان کے سانپوں کو کھا گیا۔

maablib.org

نکتہ جادوگروں کی رسیاں حقیقت میں سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ وہ ویسے کی ویسی رسیاں تھیں اور انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پہ جادو کا اثر ڈال کر انہیں ایسا دکھایا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سانپ ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت موسےٰ کا عصا زمین پر ڈالنے کے بعد حقیقتًا سانپ یا اژدہا بن جاتا تھا جس طرح خود فرمایا فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ کہ وہ سچ مچ اژدہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ جادو کے سانپوں کو ایک نوالہ کر کے ہضم کر گیا اور دوبارہ عصا ہونے کے بعد بھی ان کو نہ اگلا پس جادوگر مان گئے کہ یہ خدائی قوت کا ہی کرشمہ ہے لہٰذا موسےٰ پیغمبر برحق ہیں اور لطف بالائے لطف یہ کہ اس قدر رسیوں کو نگل جانے کے بعد عصا کی مقدار میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہ ہوا اور یہ چیز ان کے لئے مزید تسکین قلب کا باعث ہوئی پس وہ مسلمان ہو گئے۔

لَاُقَطِّعَنَّ: یعنی جانب مخالف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹوں گا۔ یعنی دایاں ہاتھ بائیں پاؤں کے ساتھ یا بایاں

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ

کہنے لگے ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا

تمام ماہر جادوگروں کو اور آ گئے جادوگر فرعون کے پاس کہنے لگے تحقیق ہمارا انعام ہوگا

اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

اگر ہم غالب ہوئے۔ کہا (فرعون نے) ہاں اور تحقیق تم لوگ البتہ مقرب ہو جاؤ گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾

کہنے لگے اے موسےٰ یا آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالتے ہیں فرمایا تم ڈالو

قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ

پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر لیا لوگوں کی آنکھوں پر اور مرعوب کر لیا ان کو اور

جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ

لائے جادو زبردست اور ہم نے وحی کی طرف موسےٰ کے کہ ڈالو اپنا عصا۔ چنانچہ

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا

وہ کھا گیا اس کو جو فریب کیا تھا (انہوں نے) پس ثابت ہوا حق اور غلط ہوا وہ جو کر رہے تھے۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

پس وہ ہار گئے وہاں اور ہو گئے ذلیل اور گرائے گئے جادوگر سجدہ کرتے ﴿١٢٢﴾

سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ

ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے جہان کے پروردگار پر جو رب ہے موسےٰ و ہارون کا

ہاتھ دائیں پاؤں کے ساتھ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور مروی ہے کہ فرعون پہلا شخص ہے جس نے ہاتھ پیر کاٹنے اور سولی پر لٹکانے کی سزا ایجاد کی اور مومن جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سولی دی گئی تھی جو دریائے نیل کے کنارے پر تھے۔

فرعون نے ہزار ڈرایا دھمکایا لیکن انہوں نے کہا کہ تو صرف اس لئے ہم کو سزا دے رہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا اس معاملہ میں اگر ہمیں موت آئے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے اور اس سلسلہ میں ہم ہر قسم کا ظلم برداشت کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ پھر خدا سے ثابت قدمی اور صبر کی دعا مانگی اور عجیب ہی نیک نصیب تھے کہ دن کے اول میں کافر تھے اور دن کے آخری حصہ میں دین خدا پر جان دے کر شہادت کے درجہ پر فائز ہو کر راہی جنت ہوئے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْ

کہا فرعون نے تم اس پر ایمان لائے میری اجازت سے پہلے تحقیق یہ چال چلی ہے تم لوگوں نے شہر

تُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

میں تاکہ نکالو اس سے اس کے اہل کو تو عنقریب جانو گے (بدلہ اس کا) ضرور

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ

میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی جانب سے پھر تم کو سولی پر لٹکاؤں گا سب

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ

کو کہنے لگے تحقیق ہم طرف اپنے رب کے پلٹنے والے ہیں اور تو صرف اس لئے

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

ناراض ہے ہم پر کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی نشانیوں پر جب ہم پر واضح ہوئیں۔ اے ہمارے رب

صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

نازل کر ہم پر صبر کو اور ہمیں موت دے اسلام کی

تنبیہ ہر نبی کا معجزہ اس زمانہ کے کمال کے پیش نظر ہوتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں جادو کا زور تھا اس لئے حضرت موسٰے کا معجزہ ان کے اس کمال کو زیر کرنے کے لئے تھا اور مقدمہ تفسیر میں ہم نے اس امر کی خوب وضاحت کی ہے۔ چنانچہ جب حضرت صاحب الامر قائم آل محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو ان کا معجزہ دور حاضر کے سائنس کے کمالات سے مافوق ہوگا۔ موجودہ کمال یہ ہے کہ مشینری کے ذریعہ سے ایک جگہ کی آواز پورے روئے زمین کے باشندے سن سکتے ہیں وہ بغیر مشینری کے اپنی آواز روئے زمین کے بسنے والوں کے کانوں تک پہنچائیں گے۔ حتیٰ کہ ہر ایک شخص سے اپنی زبان میں سمجھ سکے گا نیز اب ہوائی سروس اور تیز رو گاڑیوں کے ذریعے دور دراز کے سفر طے ہوتے ہیں۔ اور ان کے دور میں ان چیزوں کے بغیر طولانی سفر معمولی وقت میں طے ہوں گے گویا اس دور کی سائنسی ترقیاں جس منزل پر جا کر رکیں گی امام عالی مقام کا قدم اس سے آگے ہوگا۔ حتیٰ کہ اس دور کے سائنسدان ان کے کمال کے سامنے جھک جائیں گے اور آپ کے معجزنما اور ہادی من اللہ ہونے کا اقرار کریں گے۔

رکوع ۵ :- وَقَالَ الْمَلَأُ - تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بنی اسرائیل کے چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے اور جادوگروں کو سزا مل گئی لیکن بنی اسرائیل کے سرداروں نے یہ سوال اٹھایا کہ موسیٰ کی قوم کو اگر چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ اور فساد بپا کریں گے لہٰذا انہیں بھی سزا دینی چاہیئے۔ وَآلِهَتَكَ :- اس میں کئی اقوال ہیں :- ۱- فرعون خود بت پرستی کرتا تھا اور باقی لوگ اسکی پوجا کرتے تھے اور اگر وہ بت پرستی کرتے تو صرف اس کی خوشنودی کیلئے۔ ۲- خود بھی گائے پرست تھا اور لوگوں کو بھی گائے پرستی کی دعوت دیتا تھا یہی تو وجہ تھی کہ سامری نے بنی اسرائیل کو بھی گوسالہ پرستی میں مبتلا کر ڈالا ۳- لوگ بت پرستی کرتے تھے فرعون کی خوشنودی کے لئے لیکن وہ خود کسی کی پوجا نہ کرتا تھا۔

سَنُقَتِّلُ :- فرعون نے جب حضرت موسےٰ کے معجزات دیکھے تو اس کو حضرت موسیٰ کے قتل پر جرأت نہ ہو سکی اور مرعوب ہو گیا اس لئے اکابر قوم کی سفارش پر بھی اس نے یہ نہیں کہا کہ میں موسےٰ کو قتل کر دوں گا۔ بلکہ کہا موسےٰ کی قوم کے بچے قتل کر دوں گا کیوں کہ ہم ان پر غالب ہیں۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا

اور کہا سرداروں نے قوم فرعون سے کہ کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد کرتے پھریں

فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي

زمین میں اور تجھے اور میرے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ کہا اس نے ہم قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ

نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا

رکھیں گے ان کی لڑکیوں کو اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہ مدد مانگو اللہ

بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ

سے اور صبر کرو تحقیق زمین اللہ کی ہے اس کا وارث بناتا ہے جسے چاہے اپنے بندوں سے اور انجام

عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا

بخیر متقیوں کے لئے ہے کہنے لگے ہمیں ستایا گیا قبل آپ کی تشریف آوری

وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

کے اور بعد آپ کے آنے کے بھی فرمایا عنقریب ہے تمہارا رب کہ ہلاک کرے تمہارے دشمن کو

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ ع

اور تمہیں خلیفہ بنائے زمین کا پس دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

(قتل کودہ) :- پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اقتدار کا نشہ تمام نشوں سے بدترین ہوا کرتا ہے۔ فرعون ایک انسان نما درندہ تھا جس نے نسلِ انسانی کو بلا دریغ تہ تیغ کیا لیکن جس طرح رفتارِ زمانہ کے لحاظ سے انسان نے مادی ترقی میں سائنس کے ذریعہ سے انتہائی کمال حاصل کر لیا۔ اسی طرح فرعونیت نے بھی اقتدار کے لباس میں بہت کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے پس آج کے فرعون کو بچوں کے قتل کرانے کی یا حاملہ عورتوں کے شکم چاک کرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسی دوائیں اور ایسے ٹیکے ایجاد کر دیئے گئے جو سلسلۂ تولید کو سرے سے ختم کر دیتے ہیں۔

پ آل انسان کے ان خاص متعلقین کو کہا جاتا ہے جن پر اس کو اعتماد کلی ہو کہ اس کے ہر پیچیدہ امر کا حل ان کے ذریعے سے ہو اور وہ بھی اس پر اعتماد کلی رکھتے ہوں کہ اپنے ہر مسئلہ پیچیدہ کو اس کے بغیر حل نہ کر سکتے ہوں۔ فرعون چونکہ اقتدار دنیاوی کا مالک تھا اس لئے اس کی آل میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو دنیاوی اقتدار کی بحالی میں فرعون کا معتمد ہو اور اپنی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لئے فرعون پر اعتماد رکھتا ہو۔ اسی طرح گھریلو معاملات کے نبیڑنے کے لئے انسان کی آل میں وہ افراد داخل ہوں گے جو گھریلو معاملات کے سلجھاؤ میں اس کا محلِ اعتماد ہوں اور یہ ان کا معتمد ہو پس بیوی بچے۔ بھائی بھتیجے وغیرہ اس دائرہ میں داخل ہو سکتے ہیں

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور ہم نے پکڑا فرعونیوں کو ساتھ قحط سالیوں کے اور پھلوں کی کمی کے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ

وہ نصیحت پکڑیں پس جب آئی ان پر خوشحالی تو کہا یہ ہمارا حق ہے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط اَلَآ اِنَّمَا

اور اگر پہنچی ان کو کوئی سختی تو بدفالی حاصل کرتے تھے ساتھ موسٰی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ آگاہ

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱ وَقَالُوْا

آگاہ ہو بے شک ان کی بدبختی اللہ کے پاس ہے لیکن وہ اکثر نہیں جانتے اور کہنے لگے

مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲

جب بھی لائیے ہمارے پاس کوئی نشانی تاکہ ہمیں مسحور کرے تو ہم تیری بات ماننے والے نہیں۔

آل اور اہل۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ بعض نحویین کا کہنا ہے کہ آل بھی اصل میں اہل تھا اور ہاء کو الف سے تبدیل کرنے کے بعد آل ہو گیا اگرچہ ان کا یہ قول صرف ایک خیالی منصوبہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے مقابلہ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اہل کو آل سے لیا گیا ہو۔ اور اس کے شواہد بھی کلام عرب سے کافی مل سکتے ہیں۔ جیسے مہما کی اصل کہتے ہیں ماما تھی پہلے ما کے بعد الف کو ہا سے تبدیل کیا گیا اور یہ ما حرف شرط تھا اس کے بعد دوسرا ما بڑھایا گیا جس طرح دوسرے حروف کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے بہر کیف استعمال کے لحاظ سے اب ان میں نمایاں فرق یہ ہے کہ آل کا استعمال صرف اشراف کے لئے مخصوص ہے خواہ شرف دنیاوی کا مالک ہو جیسے آل فرعون اور خواہ شرف دینی و دنیاوی دونوں کا یا صرف شرف دینی کا مالک ہو جیسے آل محمد اور اس کے مقابلہ میں اہل کا لفظ کسی طبقہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوا کرتا ہے۔ اہل بیت محمد بھی کہہ سکتے ہیں اور اہل حجام بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ آل اور اہل کا مفہوم ایک ہے اس لئے اہل کا استعمال اگرچہ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے عام ہے لیکن مفہوم میں عموم نہیں آئے گا بلکہ مفہوم

وہی رہے گا جو آل کا ہے یعنی وہ لوگ جن پر اس کو اعتماد کلی ہو اور جنہیں اس پر اعتماد کلی ہو۔ بنابریں آل محمدؐ اور اہلبیت محمدؐ میں کوئی فرق نہیں جو لوگ آل محمدؐ ہیں وہی اہلبیت محمدؐ ہیں۔

کیونکہ آل یا اہل کی تشخیص میں حضرت محمد مصطفٰےؐ کی پوزیشن کا جائزہ لینا ہوگا۔ اور جو پوزیشن حضور رسالتمآبؐ کے لئے متعین ہوگی۔ اسی پوزیشن کے لحاظ سے معتمدین کی تلاش کی جائے گی۔ اب اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ کی حیثیت صرف عام گھریلو معاملات کے سلجھانے تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ عالمی رسول اور کلی نبوت کے حامل ہونے کی حیثیت سے اوّلین و آخرین کے سرتاج روحانی تھے اور ظاہری اقتدار کے اعتبار سے وہ شہنشاہِ جن و انس تھے۔ بزم قدس کی رونق آپ کی مرہونِ منت بزمِ لاہوت کا زیب آپ کے قدم کا صدقہ مجلسِ انبیاء کی صدارت آپ کے قدموں پر نثار محفلِ ملائکہ کی سیادت آپ کے نوری جلوہ کی مرہون بالاختصار کون و مکان میں عرشی و فرشی ذی روح اور غیر ذی روح سب کی سب مخلوق کے لئے ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و روحانی پیشوا کی حیثیت آپ کو حاصل تھی۔

بنابریں دنیاوی اقتدار کے پیشِ نظر ایسے لوگ قطعاً خصوصی اعتماد کے حامل نہیں ہوسکتے جو صرف ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر یا ظاہری اقتدار میں جذب ہو کر یا کسی طمع کی کشش میں آکر یا اپنے اور اپنے اقرباء کی تن بخشی کا بہانہ سمجھ کر یا اسی قسم کے اور اغراض کے ماتحت ہم آہنگ ہوگئے ہوں کیوں کہ صاحبِ غرض پر اعتماد صرف غرض تک ہی رہ سکتا ہے اس کے بعد ختم۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ آڑے وقتوں میں قطعاً جان کی بازی نہیں لگا سکتے بلکہ جان بچانے کی سوچتے ہیں اور غزواتِ نبویہ کی طولانی فہرست اربابِ تاریخ کی حق بین نگاہوں کے سامنے حقیقت کی ترجمانی کے لئے کافی و وافی ہے۔

احد کا میدان معتمد نبوی کا کردار بتائے گا اور احد کی پہاڑیاں اپنے کندھوں پر بلند کر کے ظاہری اقتدار یا لوٹ و مار کے متوالوں کی نشاندہی کریں گی۔ خندق میں بَرَزَ الْاِیْمَانُ کا تمغہ اور ضَرْبَةُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کی سنہری سند معتمد نبوی کی نشاندہی کے لئے کافی ہیں۔ اور کَاَنَّ رُؤُسِھِمُ الطَّیْرُ کا تاریخی جملہ اور بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ کا قرآنی فقرہ طماع اور وقتی جی حضوری یارانِ مسلک کی سرد مہری کو بیان کرنے میں منصف طبائع اور نفوسِ سلیمہ کی تسلی و اطمینان کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح خیبر میں لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یعنی کل میں علم فوج اس شخص جوانمرد کے حوالہ کروں گا جو کرار و غیر فرار ہوگا اور خدا اور رسول کا محب و محبوب ہوگا حضور کا فرمانِ حق ترجمان انتہائی صراحت و وضاحت کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے کہ آڑے وقتوں میں جان کی بازی لگانے والا کون ہے اور اس سلسلہ میں خدا اور رسول کا معتمد خصوصی اور محب و محبوب واقعی کون ہے؟ اور تجربہ نے ثابت کر دیا اور فرق نمایاں کر کے دکھا دیا کہ خیبر کے قلعہ کا آہنی دروازہ کس کے حق میں گواہ تھا اور دوڑتے ہوئے قدموں کی خاک سے اٹھے ہوئے۔ پھریرۂ علم کی گرد کس کی آنکھوں کا کاجل تھی۔ اس سلسلہ میں واقعات کے گوانے کی چنداں ضرورت نہیں دورِ رسالت کا ہر لمحہ و دقیقہ نبوی اعتماد کی مخصوص شخصیتوں کو بیان کرنے میں

غیر مبہم الفاظ کو متضمن ہے۔

اب اگر حضورؐ کے دینی اقتدار اور روحانی عہدہ کے لحاظ سے حضورؐ کے مقربین معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اس بارہ میں احادیث نبویہ تواتر سے منقول ہیں کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ انا دار الحکمۃ و علی بابھا اقضاکم علی اور ان کے علاوہ بیسیوں حدیثیں جو اس بات کی متکفل ہیں کہ روحانی تمام کمالات میں حضرت علی اس مرتبہ پر فائز تھے کہ حضور رسالتمآبؐ کو صرف علی پر اعتماد ہی نہیں تھا بلکہ ہر منزل و مقام پر صحابہ کے سامنے علیؑ کے کمالات کو واضح فرمانے میں فخر محسوس فرماتے تھے اور واشگاف الفاظ میں ببانگ دہل فرمایا ہے کہ علی مع القرآن و القرآن مع علی نیز علی مع الحق و الحق مع علی یعنی قرآن علی کا اور علی قرآن کا۔ نیز حق علی کا اور علی حق کا۔ اور عمار سے فرمایا اگر ساری دنیا ایک وادی میں ہو اور علیؑ دوسری وادی میں تو تم علی کا ساتھ نہ چھوڑنا کیونکہ حق اسی طرف ہوگا جس طرف علیؑ ہوگا۔ حدیث ثقلین اس سلسلہ میں مشہور بین الفریقین ہے اور حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِنّی تارِکٌ فِیکُمُ الثقلین کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا بعدی۔ ان احادیث کے حوالہ جات مقدمہ تفسیر انوار النجف میں مذکور ہیں۔

اب اگر نقل کو دیکھا جائے تو آیت تطہیر کا شان نزول اور اصحاب کسا کی تعیین کتب فریقین میں ببانگ دہل بتلاتی ہے کہ رسولؐ کے اہلبیتؑ کون ہیں۔ بہر کیف حضرت محمد مصطفےٰؐ کی رسالتی اور شاہی ہر دو پوزیشن کے لحاظ سے اگر عقل و نقل اور تاریخ و حدیث سے دیکھا جائے کہ حضورؐ کے معتمد خصوصی کون کون تھے؟ تو عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے۔ یہ بات کہ وہ علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ ہی تھے اور بس۔

اور آیت تطہیر نے نہایت پیارے انداز میں رسولؐ پر واضح کر دیا کہ یہی وہ پاک و پاکیزہ افراد ہیں جن پر آپ کو اعتماد کلی ہونا چاہیئے اور یہی ہیں آپ کے اہل بیتؑ اور تمام قرآن کی سیر کرنے والے اور لطائف و رموز قرآنیہ سے بہرہ ور ہونے والے اس مطلب کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ پس آل محمدؐ کے دائرہ میں غیر کو داخل کرنے کے لئے آل فرعون کی مثال پیش کرنا یا حضرت ابراہیم کے اہلبیتؑ کی نظیر لانا فضول ہے کیونکہ ہر شخص کی آل کا تعین اس کے عہدہ و پوزیشن کے ماتحت ہے۔ اگر ایک شخص کی آل یا اہل میں اس کی بیوی داخل ہے تو ضروری نہیں کہ دوسرے کی آل میں بھی وہ داخل ہو۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بھائی بہنوں کو افراد خانہ قرار دیتا ہے دوسرا ایسا نہیں کرتا یا ایک شخص اپنے والدین کو بال بچوں کو بلکہ بعض بہن بھائی کی اولاد کو اہل خانہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرا ایسا نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ آل یا اہل کے لفظ میں تعین نہیں پس ہر شخص کی آل کی تعیین اس کی پوزیشن کے ماتحت اس کے خصوصی اعتماد کے حامیین سے ہی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے خداوند کریم کا وعدہ تھا کہ میں طوفان بھیجوں گا اور تجھے اور تیری اہلبیتؑ کو نجات دوں گا۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی اور اہل ایمان کو اس میں سوار کیا تو حضرت نوحؑ کا فرزند کنعان اس میں سوار نہ ہوا۔ پس طوفان آیا اور حضرت نوح کا فرزند باپ کے اصرار کے باوجود کشتی سے کنارہ کش ہو کر آخر کار

عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آگیا۔ اگر اہل سے مراد افرادِ خانہ ہوتے تو فرزندِ نوحؑ غرقاب نہ ہوتا نیز حضرتِ نوح کی بیوی بھی اس عہدِ خداوندی سے مستثنےٰ قرار دی گئی۔

اب بیٹے کی محبت نے جو حضرت نوح کے دل میں جوش مارا تو پانی کی موجوں میں ڈوبتے فرزند کو دیکھ کر شفقتِ پدرانہ کے ماتحت عرض گذار ہوئے۔ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ یعنی تحقیق میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے کہ تیری اہل کو غرق نہ کروں گا۔ یہ یاد رہے کہ غیر وفادار بیوی کا اہل سے کٹ جانا تو چونکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اس لئے حضرت نوحؑ نے اپنی بیوی کا اہل ہونا نہ جتلایا۔ لیکن کیا نافرمان اولاد بھی اہل سے کٹ جاتی ہے یا نہ؟ ظاہری اعتبار سے ایک مشتبہ امر تھا جس کے متعلق حضرت نوحؑ کو کہنا پڑا کہ میرا بیٹا تو میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ ہے کہ تیری اہل کو نجات دوں گا تو اس کے جواب میں لسانِ قدرت گویا ہوئی کہ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ یعنی وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیوں کہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ دنیاوی معاملات میں جو بیٹا باپ کا نافرمان ہو وہ قطعاً باپ کی محبت کا محل نہیں بن سکتا بلکہ اس کو باپ اپنے سامنے سے ہٹا دیا کرتا ہے اور اس کو اپنے گھر سے نکال دیتا ہے۔ حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کے حق میں سفارش کرنا تبلاتا ہے کہ وہ ظاہری امور میں باپ کا فرمانبردار تھا اور حضرت نوح کی اس کے ساتھ محبتِ پدرانہ قائم تھی جبھی تو اس کے غرق ہونے کا ان کو درد ہوا۔ لہٰذا ظاہری طور پر اس کا اہل خانہ میں شمار تھا اور اسی بناء پر حضرت نوحؑ نے بھی حتمی طور پر فرمایا کہ میرا بیٹا میری اہل سے ہے۔

پس خداوندِ کریم نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری طور پر اہل ہونا اور بات ہے اور کسی نبی کا نبی ہونے کی حیثیت سے اس کی اہل قرار پانا اور بات ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر اہلِ خانہ میں ہر وہ شخص داخل ہے جو امورِ ظاہریہ دنیاویہ میں محلِ اعتماد ہو لیکن نبوتی حیثیت سے نبی کا اہلِ بیت وہ ہوگا جو نبیؑ کا اس خصوصی منصب کے لحاظ سے محلِ اعتماد یعنی نبی پر ایمان لانے والا ہو اور اسکی تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنے والا ہو اور کنعان میں یہ بات نہ تھی اور عذابِ خداوندی حضرتِ نوحؑ کی امورِ دنیاویہ میں مخالف کرنے والوں کے لئے نہیں تھا تاکہ بیٹے کو اس کی زد سے بچایا جاسکتا۔ بلکہ یہ عذاب تبلیغِ نبوت کو ٹھکرانے والوں کے لئے مخصوص تھا۔ لہٰذا نجات وہی پاسکتے تھے جو اس حیثیت سے حضرت نوح کے اہل قرار پائیں اور عمل غیر صالح کی لفظ سے ذاتِ پروردگار نے صاف فرمادیا کہ وہ اس حیثیت سے تمہارا اہل نہیں ہے لہٰذا اس کو عذاب سے مستثنےٰ نہیں قرار دیا جاسکتا

پس یہ واقعہ تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ کسی نبی کا اہل وہی ہوسکتا ہے جو اس کے مشن میں اس کا محلِ اعتماد ہو اور حضرت رسالتمآبؐ تو سلطان الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ ان کے اہلبیتؑ میں وہی داخل ہوگا جو ان کے منصب خصوصی میں ان کا محلِ اعتماد ہو اور شریک کار ہو اور آیۂ تطہیر میں اہلبیتِ محمدؐ بھی وہی لوگ ہیں جو منصبِ سفارت

ایزدی میں آپ کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ وہم آواز بلکہ ہمدم وہمنوا وہمراز تھے اور شانِ نزول آیتِ تطہیر نے واضح کردیا کہ وہ اصحاب کِسا، پنجتن پاک تھے جن پر کتب فریقین شاہد ہیں۔

اَلطُّوْفَانَ:- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) پانی جو طغیانی کی شکل میں آ کر تباہی کا باعث ہو (۲) اچانک موت (۳) طاعون (۴) چیچک (۵) امر خداوندی کو طاف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جیسے ارشاد ہے طَافَ عَلَیْهِمْ طَائِفٌ۔

آلِ فرعون پر متعدد عذاب

قصہ:- جب جادوگروں کو سزا دی جاچکی تو ہامان نے فرعون کو مشورہ دیا کہ جو بھی موسٰے کے دین میں جائے اس کو قید کرلیا جائے چنانچہ حکم سرکاری صادر ہوا پس بنی اسرائیل دھڑا دھڑ قید ہونے لگ گئے پس خدا نے ان پر متعدد عذاب بھیجے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ
پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹکڑی اور جوئیں اور مینڈک اور
الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (۱۳۳)
خون نشانیاں الگ الگ پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
اور جب آیا ان پر عذاب تو کہنے لگے اے موسیٰ دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے بوجہ اس عہد کے
عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
کہ تیرے پاس ہے اگر دور کرے گا تو ہم سے عذاب تو ہم ایمان لائیں گے اور بھیج دیں گے
مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۳۴) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ
تیرے ہمراہ بنی اسرائیل کو پس جب دور کیا ہم نے ان سے عذاب ایک وقت تک کہ وہ

۱۔ سنین قحط سالی۔

۲۔ نقص ثمرات یعنی پیداوار کی کمی

۳۔ طوفان طغیانی کے قول کے ماتحت جب پانی آیا تو ان کے گھر خراب ہوگئے اور جنگلوں میں خیمہ زن ہوگئے اور یہ پانی صرف قبطیوں کے گھروں میں تھا اور انکے لئے تباہی کا موجب تھا لیکن بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ تک نہ آیا ان کی زمینیں برباد و بنجر ہوگئیں تو حضرت موسیٰ سے دعا کی خواہش کی گئی جب آپ کی دعا سے طوفان کا عذاب ٹل گیا تو فرعون کو ہامان نے مشورہ دیا کہ اگر تو نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا تو وہ حضرت موسٰے کے ساتھ مل کر تیری سلطنت کو تباہ کردیں گے چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو چھوڑنے سے انکار کردیا پھر طغیانی کے بعد جو ان کے فصل اچھے ہوئے تو کہنے لگے یہ پانی تو ہمارے لئے باعثِ رحمت و نعمت تھا۔

۴۔ تو خدا نے ان کی سرکشی کی بدولت اور دوسرے سال یا دوسرے مہینے بنا بر اختلاف روایت ٹکڑی بھیج دی جو ان کے جو بے

ہونے فصلوں کو کھا گئی حتیٰ کہ درختوں کے چھلکے گھروں کے دروازے کپڑے اور سامان تک کو صاف کر گئی اور یہ ٹڈی بنی اسرائیل کے گھروں میں قطعاً داخل تک نہ ہوتی تھی پس وہ لوگ گھبرا کر چیخ اٹھے اور فرعون خود تلملا گیا اور حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ اگر یہ عذاب ہم سے دفع ہو گیا تو ایمان بھی لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے آزاد کر کے تیرے ہمراہ روانہ کروں گا۔ چنانچہ خداوندِ کریم ان کے قول کی حکایت فرما رہا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تو ساتویں دن ٹڈی دور ہو گئی یعنی ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہی اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ باہر تشریف لے گئے۔ اور اپنے عصا سے مشرق کی طرف اشارہ کیا تو ٹڈی چلی گئی پھر ہامان نے فرعون کو بنی اسرائیل کی رہائی سے روکا تو پھر تیرے سال یا تیسرے مہینے بنا بر اختلاف کے خدا نے قمل یعنی جوئیں بھیج دیں بعض نے قمل کا معنی مچھر کیا ہے۔ اور بعضوں نے بے پروں کے ٹڈی قمل کا معنی لکھا ہے۔ بہرکیف یہ ان پر پانچواں عذاب تھا کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر گئے اور ایک بستی جس کا نام عین الشمس تھا اس میں گئے اور وہاں زمین پر عصا کو مارا کہ قمل یعنی مچھروں یا جوؤں کا سیلاب نکل پڑا

بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝ ١٣٥ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ

پہنچے اسے تو اس کو توڑ دیا پس بدلہ لیا ہم نے ان سے کہ ان کو غرق کیا دریا

فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ۝ ١٣٦ وَ

میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور تھے اس سے غافل اور

أَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشٰرِقَ الْأَرْضِ

ہم نے وارث کیا ان لوگوں کو جو کمزور تھے زمین کے طول و عرض

وَمَغٰرِبَهَا الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى

کا جسے ہم نے بابرکت کیا تھا اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی خوب بنی اسرائیل

عَلٰى بَنِي إِسْرٰٓءِيلَ ۙ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ

پر بوجہ ان کے صبر کے اور ہلاک کر دیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝ ١٣٧

اور اس کی قوم اور وہ جسے بلند کرتے تھے۔

پس وہ کپڑوں میں داخل ہوئے اور جب روٹی کھاتے تو اس میں داخل ہو جاتے اور زمین پر ان کا ایک فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ قمل اس کیڑے کو کہتے ہیں جو گندم کے دانوں کو خراب کرتا ہے چنانچہ وہ لوگ جب گندم کی دس بوریاں پسوانے کیلئے چکی پر لیجاتے تھے تو اسقدر کرم خوردہ ہوا کرتی تھی کہ تین بوریاں بھی واپس نہ آتی تھیں اور جسم پر اسکا یہ اثر تھا کہ انکے بال ابرو پلکیں بلکہ چمڑا بھی انہوں نے نوچ لیا اور انکا امن و آرام تباہ ہو گیا پھر وہ چیخے اور چلائے تو فرعون نے پھر حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ آپ دعا مانگیں۔ اس دفعہ

میں ضرور بنی اسرائیل کو چھوڑ دوں گا۔ یہ بھی ایک ہفتہ رہا سنیچر سے سنیچر تک اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے دور ہو گیا۔ لیکن فرعون نے وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر چھٹا عذاب اس کے چوتھے سال یا چوتھے مہینے مینڈک کا عذاب آ گیا کہ گھروں میں برتنوں میں روٹی پانی میں کپڑوں اور دیگر سامان میں ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک تھے۔ دیگوں میں اچھل کر جا پڑتے آٹے میں مل جاتے۔ بلکہ جب آدمی بیٹھتا تو ارد گرد جمع ہو کر تھوڑی دیر تک انسان کو غرق کر دیتے تھے اور اچھل کر اس کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ نوالہ منہ میں ڈالنے کے لیے منہ کھولتا تو نوالے سے پہلے مینڈک منہ میں پہنچ جاتا جس کی وجہ سے وہ تھوک دیتا اور اس قدر تنگ آئے کہ حضرت موسیٰؑ سے التجاء کی حضور یہ مصیبت ٹل جائے ہم ضرور مسلمان ہوں گے اور توبہ کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی رہا کریں گے۔ چنانچہ یہ عذاب بھی سات دن سنیچر سے سنیچر تک رہا اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے دور ہوا لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی تو خدا نے ان پر ساتواں عذاب خون کے رنگ میں بھیجا کہ دریائے نیل بھی ان کے لئے خون بن کر بہتا تھا۔ بنی اسرائیل کے لئے پانی تھا اور ان کے لئے خون تھا تو پھر قبطی یہ کرتے تھے کہ اسرائیلیوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے منہ میں پانی لے کر ہمارے منہ میں ڈالو لیکن اس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ پانی اسرائیلی کے منہ سے نکل کر جب قبطی کے منہ میں آتا تو خون ہو جاتا تھا۔ فرعون بھی پیاس سے تنگ ہوا تو اس نے درختوں کے پتے چوسنے شروع کر دیئے لیکن جب یہ چباتا تھا تو ان پتوں کا پانی خون

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُونَ عَلٰىٓ
اور گزارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو آئے ایک قوم پر جو جھکے تھے اوپر بتوں
أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوا يٰمُوسَى اجْعَلْ لَّنَآ إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ
کے تو کہنے لگے اے موسیٰؑ مقرر کر ہمارے لئے بھی ایسے خدا جس طرح ان کے ہیں فرمایا کہ تم
قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝١٣٨ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَ
لوگ جاہل ہو تحقیق یہ ہلاک ہونے والا ہے جس میں وہ ہیں
بٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝١٣٩ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَّهُوَ
اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں فرمایا کیا غیر خدا کو بناؤں تمہارا خدا حالانکہ اس نے تمہیں فضیلت
فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝١٤٠ وَإِذْ أَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ
دی جہان پر اور جب ہم نے تمہیں بچایا فرعونیوں سے کہ دیتے تھے کہ تم کو
سُوٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ؕ
سخت عذاب مارتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں
وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝١٤١ ع
خدا کی طرف سے تمہاری سخت آزمائش تھی

maablib.org

بن جاتا تھا۔ سات دن تک خون کھاتے پیتے رہے اور بعض کہتے ہیں کہ خون کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ان کو نکسیر کا عذاب دیا گیا یعنی ان کے ناک سے خون جاری تھا۔ بہر کیف سات دنوں کے بعد گھبرا کر حسب سابق موسیٰ سے التجا کی تو حضرت موسیٰ کی دعا سے عذاب دور ہو گیا لیکن انہوں نے پھر بھی وفا نہ کی۔ اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے لَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ یعنی جب ہم عذاب کو ان سے دور کرتے تھے اور وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے تھے۔ صرف ایک طاعون کے عذاب سے فرعونیوں کے ستر ہزار آدمی لقمہ اجل ہو گئے تھے اور ان پہ آخری عذاب آخرکار آ ہی گیا اور وہ یہ کہ انکو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا اور خدا نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی (مجمع البیان)

جَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ۔ جب دریائے نیل سے بنی اسرائیل گذرے قبیلہ لخم کی قوم کو دیکھا جو گائے کی مورتی کو پوج رہے تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ ہمیں ایسے خدا بنا دو۔

اس کا یہ مقصد نہیں کہ حضرت موسیٰ کی ساری قوم ایسی تھی۔ یہ ہرگز مقصد نہیں۔ بلکہ ہر امت میں نالائق و نالائق افراد ہوا کرتے ہیں۔ یہاں بھی صرف ان ہی لوگوں نے کہا جو ظاہری مسلمان تھے اور واقعاً منافق تھے گویا یہ خواہش حضرت موسیٰ کے منافق صحابیوں نے کی تھی جن کو موسیٰ نے ڈانٹ کر جاہل کے لقب سے یاد فرمایا اور حضرت رسالتمآبؐ کے صحابہ نے بھی شجرۃ ذات انواط کو دیکھ کر یہی خواہش کی تھی جیسا کہ کتب صحاح گواہ ہیں۔

معجزات رسالتمآبؐ

خداوند کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَٰهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا کہ ہم نے تمہاری طرف اس طرح رسول بھیجا جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا یعنی خدا نے حضورؐ کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ دی ہے اور حضور نے متعدد مقامات پر حضرت علیؑ کو ہارون سے تشبیہ دی اور نیز اپنی امت کو کئی دفعہ فرمایا کہ تم لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلو گے۔ تو ان تصریحات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ان کی امت میں جو کچھ واقعات رونما ہوئے تھے وہ حضرت محمد مصطفےٰؐ اور اس کی امت میں بھی رونما ہوئے ورنہ تشبیہ قرآنی اور فرمان مصطفویؐ کی صداقت پر حرف آئے گا چنانچہ کتب تاریخ کی سیر سے خوب انکشاف ہوتا ہے کہ واقعی تشبیہ قرآنی اور فرمان نبویؐ میں سر مو فرق نہیں آیا اور جو معجزات حضرت موسیٰؑ سے ظہور پذیر ہوئے وہ حضرت رسالتمآبؐ سے بھی ظاہر ہوئے۔

(۱) ایک مرتبہ یہودی لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضرت موسیٰ کے لئے عصا اژدہا بنتا تھا تو آپ کونسا معجزہ لائے ہیں تو آپ نے فرمایا میں موسیٰ سے بھی بڑا معجزہ لایا ہوں وہ یہ کہ موسیٰ کے معجزے پر تبطی لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ممکن ہے اس میں موسیٰ نے کوئی جادو کا اثر بھرا ہو۔ اور میں ایسی لکڑیوں کو سانپ بناؤں گا جن کو محمدؐ کا ہاتھ مس بھی نہ کرے گا۔ چنانچہ تم گھروں کو جاؤ گے اور رات کو جب تم سب اکٹھے ایک مخصوص مکان میں بیٹھے ہو گے تو اس مکان کی چھت کی ہر لکڑی اژدہا بن جائے گی اور ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی تو تم میں سے چار آدمی

کے سینے پھٹ جائیں گے اور وہ وہیں مریں گے اور باقی دوسرے روز تک بے ہوش رہیں گے۔ جب تم لوگ باقی یہودیوں کو بیان کرو گے تو وہ بھی نہ مانیں گے تو ان کی آنکھوں کے سامنے سب اژدہا ہو جائیں گے چنانچہ ڈر کے مارے ان کی ایک جماعت مر جائے گی۔ اور ایک جماعت دیوانہ ہو گی اور اکثر بے ہوش ہو جائیں گے خیر لوگ ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا بے شک ہنس لو لیکن محمدؐ نے جو کچھ کہا ہے ہو کے رہے گا اور تم کو علاج بتاتا ہوں کہ جو شخص محمدؐ و علیؑ کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگے گا وہ محفوظ رہے گا چنانچہ یہودی واپس گھروں میں گئے اور رات کو جب مکان میں اکٹھے ہوئے تو حضورؐ کے فرمان کو حرف بحرف درست پایا تو جو بچ گئے وہ دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ اور جب باقی یہودی احوال پرسی کے لئے آئے تو ان کے ساتھ وہی حشر ہوا جو حضورؐ نے فرمایا تھا۔

(۲) ید بیضاء شہزادہ حسن اور شہزادہ حسین علیہما السلام اپنے گھر ہوتے تھے اور جناب رسالت مآبؐ اپنے گھر میں بیٹھ کر دونوں شہزادوں کو اپنے پاس بلاتے تھے تو دونوں شہزادے اپنے نانا جان کی طرف چل پڑتے۔ حضورؐ تاریک رات میں اپنی انگشتِ شہادت کو دروازہ سے نکال کر اشارہ کرتے کہ اس سے سورج و قمر کی روشنی سے بھی تیز روشنی ظاہر ہوتی اور جب شہزادے پہنچ جاتے تو انگلی پہلی حالت کی طرح ہو جایا کرتی تھی جب شہزادے واپس آتے تو حسبِ سابق انگشتِ شہادت قندیل نور بن جاتی اور شہزادوں کے گھر پہنچ جانے کے بعد اپنی اصلی حالت پر پلٹ آتی۔

(۳) ایک دفعہ شام کے سفر سے حضورؐ واپس آ رہے تھے کہ دو سو یہودیوں نے آپ کی علامات دیکھ کر حسد کیا کہ کہیں اس کے ذریعے یہودیوں کی دولت ختم نہ ہو جائے لہٰذا انہوں نے پیچھا کیا۔ ایک مقام پر حضورؐ حاجت ضروری کے لئے جنگل میں گئے تو یہودی تلواریں کھینچ کر سر پہ آ گئے۔ خداوند کریم نے وہاں سے مکڑی پیدا کر کے ان پر مسلط کر دی جو ان کو آہستہ آہستہ نوچ نوچ کر کھا گئی۔ قافلہ والوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اس جگہ ایک جماعت موجود تھی۔ وہ کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے ارادۂ فاسدہ سے مجھے قتل کرنے گئے تھے۔ اور خدا نے ان پر مکڑی مسلط کر دی ہے چنانچہ وہ وہاں ڈھیر پڑے ہیں۔

(۴) ایک دفعہ مدینہ کے یہودیوں نے سازش کی جب آپ باہر تشریف لے گئے تو انہوں نے پیچھا کیا پس خدا نے ایک کے کپڑوں میں جوئیں پیدا کر دیں پس تو شرم کے مارے وہ جوئیں مارتا ہوا ساتھیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ پھر دوسرے نے اپنے کپڑوں میں دیکھا تو وہ بھی چپکے چپکے جوئیں مارتا ہوا الگ ہو گیا اور اسی طرح سب کے سب گھروں میں واپس آ گئے اور جوؤں کے عذاب سے تھوڑے دنوں کے اندر اندر سب ختم ہو گئے۔

(۵) مشرکین و یہود اور دیگر قبائل عرب کے مشترکہ گروہ نے ایک مرتبہ حضورؐ کے قتل کی سکیم بنائی اور مکہ میں بیٹھ کر آپس میں عہد کیا اور اسی نیت فاسدہ سے مدینہ کا رخ کیا چنانچہ وہ ایک حوض کے کنارے پہنچے اور اچھے پانی سے اپنے مشکیزے پُر کر لئے اور آگے چل پڑے ایک جگہ جا کر مقام کیا۔ خداوند کریم نے وہاں ان پر مینڈک اور چوہے مسلط کر دیئے جو ان کے مشکیزوں کو پھاڑ گئے اور پانی ہضم کر گئے جب یہ لوگ پیاسے ہوئے تو واپس اسی تالاب کا رخ کیا۔ لیکن چوہے اور

مینڈک وہاں پہلے پہنچ کر پانی کا صفایا کر چکے تھے۔ پس وہ سب کے سب موت کی لپیٹ میں آ گئے اور ایک بھی نہ بچ سکا۔

(۶) ایک دفعہ منافقوں نے حضور پر اعتراض کیا تھا تو آپ نے انکو بد دعا دی تھی کہ خدا ان کو خون کا عذاب دے چنانچہ ان پہ نکسیر طاری ہوتی اور دانتوں سے خون بہنا شروع ہوا۔ حتیٰ کہ ان کے کھانے اور پینے میں خون کی آمیزش ہو جاتی تھی۔ اور چالیس آدمی چالیس روز تک اس عذاب میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

(۷) ثابت انصاری نے ایک جنگ میں ایک مشرک کو قتل کیا تھا تو اس کی عورت نے منت مانی تھی کہ اگر ثابت مرے گا تو میں اس کے سر کی کھوپری میں شراب پیوں گی۔ چنانچہ جنگِ احد میں ثابت شہید ہو گیا اور مشرک کی عورت بھی مشرکین کے ہمراہ احد میں آئی تھی چنانچہ اس کو اپنے غلام نے خبر دی کہ تیرے شوہر کا قاتل ثابت شہید ہو گیا ہے اس نے ابوسفیان سے درخواست کی کہ میرے غلام کے ساتھ اپنے کچھ آدمی بھیج دے تاکہ ثابت کا سر قلم کر لائیں اور میں اپنی منت پوری کروں ابوسفیان نے کافی آدمی بھیجے۔ جب یہ لوگ قریب پہنچے تو ہوا نے بحکم خدا ثابت کی لاش کو آگے کر دیا جب وہ وہاں پہنچے تو لاش اور آگے ہو گئی۔ جب یہ باز نہ آئے تو خدا نے طوفان کی شکل میں بارش نازل کر دی کہ وہ سب سے سب غرق ہو کر رہ گئے اور اس مشرکہ عورت نے خوشخبری دینے والے غلام کو خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اور اپنی کنیز بھی اس کو انعام میں دے دی تھی۔

۹۔۸۔ قحط سالی اور پیداوار کی کمی کے متعلق ہے حضور نے قوم مضر کے لئے بد دعا کی تھی کہ اے اللہ ان کو قحط میں گرفتار کر چنانچہ ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں جب ان کے ہاں پہنچتی تھیں تو یہ لوگ خرید کر کے گھر لے جانا چاہتے تھے لیکن بقدرت خدا وہ راستہ میں بدبودار اور خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ان کے تمام اموال ختم ہو گئے اور اس قدر تنگ ہوئے کہ مردہ کتوں کو اور قبروں سے مردوں کو نکال کر کھانے پر مجبور ہوئے۔ بلکہ بعض اوقات مائیں اپنے بچوں کو کھا جایا کرتی تھیں۔ پس قریش کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ کو مردوں سے دشمنی ہے لیکن عورتوں بچوں اور حیوانوں کا کیا قصور ہے؟ تو آپ نے فرمایا تم لوگوں پر عذاب خداوندی ہے اور بچوں حیوانوں پہ سزا نہیں ہے۔ خدا ان کو اس کا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے ان کو معاف فرمایا تو دوبارہ وہ خوشحال ہو گئے (ملخص از تفسیر برہان) یہ تھا حضور کے معجزات اور قوم کے عذاب کی حضرت موسےٰ کے معجزات اور اس کی قوم کے عذاب سے مشابہت باقی رہا حضور کے بعد کے واقعات کی حضرت موسےٰ کے بعد کے واقعات سے مشابہت تو وہ تاریخ جاننے والوں کے لئے اظہر من الشمس ہے۔

حضرت موسےٰؑ کی قوم نے بعد میں ا۷ مذاہب بنائے جن میں سے حضرت پیغمبر اسلام کی فرمائش کے ماتحت صرف ایک ناجی اور باقی سب ناری تھے۔ اور امتِ اسلامیہ کے متعلق حضور نے فرمایا اس کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک ناجی ہوگا اور باقی سب کے سب ناری ہوں گے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت موسےٰ کی امت

کا ناجی فرقہ کون تھا اور معیارِ فرقۂ حقہ کیا تھا۔ تو یہ بات واضح ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اس کی امت میں نجات صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو حضرت موسےٰؑ کی شریعت کی پیروی حضرت موسےٰ کی طرف سے متعین جانشین حضرت یوشع بن نون کی ہدایت کے ماتحت کرے ورنہ تمام موسےٰ کے ماننے والے یہی دعوے کرتے ہیں کہ ہم حضرت موسےٰ کی امت ہیں پس ناجی وہی ہوئے جو یوشع کے ساتھ رہ کر توراۃ پر عمل کرتے رہے اور یہی دو چیزیں نجاتِ امت کے لئے حضرت موسےٰ چھوڑ چلے تھے۔ اور اسلام والوں کی ان سے تشبیہ سے مقصد بھی یہی ہے کہ اس امت میں سے بھی وہی نجات پائے گا جو حضرت رسالت مآبؐ کی شریعت کی پیروی حضرت کی طرف سے نامزد جانشین حضرت علیؑ مرتضےٰ کی ہدایت کے ماتحت کرے جس طرح حضرت یوشع کو چھوڑنے والے یہودیوں کے ستر گروہ جہنمی ہوئے اسی طرح حضرت علیؑ کو چھوڑنے والے بہتر گروہ اسلامی بھی جہنمی ہوں گے کیوں کہ حضور نے اپنے بعد امت کی نجات کے لئے دو چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہلبیتؑ جن کا سردار حضرت علیؑ تھا اور حضرت موسےٰ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد ہی یہی ہے کہ جس طرح ان کا جانشین نامزد تھا اور اجماعی نہیں تھا اسی طرح امتِ اسلامیہ کا جانشینِ رسولؐ نامزد ہونا چاہیئے۔ ورنہ تشبیہ ناقص رہے گی۔ تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس بحث کو مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

اور ہم نے وعدہ کیا موسےٰ سے تیس راتوں کا اور ان کو تمام کیا ساتھ دس کے تو پورا ہوا وعدہ اس

رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ

کے رب کا چالیس راتیں اور کہا موسےٰ نے اپنے بھائی ہارون کو کہ تو میرا خلیفہ بن ۔ میری

فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۱۴۲

قوم میں اور اصلاح کرو اور نہ پیچھے چل فسادیوں کے راستہ کے۔

رکوع ۱۷ حضرت موسےٰؑ کا وعدۂ طور۔ وَوٰعَدْنَا ۔ پہلے سے خداوندِ کریم کا موسےٰ سے وعدہ چالیس دن کا تھا لیکن تعبیر اس طرح فرمائی کہ تیس کا وعدہ کیا اور دس ساتھ ملائے کیوں کہ فوراً بعد میں فرماتا ہے کہ پس وعدہ چالیس کا پورا ہو گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وعدہ ہی چالیس کا تھا نہ کہ تیس کا۔ گویا عبادت کا مطلب یوں ہوا کہ ہم نے موسےٰ سے (۳۰+۱۰) تیس جمع دس کا وعدہ کیا تو چالیس پورے ہو گئے۔ اور اس طرح کی تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ اگر شروع سے فرماتا ہم نے چالیس کا وعدہ کیا تھا تو یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ شروع اوّل ماہ سے ہے یا وسط سے یا آخر سے یا کسی اور درمیانی تاریخ سے نیز یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ پے درپے راتوں کا وعدہ ہے یا متفرق طور پر لیکن ۳۰+۱۰ کہہ کر اس امر کو واضح کر دیا کہ پہلے تیس سے مراد ایک مہینہ مکمل ہے یعنی یکم سے آخر تک اور دس دن دوسرے مہینے سے ہیں اور اس طرح کل چالیس دن ہوئے

اور وہ ماہ ذی القعدہ سالم اور ماہ ذوالحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں۔ اگر شروع سے چالیس راتیں فرماتا تو یہ مفہوم ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

فَتَمَّ مِيقَاتُ:۔ یہ جملہ پہلے جملہ کے نتیجے کے طور پر ذکر فرمایا ورنہ اگر یہ جملہ نہ فرماتا تو اَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ یہ معنی ادا کرنے میں ناکافی تھا کیونکہ معنی یہ ہوتا کہ ہم نے ان تیس راتوں کو پورا کیا ساتھ دس کے یعنی ماہ کی دسویں تاریخ سے شروع ہوا۔ اس کے بیس دن گذرے تو ہم نے تیس کی تعداد کو پورا کرنے کے لئے دس اور بڑھا دیئے اور یہ معنی خلاف مقصود تھا۔ پس اس وہم کو دور کرنے کے لئے بطور وضاحت کے ارشاد فرمایا کہ کل وعدہ چالیس کا پورا ہو گیا اور دس دن کا اضافہ تیس کا تتمہ نہیں بلکہ چالیس کا تتمہ تھا اور سورۃ بقرہ میں صاف طور پر فرمایا وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً یعنی ہم نے موسےٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا

نکاتِ علمیہ

۱۔ تمام اور کمال میں فرق یہ ہے کہ تمامیت کسی چیز کے اجزاء ضروریہ کے اکٹھا ہونے کا نام ہے اور کمال تمامیتِ اجزاء کے بعد ایسے جوہرِ خاص کے اضافہ کا نام ہے جس کے بغیر وہ چیز اپنے مقصدِ خاص میں زیادہ مفید نہیں ہو سکتی مثلاً انسان کے اعضاء کا جمع ہونا ہے تمام اور اس میں علم طاقت وغیرہ کا وجود ہے کمال پہلی صورت میں انسان صرف تام کہلاتا ہے یعنی ناقص نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں انسان کامل کہلاتا ہے پھر اس خاص جوہر کی زیادتی کمال کی منازل میں اضافہ کی موجب ہوتی ہے۔

۲۔ اس مقام پر اگر وعدہ پہلے صرف تیس راتوں کا ہوتا تو بعد میں اَتْمَمْنَا نہ ہوتا کہ ہم نے اس کو دس سے تمام کیا کیونکہ اوپر کے دس دن تیس کے اجزاء میں داخل نہیں ہیں تاکہ کہا جائے کہ ہم نے تیس کو دس سے پورا کیا بلکہ وہ دس دن چالیس کا تمام ہیں اور تیس کے لئے کمال ہیں لہٰذا اس صورت میں یوں ہوتا اَكْمَلْنَاهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے تیس کو کامل کیا ساتھ دس کے پس وہ چالیس دن یوں ہو گئے تو یہ تعبیر صاف بتلاتی ہے کہ وعدہ شروع سے چالیس راتوں کا تھا۔ اور تعبیر اس طرح کی گئی کہ ہم نے وعدہ کیا تیس رات کا بضمیمہ دس راتوں کے کہ کل چالیس تھیں اور اس تعبیر کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔

(۳) وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ وقت مطلق زمانہ کو کہا جاتا ہے خواہ اس کی حدبندی کسی امر کے لئے کی گئی ہو یا حدبندی نہ کی گئی ہو۔ اور میقات سے مراد وہ زمانہ ہے جس کی کسی امر کے لئے حدبندی ہو چکی ہو۔ پس وقت کا مفہوم میقات کے مفہوم سے عموم کی نسبت رکھتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى:۔ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام میقات کے لئے کوہِ طور کی طرف جانے لگے تو حضرت ہارون اپنے بھائی کو اپنی امت کا نظام سونپ کر گئے اور فرمایا کہ تم میری خلافت کرنا اور قوم میں اصلاح کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ہارون عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے شریکِ کار تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰؑ نے ان کو خلیفہ کیسے بنایا حالانکہ شریکِ کار خلیفہ نہیں ہوا کرتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت موسےٰ و ہارون دونوں نبی تھے لیکن حق ریاست صرف حضرت موسےٰ کو حاصل تھا اور امت کے قائد صرف حضرت موسےٰ ہی تھے لہٰذا

اپنے بعد نظامِ امت کے برقرار رکھنے کے لئے ان کو اپنا جانشین بنا گئے۔

انوارِ لطیفہ

(۱) نبی کا معنی خبر دینے والا اور امام کا معنی ہے آگے چلنے والا گویا نبوت خبر سنانے کا نام ہے اور امامت مقامِ عمل میں پیشتر و بننے کا نام ہے۔ نبی کا کام ہے خدا سے حکم حاصل کر کے اپنی امت تک پہنچا دے اور امام کا کام ہے مقامِ عمل میں قیادت کی باگ ڈور سنبھالے

(۲) نبوت و امامت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ امام بھی ہو جیسے حضرت ہارون صرف نبی تھے لیکن امت کے قائد و امام حضرت موسےٰ ہی تھے اسی لئے طور پر جاتے ہوئے ہارون کو خلافت دے کر گئے اور ان کو عہدۂ امامت و قیادت تفویض کر کے گئے اگر ہارون پہلے سے امام بھی ہوتے تو خلافت کا معنی ہی فضول ہے اسی طرح حضرت ابراہیم پہلے عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے لیکن حقِ امامت امتحان خصوصی کے بعد عطا ہوا۔ اسی طرح امام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نبی بھی ہو اور نبوت و امامت ایک جگہ جمع بھی ہو سکتی ہے اور تھوڑے نبی ہیں جن کو نبوت کے ساتھ عہدۂ امامت بھی عطا کیا گیا۔

(۳) ایک وقت میں امام صرف ایک ہی ہو سکتا ہے لیکن ایک وقت میں انبیاء متعدد ہوا کرتے ہیں اس لئے کہ اگر امام ایک سے زیادہ ہوں تو نظامِ امت میں ابتری پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن انبیاء بیک وقت زیادہ ہونے میں کوئی خطرہ نہیں

(۴) حضرت موسےٰ کا ہارون کو کہنا وَ اَصۡلِحۡ یعنی اصلاح کرنا صاف بتلاتا ہے کہ حضرت ہارون صرف نبی تھے اور امام نہیں تھے کیوں کہ امام کا کام ہے نظامِ امت کو سنبھالنا اور اصلاحِ امت اس کی ایک اہم کڑی ہے جاتے ہوئے ان کو اصلاح کا عہدہ عطا کرنا بتلاتا ہے کہ اس سے قبل ان کو نظامِ امت میں کوئی دخل نہیں تھا اور وہ صرف تبلیغِ دین میں حضرت موسےٰ کے شریکِ کار تھے اور بس۔

(۵) نبیوں میں سے جو صرف نبی یا رسول تھے ان سے وہ نبی افضل ہیں جو عہدۂ نبوت کے ساتھ ساتھ نظامِ امت کے علمبردار بھی قرار دیئے گئے اور دائرۂ نظامِ امت میں جس قدر وسعت ہوتی ہے نبی کے فضل و کمال اور قدر و قیمت میں اتنی ہی رفعت و عظمت ہوتی ہے۔ چنانچہ تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ کا جملہ انبیاء میں سے بعض کی بعض پر فضیلت پر نصِ صریح ہے اور یہ ظاہر ہے کہ فضیلت کے لئے کوئی معیار ہونا ضروری ہے کیونکہ مثلاً ایک باپ کے دس بیٹے ہوں اور وہ کہے کہ میرے بیٹوں میں فلاں افضل ہے تو اگر افضلیت کا معیار کوئی نہ ہو تو یہ دعوےٰ صرف مہمل سا رہ جاتا ہے کیونکہ بیٹے ہونے میں تو وہ یکساں طور پر اسی باپ کی طرف منسوب ہیں پھر افضلیت کیسی؟ تو بہر صورت کوئی معیار تلاش کرنا پڑے گا کہ جو بھی اس معیار پر فائز ہو وہ افضل ہو۔ اور وہ ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پس عہدہ برآ ہونے والا نہ ہونے والوں سے افضل ہو گا اور بدرجۂ اتم و اکمل اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے والا باقیوں سے افضل ہو گا اور اس کو ہر صاحبِ عقل تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس مقام پر آپ خوب سمجھ پائیں گے کہ نبی سب کے سب

خدا کی طرف سے منصب نبوت پر فائز ہونے میں تو یکساں ہیں لیکن اگر بعض بعض سے افضل ہیں تو اس کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے اور معیار ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونا۔ پس جو نبی صرف اللہ سے احکام حاصل کرنے والے ہوں اور ان پر خود عمل کرنے ہوں ان سے وہ افضل ہیں جو ادھر سے احکام لاتے ہوں اور دوسروں تک پہنچاتے بھی ہوں اور ان میں سے پھر وہ افضل ہیں جو صرف دوسروں کو سنانے پر اقتصار نہ کریں بلکہ ان کے امام و قائدین کر ہر ممکن طریق سے ان کو جادۂ حق پر گامزن کریں دشمنانِ دین کو اپنی قوتِ اجتماعی کے ذریعہ سے اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں میں نظامِ تمدن اور اصلاحِ معاشرت کو برقرار رکھیں اور درمیان میں گڑبڑ پیدا کرنے والوں اور اس سلسلہ میں روڑہ اٹکانے والوں کا بلا لومۃ لائم قلع قمع کرنے میں دریغ نہ کریں اور عدل کے اصولوں کو مخلوق میں مروج کریں۔ اور اس صورت میں دائرۂ نظام میں جس قدر وسعت ہو گی فضیلت میں اتنی ہی بلندی ہو گی۔

پس اس بیان سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نبوت و رسالت کے عہدہ سے امامت کا عہدہ بلند ہے اور نبیوں میں یہی معیارِ فضیلت ہے۔ اہلِ اسلام میں یہ ایک مسلّمامر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ رسولؐ تھے اور خلیل تھے لیکن عہدۂ امامت ان کے پاس نہ تھا پس مخصوص امتحان سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد عہدہ جلیلہ امامت عطا کیا گیا چنانچہ ارشادِ خداوندی ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا پس کسی نبی کی افضلیت کی حد اس کے دائرۂ امامت کی وسعت کے ماتحت متعین ہو گی۔ اور حضرت رسالتمآبؐ کی تمام نبیوں سے افضلیت اسی بناء پر ہے کہ اولاً تو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ جس طرح آپ عہدہ برآ ہوئے اس طرح کوئی دوسرا نبی نہ ہو سکا۔ کیونکہ نظامِ تمدنِ امت اور اصلاحِ معاشرۂ رعیت کے لئے جو عدالتی اصول آپ نے تعلیم فرمائے وہ کسی دوسرے نبی نے نہیں فرمائے۔ اور دینِ خداوندی کی ہمہ گیر مقبولیت کی خاطر جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں اور کسی دوسرے سے نہ ہو سکیں اور اس راہ میں جو مصائب انہوں نے برداشت کئے۔ اور جس پامردی سے آپ نے کوہِ گراں بن کر باطل کے طوفانی سیلابوں کا منہ موڑا۔ وہ تمام نبیوں میں سے صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہ تو ہے ان کا اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونا اور پھر دائرۂ اصلاح و نظام کی وسعت۔ وہ تو صرف خدا ہی جان سکتا ہے۔ گذشتہ نبی قوموں خاندانوں اور علاقوں کے لئے مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ان میں سے بھی بعض کو بعض پر جاہ و مرتبہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل تھی۔ لیکن حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا استثناءِ قوم و ملک ہر سیاہ و سفید کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کا جامع منصوبہ لائے اور جس طرح ان کا ذاتی کردار اسقدر بلند اور وسیع تھا کہ ان کا لایا ہوا اسلامی منصوبہ ان کے وسعت کردار کے سامنے قطرہ بمقابلہ بحرِ ذخار معلوم ہوا یا ذرہ بمقابلہ ریگزار دکھائی دیا۔ حتیٰ کہ زبان احدیت سے نہایت وقیع الفاظ میں اپنی بلند حوصلگی کی ایسی داد لی کہ تمام انبیاء کی نبوتیں اس کے ایک گوشہ میں سمٹتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ارشاد ہو۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ ادھر اپنے کلیم کو مامور تعلیم فرمائے

ہوتے خصوصی طور پر ہدایت فرمائی کہ قُولَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا کہ بوقت تبلیغ نرم لہجہ استعمال کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کرنے کے زیادہ قریب ہو سکے۔ اب ذرا اربابِ دانش ان ہر دو خطابات کا موازنہ فرمائیں۔ اور دقّتِ طلبِ افکار سے ان نبوتوں میں تفاوت مرتبہ کا اندازہ کریں۔

۶۔ چونکہ اصلاح کی تین منزلیں ہیں۔ اصلاحِ نفس ۲۔ اصلاحِ معاشرہ ۳۔ اصلاحِ تمدّن۔ جن کو تدبیرِ نفس تدبیرِ منزل اور تدبیرِ ملک یعنی سیاست مدنیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور انبیاء حسبِ اختلاف مدارج بعض صرف اصلاحِ نفس کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور بعض کو اصلاحِ تمدّن یعنی سیاست۔ مدنیہ کا عہدہ بھی عطا کیا گیا اور یہ درجہ پہلے درجوں سے بلند ہے اور خداوندِ کریم ہر نبی کو اس کے عہدہ کی مناسبت سے قوانین و فرامین بصورتِ وحی یا الہام عطا فرماتا ہے۔ پس حضرت رسالتمآبؐ چونکہ عالمی نبوت اور کلّی امامت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے لہٰذا اصلاحِ نفس اصلاحِ معاشرہ اور سیاستِ عامہ ملکیہ کے جامع اصول و قوانین کا مجموعہ قرآن مجید ان کو عطا ہوا جو تا قیامِ قیامت ناقابلِ تنسیخ و ترمیم ہے پس تمام نبی یکے بعد دیگرے ادھر سے احکام و قوانین حاصل کرتے رہے اور بالآخر حضور خاتم الانبیاء جب کلّی امامت خلق کے متعلق جامع قوانین لا چکے تو عہدۂ نبوّت کی آخری ضرورت پوری ہوگئی اور اس میں مزید کی گنجائش نہ رہی لہٰذا ان کے بعد کسی دوسرے نبی کے بھیجنے کی حاجت ہی نہ رہی۔ بنا بریں حضور نے اس کا اپنی زبان وحی ترجمان سے اعلان فرمایا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور قرآن نے بھی غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں لیکن چونکہ نظام امت کی برقراری اور سیاست مدنیہ وملکیہ کی نگاہداری کی ضرورت تا قیامِ قیامت باقی تھی اس لئے امام کا ہر زمان کے لئے تعیّن ضروری ہے چنانچہ حضور رسالتمآبؐ نے بارہا اپنی امت کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ میرے بعد میری امت کے بارہ امام ہوں گے اور حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدیؑ تک تمام کے نام بھی آپ نے گنوا دیئے۔

۷۔ چونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ انبیاء کی ایک دوسرے سے فضیلت اور برتری کسی معیار کی ممنون ہے اور امامت سلسلۂ معیارِ فضیلت نبوّت کی اہم اور آخری کڑی ہے۔ پس جو نبی کسی نبی سے افضل ہے تو مخصوص ذمہ واری کے نبھانے کے لحاظ سے ہے اور جو نبی عہدۂ امامت رکھتا ہو اگر اس سے کوئی دوسرا افضل نبی موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افضل نبی کے عہدۂ امامت میں اتنی وسعت ہے جو مفضول نبیؑ کے دائرۂ امامت میں نہیں تھی اور حضرت خاتم الانبیاء جو تمام انبیاء سلف کے سرتاج و سلطان ہیں تو وہ اس لئے کہ ان کی امامت وحکومت کا دائرہ حاوی ہے اور ان کے مقابلہ میں کلّی حیثیت کا حامل ہے اب یہاں آکر نبوّت تو اس لئے رُک گئی کہ اس طرف سے جو کچھ آنا تھا وہ آچکا ضروریات انسانیہ خواہ انفرادی رنگ میں ہوں خواہ اجتماع کی صورت میں ہوں کے لئے مناسب و موزوں قوانین و ضوابط پر مشتمل جامع منصوبہ نازل ہو چکا لیکن مخلوقِ خدا کو قیامت تک کے لئے قائد و امام کی ضرورت ہے لہٰذا حضرت خاتم الانبیاء کے

maahlib.org

بعد جو ان کا قائم مقام ہوگا وہ نبی تو نہیں ہوگا ——— کیوں کہ نئے احکام لانے کی ضرورت نہیں پس وہ امام ہوگا۔ اور یہ واضح ہوگیا کہ عالمی نبوّت کے عہدہ دار کے بعد نبوّت کی ضرورت بالکل ختم ہوجاتی ہے کیونکہ نبوّت لانے کا نام ہے اور جب سب کچھ لایا جاچکا ہے تو مزید لانے والے کی کیا ضرورت لہٰذا عالمی نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہو اور کلی رسولؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم المرسلین ہو۔ لیکن امامت کے بعد امام کی ضرورت باقی رہتی ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے۔ اور حضورؐ چونکہ عالمی نبی تھے اور عالمی امام بھی تھے لہٰذا ان کے بعد ان کے قائم مقام امام کی ضرورت ہے جو نظام کلی امت کا کفیل ہوسکتا ہو اور ہر سیاہ و سفید پر کنٹرول کرسکتا ہو اور جن و انس پر یکساں حکومت کا اہل ہو عالمی مسائل جانتا ہو اور عالمی حل طلب امور میں عاجز آنے والا نہ ہو اور ایسی صفات کا حامل اور جامع صفات امامت کلیہ امت محمدیہ میں سرکارِ رسالتؐ کے بعد سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی ہے ہی نہیں چنانچہ تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر جنہوں نے حقیقت کا جائزہ لیا ان کو ماننا پڑا کہ واقعی عالمی امامت کی اہلیت سوائے علیؑ کے اور کسی میں نہیں ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کو مختلف عناوین کے تحت میں خوب واضح کیا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ عالمی امامت کا عہدہ دار سوائے عالمی نبی کے باقی تمام انبیاء سے افضل ہے کیونکہ جس معیار کے ماتحت عالمی نبی باقی انبیاء سے افضل ہے۔ وہ معیار عالمی امام میں بھی موجود ہے۔ پس امت اسلامیہ کی امامت اس کے شایانِ شان ہے جو ما سلف انبیاء سے افضل ہو۔ اور چونکہ انبیاء سب کے سب معصوم ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا حضرت محمد مصطفےٰ کے جانشین کے لئے ضروری ہے کہ معصوم ہو کیونکہ غیر معصوم معصوم سے افضل ہو نہیں سکتا۔

۹۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا اُخْلُفْنِیْ کہ تم میرے خلیفہ ہو اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کو قرآن میں حضرت موسےٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اور حضرت رسالتمآبؐ نے اپنی امت کو بنی اسرائیل سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا کہ تم میں وہی باتیں ظہور پذیر ہوں گی جو سابقہ امتوں میں تھیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت موسےٰ نے اپنے قائم مقام کو نامزد فرمایا تھا تو اسی طرح حضور بھی اپنی امت کا نظام اپنی طرف سے کسی نامزد انسان کے حوالہ کریں گے۔ اگر موسےٰ کی امت نے اجماع سے امام نصب کیا ہوتا تو امتِ اسلامیہ کے لئے بھی اجماع امت حجت ہوتا ورنہ قرآن میں مشابہت کا فیصلہ اور حضورؐ کا دونوں امتوں کے درمیان مشابہت بیان کرنا۔ خلاف واقع ہوجائے گا اور دامنِ توحید و رسالت اس سے اجل ارفع ہے چنانچہ حضور نے یہ بھی صاف صاف فرمایا تھا۔ یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ اِلَّا انہ لا نبی بعدی۔ اے علیؑ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسےٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ تشبیہ کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہارون نبی بھی تھا اور حضرت موسےٰ کی امامت کا ان کے بعد قائم مقام بھی تھا اور میرے بعد چونکہ نبوّت تو ہے نہیں لیکن میرے بعد امام قیامت تک ہوں گے۔ لہٰذا

تو میرے بعد میری امت کا امام ہے۔ جس طرح ہارون موسیٰ کے چلے جانے کے بعد اس کا قائم مقام اور امت کا امام تھا۔ دونوں امتوں کی تشبیہ کے حوالہ جات تفسیر کی دوسری جلد میں دیکھئے ص۱۹۲ تا ط۲۰۰۔

۹. حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا) یہ نہیں فرمایا کہ فسادیوں سے جنگ کرنا بلکہ یہی کچھ فرمایا کہ اپنی حد امکان تک درستی کی کوشش کرنا اگر وہ اصلاح کو قبول نہ کریں اور فساد پر آمادہ ہو جائیں تو تمہارا فریضہ جنگ کرنا نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے ان سے کنارہ کش ہو جانا اور ان کی اتباع نہ کرنا۔ اور یہیں تو تاریخ شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ کے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے گوسالہ کو پوجنا شروع کیا لیکن حضرت موسیٰ کے جانشین حقیقی اور امام وقت حضرت ہارون نے صرف ان کو زبان سے منع فرمایا اور ان کے نہ ماننے کے بعد ان سے کنارہ کشی کر لی اور حضرت موسیٰ کی ناراضگی کے بعد یہی جواب دیا اے ماں جائے مجھے قوم نے ذلیل کیا، اور میری بات کو ماننا تو بجائے خود قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔ آئیے امتِ اسلامیہ کی تاریخ ذرہ چشمِ انصاف سے دیکھئے۔ قرآن کی تشبیہ حرف بحرف صادق آئی اور بفرمانِ نبوی سب کچھ ویسے ہوا جیسا بنی اسرائیل میں ہوا تھا۔ وہاں سامری نے گوسالہ پیش کیا اور سب اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے اور وصی پیغمبر کی نہ کسی نے سننی تھی نہ سنی یہاں بھی بعینہٖ وہی حالت ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد امت نے جس کو آگے کھڑا کر دیا حضرت علیؑ نے اولاً حجت تمام فرمائی جیسا کہ ابن قتیبہ دینوری نے الامامۃ والسیاسۃ میں اس روح فرسا منظر کی خوب نقاب کشائی کی ہے اور جب دیکھا کہ میری نہیں مانتے تو گوشۂ تنہائی میں یکسوئی کی زندگی گذاری۔ اور بوقت طلبِ بیعت جب آپ نے انکار کیا تو امت سے پُر زور اصرار ہوا آپ نے پوچھا اگر میں بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے والے نے تلوار کھینچ کر بلا دریغ کہہ دیا کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ ہم نے واقعہ کی قدرے تفصیل الامامۃ والسیاسۃ کے حوالہ سے مقدمہ تفسیر میں درج کی ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس واقعہ کو یاد کر کے یہی آیت پڑھتے تھے جو حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے جواب میں پڑھی تھی اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ الخ۔

اب کہنا کہ حضرت علی مشکل کشا تھے وہ لڑے کیوں نہیں تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے وقت کیوں نہ لڑے؟ چونکہ وہاں بھی حضرت موسیٰ کی وصیت تھی کہ صرف اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر اصلاح نہ مانیں، تو ان سے جنگ کرنا۔ یہاں حضرت علیؑ کو بھی اسی قسم کی وصیت تھی جس پر آپ کو عمل کرنا تھا نیز امتِ اسلامیہ کی امتِ موسویہ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان میں وہی کچھ ہوگا جو ان میں ہوا تھا۔

پس علیؑ جو لطائف و رموز قرآنیہ کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے وہ کیسے ایسا اقدام کرتے جو مقصدِ قرآنی کے خلاف ہو۔

لِمِيْقَاتِنَا:- میقات اور وقت کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں (ص ۸۶) یہاں یہ کہنا ہے کہ میقات وقت سے اس اعتبار سے عام ہے کہ وقت کا استعمال صرف زمان کے لئے مخصوص ہے لیکن میقات زمان پر بولا جاتا ہے اور مکان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے طرح احرام کے مواقیت ان مقامات کا نام ہے جن سے حاجی بغیر احرام باندھے آگے نہیں گذر سکتا پچھلی آیت میں میقات کا معنی وقتِ مقررہ تھا اور یہاں میقات سے مراد مکانِ مقرر ہے۔

كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ:- حضرت موسےٰ علیہ السلام کا تمام انبیاء سے یہ خصوصی لقب ہے جس سے صرف ان کو نوازا گیا۔ ان کے ساتھ جو کلام ہوا وہ وحی والہام کی قسم سے نہ تھا بلکہ حقیقی معنوں میں تھا جبھی تو ان کو ہی خاص طور پر کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اب وہ کلام درخت سے پیدا کیا گیا یا بادل سے آواز پیدا ہوئی۔ اس کا طے کرنا مشکل ہے اور کلام کے معنی کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد ص۱۳۲ و ص۱۳۳ میں گذر چکی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۴۳)

اور جب آیا موسےٰ ہمارے وعدے کے لئے اور اس سے کلام کیا اس کے رب نے تو عرض کی اے رب مجھے دکھا کہ نظر کروں تیری طرف فرمایا تو ہرگز مجھے نہ دیکھے گا لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ تو تو مجھے دیکھے گا۔ پس جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ اور گرے موسےٰ بیہوش ہو کر جب افاقہ ہوا تو عرض کی تو پاک ہے میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانیوالا ہوں

رَبِّ اَرِنِيْ:- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام باوجودیکہ جانتے تھے کہ خدا کی رویت ناممکن ہے پھر اس قدر بلند مرتبہ پیغمبر نے رویتِ خدا کا سوال کیوں کیا؟

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ حضرت موسےٰ نے اپنے لئے یہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی اکھڑ امت نے سوال کرنے پر آپ کو مجبور کیا تھا چنانچہ پہلے پارہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ انہوں نے صاف کہدیا تھا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھیں پس حضرت موسےٰ کو یہ سوال کرنا پڑا تفصیل تفسیر کی دوسری جلد میں ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اپنی ذات کی علامات میں سے کوئی ایسی نشانی دکھا جس کی وجہ سے مجھے اطمینانِ نفس حاصل ہو جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے باوجود یقینِ کامل کے خدا سے مردہ زندہ کرنے کا سوال کیا تھا۔

خَرَّ مُوْسٰى:- ابن عباس سے مروی ہے کہ عرفہ کے دن بروز خمیس شام کو آپ پر غشی طاری ہوئی اور جمعہ کی شام کو افاقہ ہوا گویا چوبیس گھنٹے اسی حالت میں رہے اور اسی دوران میں ان پر تورات نازل ہوئی اور حضرت موسیٰ

کے ہمراہ جو ستر آدمی گئے تھے وہ سب کے سب جل کر خاکستر ہو گئے

دیدارِ خدا

خداوند کریم نے قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں فیصلہ فرمایا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ یعنی اس کو کوئی آنکھ نہیں پا سکتی اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کر سکتا ہے۔ آنکھ اس چیز کو دیکھ سکتی ہے جو شکل و شباہت رکھتی ہو اور رنگ و لون کا محل ہو۔ اور خدا وہ ہے کہ شکل نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شکل کا خالق ہے۔ اسی طرح شباہت نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شباہت کا خالق ہے۔ نیز رنگ و لون نہ تھا اور وہ تھا اور وہ رنگ و لون کا خالق ہے۔ اگر کسی کی شکل اور صورت میں یا کسی مثال میں آکر دکھائی دے تو وہ ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے یہ سب حادث ہیں اور وہ قدیم ہے۔ فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ نیز دیکھنے کی صورت میں محدود ہو کر دکھائی دے گا اور اگر محدود ہو گا تو محتاج مکان بھی ہو گا۔ اور یہ سب صفتیں مخلوق کی شایانِ شان ہیں نیز کسی وقت محدود اور کسی وقت غیر محدود ہو جانا تغیر کا دوسرا نام ہے اور شانِ الوہیت اس سے اجل و ارفع ہے

ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ مولا! فرمائیے آپ نے کبھی اپنے رب کو دیکھا بھی ہے تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں ایسے پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جس کو دیکھا نہ ہو۔ ہاں ہاں۔ اس کو یہ آنکھیں مشاہدہ سے نہیں دیکھ سکتیں لیکن دل اس کو ایمان کی حقیقت سے دیکھ سکتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔ آنکھوں سے دیکھنا تو بجائے خود۔ خدا وہ ہے جو کسی تصور میں نہیں آسکتا کیوں کہ جو چیز تصور میں آئے گی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے نہ تھی پھر آگئی اور شانِ توحید اس سے بلند و بالا ہے نیز جو بھی ذہن میں آئے گا وہ محدود ہو گا تو جس پر یہ ناقص ذہن حاوی ہو جائے اور وہ اس ناقص ذہن میں سما جائے وہ اتنی لمبی چوڑی مملکت کائنات پر حاوی کس طرح ہو سکتا ہے؟ پس شیعہ اعتقاد یہ ہے کہ خدا نہ آنکھ میں سما سکتا ہے اور نہ ذہن میں آسکتا ہے اور نہ عقل و وہم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نیز نہ عام اشخاص کو نہ علماء کو نہ اولیاء کو نہ آئمہ کو اور نہ انبیاءؑ کو وہ کسی وقت بھی نظر آسکتا ہے۔ نیز نہ وہ کسی کو دنیا میں نظر آسکتا ہے اور نہ قیامت میں کسی کو نظر آسکے گا اور اگر کسی حدیث یا آیت قرآنی میں رویتِ خدا کے معنی کا اشتباہ پڑتا ہو تو واجب التاویل ہے شیعہ مذہب میں خدا کی رویت قطعاً ناممکن ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

رویت کے لئے جہاں مرئی میں چند شرائط کا ہونا ضروری ہے وہاں رائی میں اور رویت میں بھی کچھ شرائط ضروری ہوا کرتی ہیں جن کی وجہ سے دیکھنے والا کچھ دیکھ سکتا ہے اور مرئی چیز دکھائی دے سکتی ہے۔ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا میں وہ اوصاف نہیں جو مرئی میں ہونے چاہئیں اور رویت میں ان کے علاوہ چند باتیں اور بھی ضروری ہیں مثلاً

۱۔ مرئی صرف اس کے جانب مقابل میں ہو اور بس (۲) مرئی لطیف نہ ہو (۳) مرئی دور نہ ہو (۴) مرئی نزدیک تر نہ ہو رویت کی ان شرائط میں سے اگر خدا کو مرئی ٹھہرایا جائے تو رویت کی کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ یہ شرائط اس لئے ضروری ہیں کہ اگر چیز صرف سامنے کی جانب نہ ہو گی تو آنکھ اس کا صحیح احاطہ نہ کر سکے گی اور اگر لطیف ہو گی تو آنکھ کی بصارت

میں اتنی طاقت کہاں کہ لطیف اشیاء کا ادراک کر سکے اسی طرح طاقت بینائی صرف ایک مقدار معین کے فاصلہ تک صحیح کام کر سکتی ہے۔ لہٰذا دور ترین اشیاء بھی اس کے ادراک سے باہر ہیں اور نزدیک تر چیزوں کو بھی وہ نہیں پا سکتی دیکھئے باوجود قریب ہونے کے آنکھ پلکوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ خداوند عالم ایک جہت مخصوصہ میں نہیں نیز لطیفوں میں لطیف تر نزدیکوں میں نزدیک تر اور بعیدوں میں بعید تر ہے۔ پھر یہ آنکھ اس کو کس طرح ادراک کر سکتی ہے؟

اور نظر کا دور رس ہونا یا نہ ہونا طاقت بینائی پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ ہماری طاقت بینائی خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو ہر ہر مقام پر اکثر ٹھوکریں کھا جاتی ہے اور معمولی سے معمولی بات میں لغزش کر جاتی ہے۔ چنانچہ طبائع انسانی پر آنے والے افکار و احوال جس طرح باقی حواس کو کسی حد تک معطل کر دیا کرتے ہیں مثلاً کسی فکر طویل میں کھویا ہوا انسان نزدیک کے ڈھول باجوں کی آوازیں نہیں سن سکتا۔ قریب میں پڑے ہوئے نرگس و گلاب کی تیز تر خوشبو کو اس کے مشام جذب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کھاتے ہوئے عمدہ و لذیذ قسم کے کھانوں کی لذت کا زبان و حلقوم کو احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب باہر کے روح فرسا و ہوش ربا حالات انسان کو باقی حواس سے بیگانہ کر دیتے ہیں تو آنکھیں بھی باقی حواس کی طرح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں بلکہ معمولی تبدیلیٔ خیالات سے انسان بعض اوقات سامنے کھڑے ہوئے شخص کو آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا اور یہ بات روزمرہ کے مشاہدات سے تعلق رکھتی ہے اور ہر ذی شعور اس کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے تو جب ہماری آنکھوں کو دنیاوی تغیرات و انقلابات کے معمولی سے معمولی جھونکے باوجود شرائط رویت کی موجودگی کے ایک جسم مرئی کے ادراک سے روک دیتے ہیں تو یہ انقلاب و تغیر کی کٹھ پتلی آنکھ اس پروردگار کو کیسے دیکھ سکتی ہے جو شرائط رویت سے اجل و اعلیٰ ہے۔

نیز قرب و بعد کے فرق سے چیز کا حجم و جسم آنکھ کے سامنے کم و بیش دکھائی دیتا ہے حالانکہ فی الواقع اس کی جسامت و حجم میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا مثلاً نزدیک میں چیز کا حجم بڑا معلوم ہوتا ہے اور وہی چیز دور چلی جائے تو چھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز زمین پر ایک بڑا مکان دکھائی دیتا ہے جس میں کافی انسانوں کے لئے اٹھنے بیٹھنے بلکہ چلنے پھرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن فضاء آسمانی میں دور چلے جانے کے بعد وہی جہاز نہایت معمولی جسم و حجم کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح گاڑی موٹر بس پر بیٹھے ہوئے انسان کو زمین پیچھے کی طرف سرکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ فی الحقیقت زمین کی بجائے گاڑی یا موٹر ہی آگے کو متحرک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شعلہ ہاتھ میں لے کر گھمانے سے دائرہ معلوم ہوتا ہے اور یہ سب آنکھ کی بینائی کا شاخسانہ ہے اور قوت وہم سے مرعوب ہونے کا نتیجہ ہے کہ شرائط رویت کے باوجود مرئی کے حجم کی حد بندی نہیں ہو سکتی اور ساکن و متحرک میں تمیز مفقود ہو جاتی ہے اور نقطہ اور دائرہ کی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔ نیز مصائب سے گھبرانے یا کسی خطرے کے مقام سے گذرتے ہوئے جب ذہن انسانی خطرات کا تصور کرتا ہے تو سامنے آیا ہوا ایک دشمن اس کو دو دکھائی دیتا ہے۔ دس آدمیوں کے اس کو سو نظر آتے ہیں۔ شب

تاریک میں صرف تصور کے پیش نظر اس کو جن و دیو ایک ڈراونی شکل میں نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت کچھ نہیں ہوا کرتی تو اب اندازہ کیجئے کہ جو آنکھ حالات خارجیہ اور تصورات داخلیہ کی بناء پر وہم سے اس قدر مرعوب ہو جائے کہ معدوم چیز اس کو موجود حقیقت دکھائی دے اور موجود حقیقت اس کو معدوم معلوم ہو۔ بتائیے اس آنکھ سے کیا توقع ہے کہ وہ خالق کائنات لیس کمثلہ شیئ کا ادراک کر سکے گی۔

حاشا و کلا۔ بہر کیف خداوند متعال کی رویت کا عقیدہ رکھنا بالکل باطل اور خلاف حق ہے۔ ہاں جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں۔ صرف اہل بیت نبوت کی دشمنی نے ان کو اس ضد کے محاذ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے ورنہ عقل سلیم قطعاً اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عام مسلمانوں نے عقیدہ جما لیا ہے کہ خداوند کریم قیامت کے روز ہر شخص کو نظر آئے گا اور کرسی عدالت پر بیٹھ کر فیصلہ فرمائے گا اور دنیا میں ہر شخص کو نظر نہیں آسکتا بلکہ خواص کو مثلاً اولیاء اللہ کو نظر آسکتا ہے اور یہ سب کی سب فضول گپیں ہیں۔ ان کا ذکر کرنا فضول کی خامہ فرسائی ہے اور ایسوں کو کچھ سمجھانا بھی تضیع وقت کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الآیہ)

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ
فرمایا اے موسیٰ تحقیق میں نے تم کو چن لیا ہے لوگوں پر ساتھ اپنی رسالت اور اپنی کلام کے
اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ
پس لے جو میں نے عطا کی تجھے اور ہو جا شکر کرنے والا اور لکھا ہم نے اس کے لئے تختیوں میں

بنا بریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت اگر امت کے لئے ہے جیسا کہ پارہ اول میں مذکور ہوا ہے تو خیر لیکن اگر اپنے لئے ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے قرب خداوندی کے منازل میں سے اس منزل پر رسائی کا سوال کیا جو ان کے لئے نہیں تھا اور عشق خداوندی نے ان کو اس سوال کی دعوت دی کہ میں معرفت کی اس حد تک رسائی کر جاؤں کہ ایسا معلوم ہو جس طرح کوئی آدمی کسی کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ پس میرے اور تیرے درمیان سے بعد اور دوری کے حجابات سارے ختم کر دئیے جائیں تو ارشاد ہوا میرے قرب کی وہ منزل حاصل کرنا تیرے بس سے باہر ہے اور تیری طاقت برداشت سے بالا تر ہے۔

الواحِ موسیٰ قَالَ يٰمُوْسٰى:۔ تفسیر صافی میں عیاشی سے جعفر کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ پر الواح تورات نازل فرمائی ہیں جن میں تمام علوم درج تھے جب حضرت موسیٰ کا زمانہ انتہاء کو پہنچا تو حکم پروردگار ہوا کہ الواح کو واپس کر دیجئے۔ چنانچہ وہ تختیاں زبرجد کی تھیں اور بہشت کے پہاڑ زینت سے لی گئی تھیں پس حکم ملنے کے بعد حضرت موسیٰ نے تختیاں اٹھا لیں اور پہاڑ کے دامن میں بحکم خدا پہاڑ شگافتہ ہوا اور حضرت موسیٰ نے وہ تختیاں کپڑے میں لپیٹ کر اس میں رکھ دیں تو وہ شگاف بحکم خدا مل گیا

اور تختیاں اس میں چھپ گئیں۔ جب حضرت رسالت مآبؐ مبعوث ہوئے تو ایک یمنی کا قافلہ خدمتِ نبوی میں شرف یاب ہونے کے لیئے آ رہا تھا کہ اس پہاڑ سے ان کا گذر ہوا۔ پس وہ پہاڑ پھٹا اور تختیاں ظاہر ہو گئیں۔ ان لوگوں نے اٹھا لیں اور حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں ویسے کی ویسے لپٹی ہوئی لے آئے ادھر بذریعہ وحی کے حضورؐ کو بھی اطلاع مل گئی۔ جب وہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو جو چیز ملی ہے وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرمایا مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے انہوں نے فوراً کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے وہ الواح سامنے رکھیں آپ نے ان کو پڑھا پھر حضرت علیؑ کو بلوا کر ان کے حوالے کر دیں اور حکم دیا کہ رات کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو جائیں۔ جب علیؑ رات کو سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور صبح کو اٹھے تو ان کے تمام علوم کے آپ حافظ تھے۔ حضورؐ نے ان کے لکھنے کا حکم دیا چنانچہ حضرت علیؑ نے ان کو اپنی قلم سے لکھ لیا اور اسی کا نام جفر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ جفر ہمارے پاس موجود ہے اور عصائے موسیٰ بھی ہمارے پاس موجود ہے اور ہم ہی تمام انبیاء کے وارث ہیں۔

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا

ہر قسم کی چیز از روئے نصیحت کے اور تفصیل ہر شے کی پس پکڑ اس کو قوت سے اور حکم

بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ

دے اپنی قوم کو کہ پکڑیں اس کی اچھی باتیں عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو گھر

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝١٤٥ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

فاسقوں کا عنقریب پھیر دوں گا میں اپنی آیات سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

زمین میں ناحق اور اگر دیکھیں ہر قسم کی آیت تو نہ ایمان لائیں۔

اقول:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الواح تورات کے علاوہ ہیں جو حضرت موسےٰؑ کو تورات کے علاوہ عطا ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ۔ آیتِ مجیدہ کے معنی میں کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔

۱۔ آیات سے مراد معجزات انبیاء اور باقی ادلہ حقہ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق کی وجہ سے جو مومنوں کے لیئے کرامات و انعامات مقرر ہیں ان سے متکبرین کو محروم کیا جائے گا جو ہدایت کے راستہ پر گامزن نہیں ہوتے اور گمراہی کے راستہ پر چلتے ہیں اور ہر قسم کی براہین و معجزات پر ایمان نہیں لاتے پس انعاماتِ الٰہیہ سے ان کی محرومی کی وجہ تکذیبِ آیاتِ الٰہیہ ہے۔ اس صورت میں ذالِکَ بِاَنَّھُم الخ سَاَصْرِفُ کی تعلیل ہے۔

maablib.org

۲. اپنی آیات کی تکذیب سے متکبر لوگوں کے رخ پھیر دوں گا کہ وہ میری نشانیوں میں اور براہین حقہ میں جرح و قدح کا راستہ نہ پا سکیں گے کیوں کہ میں اپنی آیات کو خوب محکم اور مضبوط کروں گا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے اخلاق کریمانہ کی بدولت اپنے دشمن کے منہ میں لگام دے دی یعنی میں متکبرین کے منہ میں لگام دے دوں گا۔ اس صورت میں ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اپنے قریبی جملوں کی تعلیل ہے یعنی اِنْ يَّرَوْا۔

۳. میری آیات کی تبلیغ کے سامنے جو لوگ از راہ تکبر روڑے اٹکاتے پھرتے ہیں میں ایسے اسباب پیدا کروں گا کہ ان کا ناطقہ بند ہو گا اور خلل اندازی پر قدرت نہ پائیں گے۔ اس صورت میں بھی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کا تعلق اپنے قریبی جملوں کے ساتھ ہے۔

بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ

ساتھ اس کے اور اگر دیکھیں ہدایت کا راستہ تو نہ بنائیں اس کو راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی

يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

کا راستہ تو بنا لیں اس کو راستہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تھے

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ ١٤٦ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

ان سے غافل اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور قیامت

لِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٤٧

کی پیشی کو حبط ہو گئے ان کے اعمال ان کو نہ بدلا دیا جائیگا مگر اس کا جو وہ کرتے تھے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ :- یعنی جو لوگ آیات کی تکذیب اور روز قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال ناقابل جزا ہو نگے کیوں کہ اعمال کی صحت عقائد کی درستی پر موقوف ہے جب ان کے عقائد غلط اور خلاف واقع ہیں تو ان کے اعمال بھی باطل اور رائگاں ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہم نے مقدمہ تفسیر میں ایک مستقل عنوان کے تحت بیان کر دی ہے۔

رکوع ۸ :-

سامری اور گوسالہ

وَاتَّخَذَ [۹۹] :- قصہ یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل فرعونیوں میں جزیہ دے کر زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جب ان کا عید کا دن ہوتا تو انہی سے زیورات عاریۃً لے لیا کرتے تھے جس دن حضرت موسےٰ ؑ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکل جاؤ۔ وہ عید کا دن تھا اور فرعونیوں کے زیورات ان کے پاس موجود تھے جب دریائے نیل عبور کر کے پار ہوئے اور فرعون بمعہ لشکر کے غرق ہوا تو حضرت موسےٰ علیہ السلام وعدہ خداوندی کے ماتحت اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا جانشین بنا کر کوہ طور کی طرف چلے گئے جب تیس دن

گذر گئے پس سامری نے بنی اسرائیل سے فرعونیوں کے زیورات اکٹھے کرکے سونے کو پگھلا کر ایک گوسالہ کا نمونہ بنا دیا کیوں کہ یہ شخص کاریگر تھا۔

مِنْ حُلِيِّهِمْ ۔ محلاً منصوب ہے کیوں کہ اِتَّخَذَ کا مفعول اول ہے اور دوسرا مفعول بلا ہے یعنی اِتَّخَذَ حُلِيَّهُمْ عِجْلًا اور جَسَدًا بدل ہے عِجْلًا سے۔

لَهُ خُوَارٌ ۔ یعنی وہ گائے کے بچہ کی طرح آواز کرتا تھا۔ اس کے آواز کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جبرائیل کے گھوڑے کے سموں کی مٹی سامری نے اپنے پاس محفوظ رکھ لی تھی پس جب سونے سے بچھڑا بنایا تو اس کے منہ میں وہ مٹی ڈال دی پس وہ آواز کرنے لگ گیا سامری غالباً حضرت موسیٰ کی زبانی اس مٹی کی یہ تاثیر سن چکا تھا۔

۲. دوسرا قول یہ ہے کہ اس جسم کے اندر ایسے پرزے اس نے فٹ کئے تھے کہ وہ ہوا کو جذب کرتے تھے یعنی نالی کی قسم کے کھوکھلے تھے پس جب اس کو ہوا کے رُخ پر رکھا جاتا تھا تو ہوا کی وجہ سے اس میں مخصوص آواز پیدا ہوتی تھی۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا
اور بنایا قوم موسٰے نے اس کے بعد ان کے زیوروں سے بچھڑا ایک جسم جس کے لئے آواز
جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ
تھی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کے ساتھ نہ بات کرتا ہے اور نہ ان کو ہدایت کرتا
سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴۸
ہے راستہ کی . بنایا اس کو اور وہ تھے ظالم .

۳. ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک مخصوص جگہ اس کو نصب کر دیا تھا اور اس کے پیچھے ایک آدمی کو چھپا کر بٹھا دیتا جو بچھڑے کی طرح اس میں منہ رکھ کر آواز کرتا تھا اور بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ بچھڑا ہی بول رہا ہے۔ بہرکیف جو صورت تھی قرآن شہادت دے رہا ہے کہ اس بچھڑے سے آواز آتی تھی لہٰذا آواز کا آنا تو یقینی ہے خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔

چونکہ بنی اسرائیل نے دریا پار ہونے کے بعد جب ایک بت پرست قوم کو دیکھا تھا تو حضرت موسیٰ سے بھی التجا کی تھی کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح ایک خدا بنائیے جس طرح ان لوگوں کا ہے تو آپ نے ان کو جاہل کہہ کر ڈانٹ دیا تھا لیکن ان کی خواہشِ دیرینہ ختم تو نہیں ہوئی تھی صرف مرعوب ہو کر چپ تھے ادھر سامری کو موقعہ ہاتھ آیا اور ان کے سابقہ احساسات کا اس کو خوب پتہ تھا۔ پس ایک جسم بنا ڈالا اور اس سے آواز پیدا کرکے ان کو اس کا متوالا بنا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سونے کا جسم رہا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ گوشت و خون بن گیا تھا۔ خدا معلوم جو بھی ہو سادہ لوح بنی اسرائیل کی فریب دہی کے لئے وہ بہت کافی تھا پس انہوں نے فریب خوردہ ہو کر اس کی پوجا شروع کر دی

سامری ایک ہوشیار وچالاک آدمی تھا۔ بات کرنے کا اس کو خوب ڈھنگ تھا اور پوری قوم پر اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اس نے سکہ جمایا ہوا تھا اور لوگ اس کی مانتے تھے۔ جب حضرت موسےٰ کو تیس دن کوہ طور پر گئے ہوئے گذر گئے تو اس نے اپنی تحریک کو مقبول بنانے کے لئے اور اس کا راستہ ہموار کرنے کے لئے پہلے تو یہ مشہور کر دیا کہ حضرت موسےٰ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں لہٰذا ان کی واپسی کی انتظار فضول ہے جب بنی اسرائیل کی طبائع میں یہ انتشار ڈالا تو فوراً بچھڑا بنا کر ان کو اس کی عبادت کی دعوت دے دی اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس کی اطاعت کر لی۔

حضرت ہارون انکو لاکھ سمجھاتے بجھاتے رہے اور بت پرستی کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کرتے رہے۔ بہر کیف عہدہ تبلیغ جو کچھ اور جس حد تک ان پر عائد تھا۔ اس کے ماتحت انہوں نے کمی نہ کی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اکثریت نے ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ البتہ کچھ آدمی غیر جانبدار ہو گئے اور بہت ہی کم مقدار تھی جو حضرت ہارون کی بات مان گئے اور گوسالہ پرستوں سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا
اور جب ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور سمجھا کہ ہم گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے اگر نہ رحم
لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۱۴۹)
کرے ہمارا رب اور نہ بخشے ہمیں تو ہم ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں

ادھر کوہ طور پر خداوند کریم نے سامری کا کرتوت اور قوم کی گوسالہ پرستی کا ڈھونگ حضرت موسےٰ پر واضح فرما دیا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ
یہ ایک محاورہ ہے جو انتہائی قلق واضطراب کو ظاہر کرتا ہے۔ جب ان کے ہاتھ سے نکل گئی یعنی انتہائی مضطرب ہوئے اور یہ اس وقت جب حضرت موسےٰ نے واپس آکر ان کو سرزنش کی اور گوسالہ کو آگ میں جلا دیا۔ (برہان)

امت اسلامیہ کی امت موسویہ سے تشبیہ جس کا لسان قرآن اور زبان پیغمبرؐ نے اپنی امت پر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا ہے۔ غالباً تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والے اس لحاظ سے ہر دو امتوں میں سر مو فرق نہیں نکال سکتے اور حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا تھا کہ جو کچھ وہاں ہوا تھا وہ سب کچھ تم میں ہو گا۔ اور دونوں امتوں کے درمیان مکمل تشبیہ کی مثال دے دی کہ فرمایا حذو النعل بالنعل۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید صرف سابقہ انبیاء کے قصوں کو ہی دہراتا ہے اور قرآن حکیم کو صرف قصہ خوانی کی کتاب کی حیثیت دے رکھی ہے لیکن اگر دور رس نگاہوں سے اس حکیمانہ طرز بیان پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو سلیم الطبع انسان صحیح نتیجہ تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے اور وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ صرف قصہ ہی قصہ نہیں بلکہ موجودہ امت کے لئے درس آموز اور نصیحت آمیز بیان ہے تاکہ یہ لوگ اس قسم کی غلط کاریوں میں مبتلا نہ ہوں جن کا خمیازہ سابقہ امتوں کو بھگتنا پڑا تھا۔ اور قرآن مجید نے رسالتمآبؐ کی آمد کو حضرت موسےٰ کی آمد کے

ساتھ تنبیہہ دے دی تاکہ امتِ اسلامیہ کے کان کھلیں اور پھر پیغمبرؐ کی زبانِ وحی ترجمان نے اس کی پوری وضاحت فرمادی تاکہ کند سے کند ترین افرادِ امت بھی منشاء خداوندی کے سمجھنے میں پیچھے نہ رہیں۔ لیکن جاہ طلبی اور اقتدار کی پیاس نے ان سب باتوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور کیا نہ اثر لینا تھا اور نہ لیا اور سب کچھ ویسا ہی کر دکھایا جو حضرت موسےٰ کی امت نے کیا تھا لہٰذا قرآنِ مجید کی آیات کا ظاہر اگرچہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان کے مصداقِ ظاہری تھے لیکن انہی آیات کا باطن اور تاویل تا قیامت ان لوگوں کے حق میں ہے۔ جو ان جیسے اعمال و کردار کا مظہر بنیں گے۔ اور حضور کا واضح فرمان یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الخ اگر سوچا سمجھا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی حیثیت موسےٰ کی تھی اور علیؑ کی حیثیت ہارون کی تھی۔ وہاں حضرت موسےٰ کی وصیت تھی کہ میرا بھائی ہارون میرا خلیفہ ہے۔ اس کی اطاعت کرنا۔ یہاں بارہا حضورؐ نے ببانگِ دہل ارشاد فرمایا کہ علیؑ میرے بعد میرا خلیفہ ہے اس کی اطاعت کرنا وہاں ہارون کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے ہارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں حضرت علیؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا وہاں ہارون کو شکایت تھی کہ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ کہ تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا تھا اور میرے قتل کے درپے تھی ۲ وہاں حضرت موسےٰ کے چلے جانے کے بعد لوگوں کی اکثریت دین چھوڑ کر مرتد ہو گئی تھی اور یہاں بھی ارتداد کی کوئی کمی نہیں۔ تھوڑے سے تھے جو دینِ خدا پر ثابت قدم رہے ورنہ اکثریت کا دین صرف اقتدار ہی اقتدار تھا چنانچہ حدیث حوض جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے اٹھیے

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ

اور جب پلٹے (حضرت) موسےٰ طرف اپنی قوم کے غصہ میں افسوس کرتے ہوئے فرمایا برا کیا ہے تم نے

مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ

میرے بعد کیا سبقت کی تم نے اپنے رب کے امر سے اور پھینکا تختیوں کو اور پکڑا سر اپنے بھائی کا کہ

بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ۗ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ

اسے کھینچا اپنی طرف اس نے کہا ماں جائے! تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ

مجھے مار ڈالیں۔ پس نہ خوش کر میرے ساتھ دشمنوں کو اور نہ قرار دے مجھے ساتھ ظالم

وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

لوگوں کے کہا اے رب بخش مجھے اور میرے

وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱

بھائی کو اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما کہ تو ارحم الراحمین ہے

۲ یہاں حضرت علیؑ کو شکایت ہے کہ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ یعنی تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور میرے قتل کے درپے تھی۔

فرمایا میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا، بہت سے لوگ جن کو میں جانتا ہوں گا، میرے سامنے حوض سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں۔ پس ندا آئے گی آپ کو پتہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کونسے کرتوت کئے ہیں یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہوگئے تھے اور پچھلے قدم دین سے پھر گئے تھے ہم نے مقدمہ تفسیر میں حدیثیں من وعن باحوالہ نقل کر دی ہیں اگر طبیعت میں انصاف ہو تو حق سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں لیکن اگر تعصب وعناد طبیعت ثانیہ بن چکی ہو تو دلائل تو بجائے خود چشمِ بد پر معجزات بھی کارگر نہیں ہو سکتے

أَعَجِلْتُمْ: یعنی حضرت موسیٰ نے واپس آکر فرمایا کہ تم لوگوں نے وعدہ خداوندی کے پورا ہونے کی انتظار بھی نہ کی اور میرے چلے جانے کے بعد فوراً گوسالہ پرستی کا بنیاد ین کھڑا کر لیا۔ اور رنج وغصہ طبیعت میں اس قدر آیا کہ آتے ہی الواح کو الگ پھینک دیا اور حضرت ہارون کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ علمائے اعلام نے حضرت موسیٰ کے اس فعل کی چند توجیہات کی ہیں۔

(۱) جس طرح انسان فرطِ غم میں آکر حیرت وعجب میں گرفتار ہو کر اپنی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتا ہے اسی طرح ان کی بت پرستی سے اس قدر سخت متاثر ہوئے کہ اپنے فرطِ غم اور شدت حزن وملال کا اظہار متفکرانہ انداز سے اس صورت میں کیا کہ حضرت ہارون کی داڑھی پکڑلی اور حضرت ہارون یہ سمجھے کہ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں فوراً عرض کی حضور اس میں میرا قصور کوئی نہیں ہے یہ لوگ مجھے کمزور سمجھ کر مجھے مارنے پر تلے ہوئے تھے تب حضرت موسیٰ نے فوراً دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں ہم کو جگہ دے۔

(۲) حضرت ہارون کو اپنی طرف بوجہ ناراضگی کے نہیں بلکہ حقیقت حال کے معلوم کرنے کے لئے کھینچا تھا۔

(۳) حضرت موسیٰ واپس آئے تو جو تکلیف ان کے دل کو ہوئی تھی اور جو اضطراب وقلق انکو تھا دیکھا کہ حضرت ہارون بھی اپنے مقام پر اسی دردِ دل اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی قوم کے ارتداد اور بے دینی کا ویسا ہی احساس ہے لہذا آکر ہارون کو گلے لگانے کے لئے اور درد وغم کم کرنے کی خاطر ان کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور حضرت ہارون نے سمجھا کہ شائد جہال یہ جانیں گے کہ حضرت موسیٰ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ لہذا فوراً عرض کر دی کہ میں اس معاملہ میں اپنی حجت تمام کر چکا ہوں اور خود بے قصور ہوں تو حضرت موسیٰ نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون دونوں کے لئے دست بدعا ہو کر اپنے عمل سے واضح فرمادیا کہ ہارون کو میرا اپنی جانب کھینچنا توہین کے لئے نہیں تھا بلکہ پیار ومحبت کے لئے تھا۔

فَلَا تُشْمِتْ: شماتت سے ہے اور اس کا معنی ہے کسی کی مصیبت یا تکلیف پر خوش ہونا۔ اور ایک حدیث میں حضرت جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اپنے برادر ایمانی پر شماتت نہ کرو یعنی اس کی مصیبت پر خوش نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خدا اس پر رحم کرکے اس کو معاف کر دے اور تجھے گرفتار کرے اور فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے برادر ایمانی کی مصیبت کو دیکھ کر خوش ہو تو دنیا سے نہیں جائے گا، جب تک کہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو گا (اصول کافی صفحہ ۳۶ باب الشماتتہ)

رکوع ۹ إِنَّ الَّذِينَ ۔ تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو عبد بھی اپنے ایمان کو چالیس دن تک اللہ کے لئے خالص رکھے یا جو عبد بھی چالیس دن تک اللہ کے ذکر کی مدت مقرر کرے خدا اس کو دنیا سے بے نیاز کر دے گا اور اس پر اس کے نفس کی بیماری اور علاج واضح فرما دے گا اور اس کے دل میں حکمت کو جگہ دے گا اور زبان پر حکمت کو جاری کرے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا۔ کوئی صاحب بدعت نہ دیکھو گے مگر یہ کہ وہ ذلیل ہوگا اور اللہ و رسولؐ و اہلبیتؑ پر کوئی افترا باندھنے والا نہ پاؤ گے مگر رسوا و خوار۔

سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ ۔ حضرت موسیٰ کی قوم جنہوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان کو قتل کی سزا دی گئی جس طرح کہ تفسیر کی جلد دوسری میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ لیکن اس مقام پر فعل مستقبل کا استعمال ان لوگوں کی تنبیہ اور تہدید کے لئے معلوم ہوتا ہے جو امت موسیٰؑ کی غلط کاریوں کو اپنانے والی تھی تاکہ قبل از وقت ان کو خواب غفلت سے جگا کر حجت تمام کر دی جائے اور قرآن مجید میں اس واقعہ پر پر زور سرزنش اور متعدد بار اس کا نہایت اہمیت کے ساتھ تذکرہ قرآن کے ماننے والوں (یعنی اہل اسلام) کی متوقع خرابیوں سے بچانے کے لئے تازیانہ عبرت کی حیثیت سے ہے ورنہ اگر

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ
تحقیق جنہوں نے بنایا بچھڑے کو (خدا) پہنچے گا ان کو غضب اپنے رب کا اور خواری
ذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَ
زندگی دنیا میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے افترا کرنے والوں کو اور
الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ
جنہوں نے عمل برے کیئے پھر توبہ کی بعد اس کے اور ایمان لائے تحقیق
رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى
تیرا رب اس کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہے اور جب ختم ہوا موسیٰ کا غصہ
الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ
پکڑا تختیوں کو اور اس کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے
لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾
پروردگار سے ڈرتے ہیں۔

صرف قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا اولاً تو شان حکیمانہ کے خلاف ہے۔ ثانیاً ایک ہی مرتبہ سنا دینا کافی تھا یہ بار بار کی دہرائی صرف مسلمانوں کو ہوشیار و بیدار کرنے کے لئے ہے کہ مبادا یہ لوگ مبتلا ہو جائیں لیکن مسلمانوں نے ہوس اقتدار

ہیں اگر خدا اور رسولؐ کی ایک نہ سنی اور اپنی من مانی کرتے رہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا: گنہگار امت کی تسلی کے لئے ہے کہ اگر غلطی ہو جائے لیکن بعد میں انسان توبہ کرے تو خداوند کریم اس کو بخش دیتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسالتمآبؐ کے خصوصی اصحاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان، مقداد اور ابوذر کا نام لیا۔ راوی نے عمار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ بھی اچھا تھا لیکن ابتداءً یہ بھی پھسلنے والوں میں سے تھا اور بعد میں سنبھلا تھا۔ بہرصورت معصوم کا ارشاد ہے گناہ سے توبہ کرنے والا انجام کے لحاظ سے گناہ نہ کرنے والے جیسا ہے۔ (کافی)

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ

اور چنے موسےٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ گاہ کے لئے تو جب پکڑا ان کو زلزلہ

الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا

نے کہا موسےٰ نے اے رب اگر تو چاہتا تو ان کو مار دیتا پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہمیں ہلاک

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ

کرتا ہے بوجہ فعل بے وقوفوں کے ہم سے۔ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے

تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے تو ہی ہمارا ولی ہے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۱۵۵

کر اور تو بہتر بخشنے والا ہے

حقِ انتخاب

وَاخْتَارَ مُوْسٰى: تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ مروی ہے معصومؑ سے دریافت کیا گیا حضور فرمائیے لوگوں کو اپنے امام کے انتخاب کا اختیار کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا تیرا سوال سمجھنے کے لئے ہے یا بحث کے لئے؟ تو اس نے عرض کی حضور میرا سوال سمجھنے کے لئے ہے۔ پس آپ نے فرمایا جب ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان دوسرے کے دل کی بات نہیں جان سکتا کہ اس میں اچھائی ہے یا برائی تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ مل کر ایک فسادی اور برے آدمی کو چن بیٹھیں؟ راوی نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسی وجہ سے خدا نے امام کے انتخاب کا حق ان کو نہیں دیا۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں ایک ایسی دلیل پیش کرتا ہوں کہ تیرا عقل مان جائے مجھے یہ بتاؤ کہ خدا نے جو رسول چنے ہیں اور ان پر کتابیں بھی اتاریں اور ان کو زیور عصمت سے آراستہ بھی کیا جیسے حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تو باوجود کمال عقل و فہم کے کیا ہو سکتا ہے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ایک شخص کو مومن سمجھ کر انتخاب کر بیٹھیں اور وہ درحقیقت منافق ہو؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں آپ نے

maablib.org

فرمایا سوچ کر بتاؤ حضرت موسےؑ نے باوجود کمال عقل و فہم کے اپنی قوم میں چیدہ ستر آدمی انتخاب کئے جن کے ایمان میں ان کو ذرہ بھر بھی شک نہیں تھا لیکن درحقیقت وہ منافق تھے. چنانچہ قرآن مجید حکایت کرتا ہے حضرت موسےؑ نے ستر آدمیوں کو چنا اور یہی وہ تھے کہ ان کے ظلم و انکار کی وجہ سے ان پر صاعقہ نازل ہوا اور مر گئے. آپ نے فرمایا جب ہم نے دیکھا کہ ایک نبی مصطفےٰ کا انتخاب غلط ہو سکتا ہے اور وہ مومن کے خیال سے فسادی کا انتخاب کر بیٹھتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ انتخاب کا حق صرف اسی ایک ذات کے لئے ہے جو دلوں اور سینوں کے رازوں کو جاننے والی ہے. اس وضاحت کے بعد جب نبی کا انتخاب نیک سمجھتے ہوئے بد پر ہو سکتا ہے تو پھر مہاجرین و انصار کے انتخاب کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے.

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ

اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں تحقیق ہم جھک گئے تیری طرف

اِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ

فرمایا اپنا عذاب دیتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت وسیع ہے ہر

كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

شے سے پس اس کو لکھوں گا ان کے لئے جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۵۶

پر ایمان رکھتے ہیں.

اِنْ هِيَ اِلَّا (صلنا) جب خداوند کریم نے حضرت موسےؑ کو قوم کی گوسالہ پرستی کی خبر دی اور موسےؑ نے پوچھا کہ گوسالہ تو سامری نے بنایا لیکن بولنے کی طاقت کس نے دی تو ارشاد ہوا وہ میں نے دی ہے پس موسےؑ نے عرض کی میرے پروردگار بس تیری یہ آزمائش ہے اسی کے ذریعے سے پاس ہونے والے کو راہ راست ملے گا اور فیل ہونے والا گمراہی کی پرخطر وادی میں جا گرے گا چونکہ اسباب اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں ورنہ انسان کا ہدایت یا گمراہی کو اختیار کرنا اس کے اپنے اختیار کی بات ہوا کرتی ہے. اسی وجہ سے ضلالت و ہدایت دونوں کو ذات اقدس الٰہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اگر خدا کی طرف سے آزمائش کا قصہ نہ ہوتا مثلاً گوسالہ میں بولنے کی طاقت نہ پیدا کرتا تو کیوں کوئی اس کو پوجتا اور وہ بھی چاہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر جو ایمان لائے وہ مقبول ہے اندھا دھند ایمان لانا -- اس کو بھی پسند نہیں اسی لئے ایسے اسباب و حالات پیدا کرتا ہے کہ کوئی ایمان لائے تو سوچ سمجھ کر اور کوئی گمراہ ہو تو بھی سوچ سمجھ کر جس طرح فرمایا. اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا. یعنی ہم نے انسان کو راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گزار ہو یا کافر ہو اور مسئلہ جبر و اختیار پر سیر حاصل تبصرہ ہم تفسیر کی دوسری جلد میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

کی تفسیر میں گزر چکے ہیں

عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل زلزلہ کے عذاب میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے حضرت موسےٰ پر حضرت ہارون کے قتل کا الزام لگایا تھا۔ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون اور حضرت ہارون کے دونوں فرزند شبرؔ اور شبیرؔ پہاڑ کی طرف گئے اور دامن کوہ میں حضرت ہارون سو گئے اور خدا نے ان پر موت نازل کر دی۔ پس حضرت موسےٰ ان کو دفن کر کے واپس آگئے تو بنی اسرائیل نے پوچھا ہارون کہاں گئے؟ تو آپ نے جواب دیا وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں۔ بلکہ چونکہ حضرت ہارون نہایت خلیق اور ملنسار انسان تھے اور ہمیں ان کے ساتھ کافی وابستگی تھی اس لئے آپ نے حسد کیا ہے اور ان کو قتل کر دیا ہے چنانچہ حضرت ہارون کی قبر پر موسےٰ ان کو ساتھ لائے۔ اور حضرت ہارون سے خطاب کر کے فرمایا بتائیے تجھے قتل کیا گیا ہے یا اپنی موت سے مرا ہے، حضرت ہارون نے قبر کے اندر سے جواب دیا میں اپنی موت مرا ہوں مجھے کسی نے قتل نہیں کیا۔ پس موسےٰ پر اس الزام لگانے کی وجہ سے مورد عذاب خداوندی ہوئے اور صاعقہ یا رجفہ سے جل کر خاکستر ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ چونکہ حضرت موسےٰ

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ

جو لوگ اتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی امی ہے جس کو وہ پاتے ہیں

مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم

مکتوب اپنے ہاں توارت اور انجیل میں ان کو حکم دیتا ہے نیکی

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ

کا اور روکتا ہے برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا

يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ

ہے ان پر خبیث چیزیں اور دور کرتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور طوق جو ان پر ہیں

الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَ

پس جو لوگ ایمان لاتے اس پر اس کی تعظیم کی اور نصرت کی اور اتباع کی اس

نَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ

نور کی جو اتارا گیا ساتھ اس کے وہی لوگ ہیں فلاح پانے

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ع

والے

کے وزراء تھے اور ظاہر میں اطاعت گذار اور فرمانبردار اور نیکی کی طرف بڑھنے والے تھے اس لئے دعا کی اور ان کے سئے روئے تو خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا کیونکہ اس کی رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔ مسلم و کافر ہر ایک پر دنیا میں رحمت کرتا ہے لیکن بروزِ قیامت اس کی رحمت مومنوں کیساتھ مختص ہو گی اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی فرد مونین دونوں نے آباد ہو کر رہنا ہے اور خدا کی نعمات مومنوں کی وجہ سے کافروں پر نازل ہوتی ہیں گویا دنیا میں کفار مومنین کی وجہ سے نعمات پاتے ہیں لیکن بروزِ قیامت مومن تو چلے جائیں گے جنت میں لہٰذا کافر اس کی رحمت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے ایک شخص کے ہاتھ میں چراغ ہو اور دوسرا شخص بھی اس کی روشنی میں چل رہا ہو تو جب تک ان کا سفر مشترک ہو گا دونوں روشنی میں رہیں گے لیکن جہاں سے سفر الگ الگ ہو گا چراغ والا چراغ لے کر چلا جائے گا اور دوسرا اندھیرے ہی میں رہے گا پس خدا کی رحمت کا بروزِ محشر مومنوں سے مختص ہونے کا یہی مطلب ہے (واللہ اعلم)

اَلْاُمِّیِّ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے چونکہ آپ اُمّ القُریٰ یعنی مکہ میں پیدا ہوئے اس لئے ان کو امی کہا گیا ہے اور تفسیر صافی میں امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ ۷۲ یا ۷۳ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے اور یہ عدد صرف کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہے ورنہ آپ چونکہ عالمی رسول تھے اس لئے وہ عالمی زبانوں پر حاوی تھے اور اسی طرح ان کے جانشین بھی عالمی زبانیں جانتے تھے۔ کیونکہ وہ عالمین کے ہادی تھے۔

یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا۔ گویا ان اہلِ کتاب کی تعریف ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی کتب میں حضورؐ کی اوصاف پڑھ کر آپ کی اتباع کی چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی حضور کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آپ کی تمام اوصاف تورات میں دیکھی ہیں کہ مکہ میں ولادت ہو گی۔ مدینہ میں ہجرت ہو گی نہ بدگو نہ سخت مزاج نہ اونچا بولنے والا اور نہ بے ہودہ کلام کرنے والا ہو گا پس اس نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ اور تمام کتب سماویہ سابقہ میں حضرت رسالتمآبؐ کی بشارت درج تھی اور انبیاء کو حضورؐ کے متعلق بالخصوص وصیت کی گئی تھی۔

چنانچہ مجمع البیان سے مروی ہے۔ تورات کے سفر خامس میں اس طرح ارشاد ہے۔ ان کی برادری میں سے ان میں ایک نبی بھیجوں گا اور میں اپنی کلام اس کی زبان میں رکھوں گا پس وہ وہی کچھ کہے گا جو میں اس کو وصیت کروں گا۔ اور نیز اسی میں مکتوب ہے کہ کنیز کے فرزند (اسمٰعیل) پر میں نے بڑی برکت نازل کی اور اس کی پشت سے بارہ عظیم الشان شخصیتیں پیدا ہوں گی جو بڑی امت کے لئے آخر میں رہبری کریں گے۔

انجیل میں حضورؐ کی بشارت درج ہے اور اس میں آپ کو فارقلیط کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے چنانچہ ایک مقام پر حضرت مسیحؑ کا کہنا ہے کہ میں جا رہا ہوں اور تمہارے پاس اب فارقلیط آئے گا اور وہ روحِ حق ہو گا جو اپنی مرضی سے بات نہ کرے گا اور وہ تمہارا نذیر ہو گا الخ۔ فارقلیط یونانی زبان ہے اس کا معنی ہے ایسا شخص جس کی لوگ تعریف کریں اور اس

کی حمد بیان کریں یعنی یونانی میں فارقلیط کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں لفظ محمدؐ کا ہے۔

اَلطَّیِّبٰتُ :- طیبات کا معنی پاکیزہ چیزیں اور خبائث کا معنی ناپاک اور مکروہ الطبع چیزیں اور ان کا مفصل بیان پانچویں جلد تفسیر میں ہو چکا ہے۔

اِصْرَهُمْ :- اِصر کا معنی ہے بوجھ جس طرح بنی اسرائیل اگر گناہ کرتے تھے تو ان کو اس کی مناسب سزا دی جاتی تھی اور اسلام والوں پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اگر گناہ کریں تو ان کے لئے توبہ کی گنجائش ہے اور توبہ سے اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بوجھ ساقط ہو گیا جو بنی اسرائیل پر تھا۔

وَالْاَغْلٰلَ :- جمع غِل کی ہے جس کا معنی ہے طوق گردن یعنی جو عہود و مواثیق ان کی گردنوں میں پہلے سے پڑے ہوئے تھے حضرت رسالتمآبؐ نے ان سے وہ اٹھا دیئے مثلاً سابقہ شرائع میں نجس جگہ کو کتر دیا جاتا تھا اور اب دھونا کافی ہے۔ یوم سنیچر کا شکار حرام تھا۔ اب حلال ہے۔ ان پر چربی حلال جانوروں کی بھی حرام تھی لیکن اب حلال ہے قتل کے بدلہ میں وہاں صرف قصاص تھا دیت نہ تھی۔ لیکن اب دیت بھی بدلا ہو سکتی ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس یعنی دینِ اسلام سابقہ ادیان کے مقابلہ میں آسان اور سہل دین ہے۔

وَالنُّوْرَ الَّذِیْ :- صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جگہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہے۔ اور بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد اس جگہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ ہیں اور مجمع البیان میں مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے فرمایا تھا مخلوق میں سے بہترین ایمان کس کا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ملائکہ کا تو آپ نے فرمایا ملائکہ اپنے پروردگار کے جوار قدس میں موجود ہیں وہ کیسے ایمان نہ لائیں۔ یعنی ان کا ایمان لانا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے تو صحابہ نے عرض کی کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا ایمان بہترین ایمان ہے تو آپ نے فرمایا کہ انبیاءؑ کو جب خداوند کریم کی جانب سے وحی کا شرف حاصل ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خدا سے وحی ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں۔ پس صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہمارا ایمان افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب محمد جیسا رسولؐ تم میں موجود ہے تو تمہارے ایمان لانے میں کیا کمال ہے بلکہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے جو کتابوں میں لکھا ہوا پائیں گے اور دیکھے بغیر ایمان لائیں گے۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔

رکوع ۱۰

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ :- تفسیر برہان میں امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کی کہ کیا آپ رسالت کا دعوے کرتے ہیں اور یہ کہ آپ پر بھی حضرت موسےٰ کی طرح وحی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ

میں اولادِ آدم کا سید و سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین اور امام المتقین اور عالمین کے پروردگار کا رسول ہوں وہ کہنے لگے یہ بتا دیجئے آپ عربوں پر مبعوث ہوئے یا عجموں کی طرف بھیجے گئے ہیں یا ہم لوگوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

وَكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے مراد ہے سابقہ کتابیں اور وحی اور قرآن وغیرہ۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔ تفسیر برہان میں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے راس الجالوت سے قسمیہ دریافت کیا کہ بتاؤ حضرت موسے کے بعد ان کی امت کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئی تو اس نے کہدیا صرف ایک فرقہ تو آپ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو خدائے واحد کی قسم حضرت موسے کی امت اکہتر ۷۱ جماعتوں پر تقسیم ہوئی باقی سب جہنم میں جائیں گے صرف ایک جنت میں جائے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت قائم آلِ محمد ظہور فرمائیں گے تو حضرت موسے علیہ السلام کی امت میں سے اس آیت کے مصداق آپ کے ہمراہ ہوں گے نیز اصحاب کہف اور یوشع بن نون وصی موسے ؑ مومن آلِ فرعون سلمان پاک۔ ابو دجانہ انصاری اور مالک اشتر بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِىْ

کہہ دیجئے اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف وہ اللہ جس کے لئے ہے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ

ملک آسمان و زمین کا نہیں کوئی معبود مگر وہی جو جلاتا اور مارتا ہے پس ایمان

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر جو ایمان رکھتا ہے اس کے کلمات پر اور اس

وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى

کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ اور موسے کی قوم

اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَ

میں سے ایک گروہ ہے جو دعوت حق دیتا اور اسی کے ماتحت فیصلے کرتا ہے۔ اور

قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ

ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا بارہ گروہ اور ہم نے وحی کی طرف موسے کے

اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ

جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار

اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ :۔ حضرت یعقوب کے بارہ فرزند تھے اور ہر ایک کی نسل بڑھی پس ہر ایک کی نسل کو سبط و امت کہا جاتا ہے اور مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا قائم آل محمد علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے اور مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ فرمائیں گے تو اعلانِ عام ہو گا کہ کوئی شخص اپنے ساتھ زادِ راہ نہ اٹھائے چنانچہ وہی پتھر اپنے پاس رکھیں گے اور ہر منزل پر اس سے چشمہ پھوٹے گا کہ اس سے بھوکا شکم بھر لے گا اور پیاسا سیراب ہو جائے گا اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا الواحِ موسےٰ ہمارے پاس ہیں اور عصائے موسےٰ بھی ہمارے پاس موجود ہے (برہان) تفسیر مجمع البیان میں ایک طویل روایت کے ضمن میں ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے جب امتِ پیغمبر آخر الزمان کے ذاتِ احدیت سے فضائل سنے تو

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ
اپنا عصا پتھر پر پس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر

كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ
بندے نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اتارا ان پر من اور

الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۚ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا
سلویٰ کھاؤ پاکیزہ رزق جو دیا ہم نے تم کو اور انہوں نے ہم پر ظلم

وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۱۶۰ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا
نہیں کیا وہ تو اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اور جب کہا گیا ان کو کہ ٹھہرو اس بستی

هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ
میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو حِطَّۃٌ اور

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ
داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم تمہارے گناہ عنقریب

الْمُحْسِنِينَ ۝۱۶۱ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو تو تبدیل کیا جنہوں نے ظلم کیا ان سے بات کو علاوہ اس کے

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ
جو بتایا گیا ان کو تو بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو ظلم

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝۱۶۲ ع
کرتے تھے

آخر میں دعا مانگی کہ اے میرے اللہ مجھے بھی حضرت خاتم الانبیاء کی امت سے کر۔

باقی آیاتِ مجیدہ کی تفسیر اسی کتاب کی دوسری جلد میں مفصلاً گذر چکی ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

رکوع ۱۱ وَسْئَلْهُمْ: یہ سوال توبیخ کے لئے ہے نہ کہ طلبِ حقیقت کے لئے وہ بستی باخلاف ایلہ یا مدین یا طبریہ تھی جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی ان کا تجاوز یہ تھا کہ سنیچر کے دن ان پر مچھلی کا شکار ممنوع تھا اور اس دن مچھلی یوم امن سمجھ کر سروں کو باہر نکال کر سامنے آجایا کرتی اور ہفتہ کے باقی ایام میں پانی کے اندر غوطہ زن رہتی تھی تو وہ سنیچر کے دن جال لگا رکھتے تھے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنس جائیں پھر اتوار کے دن پھنسی ہوئی مچھلیوں کو نکال کر کھاتے اور بیچتے تھے یا یہ کہ انہوں نے علیحدہ حوض بنا لئے تھے سنیچر کے دن جو مچھلیاں اندر آجاتی تھیں تو ان کے واپس ہونے کا راستہ بند کر دیتے تھے پھر اتوار کے دن باآسانی ان کو پکڑ لیا کرتے تھے اور یہ امتناعی حکم ان کی بعض سرکشیوں کے ماتحت آزمائشی تھا۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ

اور ان سے پوچھ اس بستی کے متعلق جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی جب تجاوز

يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

کرتے تھے سنیچر کے دن جب آتی تھیں ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن

شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ

ظاہر اور سنیچر کا دن نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس اسی طرح ہم آزماتے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝۱۶۳ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ

رہے ان کو بوجہ اسکے کہ فسق کرتے تھے اور جب کہا ایک جماعت نے ان سے کہ کیوں وعظ

قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

کرتے ہو ایسی قوم کو جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب کرنے والا ہے عذاب

قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝۱۶۴ فَلَمَّا نَسُوا مَا

سخت تو وہ کہنے لگے کہ یہ عذر خواہی کیلئے ہے طرف تمہارے رب کے اور شاید وہ ڈر جائیں۔ پس جب انہوں

ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا

نے بھلا دیا جو یاد دلائے گئے تو ہم نے نجات دی ان کو جو منع کرتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے

الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝۱۶۵

ان کو جنہوں نے ظلم کیا ساتھ عذاب سخت کے بوجہ اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے

وَ اِذْ قَالَتْ بنی اسرائیل کے تین گروہ ہو گئے تھے (۱) شکار کرنے والے (۲) خاموش (۳) شکاریوں کو روکنے والے تو جو گروہ خاموش تھا وہ ان وعظ کرنے والوں کو کہتا تھا کہ ان شکاریوں کو امر بالمعروف نہ کرو کیونکہ یہ مانتے تو ہیں نہیں لہٰذا ان کو کہنا فضول ہے اور اس صورت میں امر بالمعروف ساقط ہے یہ لوگ خدائی عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں تو ان کے جواب میں وعظ کرنے والا گروہ کہتا تھا کہ ہم تو اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے ہم اپنا عذر پیش کر سکیں اور ممکن ہے کہ وہ بھی نصیحت قبول کر لیں لیکن جب انہوں نے نہ مانا اور نصیحت کو ٹھکرا دیا تو خدا نے واعظ گروہ کو بچا لیا اور باقیوں کو اپنے فسق میں سخت عذاب دے دیا۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ۝
پس جب وہ سرکش ہوئے اس سے کہ ان کو منع کیا گیا ہے تو ہم نے کہا ان کو ہو جاؤ بندر رسوا

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ
اور جب اعلان کیا تیرے رب نے کہ بھیجوں گا ان پر تیا مت کے دن تک ایسی قوم کو جو چکھاتے ان

یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ
کو برا عذاب تحقیق تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے اور تحقیق

وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۶۷ وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًاۚ
وہ بخشنے والا مہربان ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہم نے ان کو زمین میں گروہوں میں تو

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ٘ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ
ان میں بعض صالح ہیں اور بعض غیر صالح اور ہم نے ان کو آزمایا ساتھ خوشحالیوں

وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝
اور بدحالیوں کے تاکہ باز آجائیں

فَلَمَّا عَتَوْا یعنی جب وہ لوگ نہی عن المنکر کرنے والوں کی نصیحت سے سرکش ہو گئے تو ہم نے ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

كُوْنُوْا قِرَدَةً الخ کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بندر بنا دیا یہ مطلب نہیں کہ ان کو کہا گیا تم خود بندر بن جاؤ کیونکہ یہ امر محال ہے۔

قصہ مجمع البیان میں

ابن عباس سے منقول ہے کہ سنیچر کا دن ہمارے جمعہ کی طرح ان کے لئے مقرر تھا کہ اس کی عظمت کو بحال رکھیں اور اس دن شکار نہ کریں مچھلیاں اس دن بلاحجاب سامنے آجایا کرتیں حتیٰ کہ پانی ان کی کثرت سے چھپ جاتا تھا کچھ عرصہ تک تو وہ اپنے عہد پر کاربند رہے آخر شیطان نے ان کو سبق پڑھایا کہ سنیچر کے دن حوضوں میں جمع کر لیا کرو یا جال لگا لیا کرو اور اتوار کے دن پکڑ لیا کرو۔ پس وہ ایسا کرنے لگے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے ایک شخص نے سنیچر کے دن تاگے سے

ایک مچھلی کو باندھ لیا اور اتوار کے دن پکڑ کر اس کو پکا کر کھا لیا۔ دوسروں نے اس کو برا بھلا کہا لیکن جب دیکھا کہ اس پر کوئی عذاب نہیں آیا تو ان کے دلوں سے بھی خوف جاتا رہا۔ اور وہ بھی آئندہ اسی طرح کرنے لگ گئے پس تین گروہ ہو گئے اور آخر کار واعظ گروہ نے ان سے اپنی سکونت علیحدہ کر لی اور مجرمین کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ ایک رات جو سوئے تو صبح کو مسخ ہو چکے تھے عورتیں مرد بندر بن کر دُم ہلاتے نظر آئے واعظ گروہ نے دیکھا کہ آج یہ لوگ گھروں سے کیوں نہیں نکلے انہوں نے شہر کا دروازہ کھولا اور دیکھا تو وہ مسخ ہو چکے تھے اب وہ روتے تھے لیکن عذابِ خدا ٹل نہ سکتا تھا واعظ گروہ کہتا تھا کہ ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا؟ تو وہ سر ہلاتے تھے اور پشیمانی کا اظہار کرتے تھے. بعض نے کہا ہے کہ جوان بندر ہوئے تھے اور بوڑھے سور ہوئے تھے اور کہتے ہیں ۳ دن یا ۷ دن تک رہ کر لقمۂ اجل ہو گئے اور ان کی نسل آگے نہیں رہی اور رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ مسخ شدہ کی خدا نے نسل نہیں رہائی اور تفسیر صافی میں امام علی زین العابدینؑ سے ان کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ منقول ہے جن میں صرف دس ہزار کے قریب واعظ گروہ تھا جو بچ گئے اور ان کے علاوہ سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوئے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ

پس پیچھے رہے ان کے بعد ایسے لوگ جو وارث ہوئے کتاب کے لیتے تھے نفع اس دنیا

هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

کا اور کہتے تھے عنقریب بخشا جائے گا ہمیں اور اگر آتا ان کے پاس نفع اس جیسا

يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

(دوبارہ) لے لیتے تھے کیا نہیں لیا تھا ہم نے ان پر میثاق کتاب کا کہ نہ کہنا اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

(کوئی بات) مگر حق اور پڑھا انھوں نے جو اس میں تھا اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے

لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶۹

لئے جو ڈرتے ہیں کیا تم عقل نہیں رکھتے.

وَاِذْ تَاَذَّنَ [117] یعنی خدا نے فیصلہ سنایا کہ یہودی قیامت تک مغلوب اور ذلیل و خوار رہیں گے. چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہر حکومت میں ذلیل رہے ہیں پہلے حضرت سلیمان کو تسلط ہوا پھر ان پر بخت نصر کا عذاب آیا اور پھر اہلِ اسلام کے ہاتھوں عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور اگر اس زمانہ میں ان کو ایک علاقہ کا اقتدار حاصل ہوا ہے تاہم وہ دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں برائے نام ہے۔ بلکہ درحقیقت ان کا اقتدار غیر کے اقتدار کا مرہونِ منت ہے۔ اور ممکن ہے اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کی تحدید صرف طول مدت کے

بیان کرنے ہو نہ کہ واقعاً قیامت کا دن از روئے حقیقت ان کی ذلت و خواری کی حد ہو پس مقصد یہ ہوگا کہ ایک لمبی مدت تک یہ لوگ ذلیل و خوار رہیں گے اور اس قسم کا استعمال عرفِ عام میں شائع ہے واللہ اعلم۔ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ ص ۱۱۴ یعنی جب تک فریق موسویہ کا دور دورہ تھا تو ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی تھے لو حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد تو نیک وہی کہلائے جا سکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لائیں اور پھر ان میں بھی کئی نیک اور کئی بد ہوں گے اور جب حضرت رسالتمآب کی بعثت ہوئی تو اب نیک صرف وہی ہوں گے جو حضورؐ کی رسالت تسلیم کر لیں گے اور دینِ اسلام کے ہمنوا ہو جائیں گے اور تعلیمات محمدیہ کو اپنا کر اصولاً و فروعاً اتباع کرنے والے ہوں گے ورنہ صرف پرچمِ اسلامی کے نیچے جمع ہو جانے کے بعد بھی نیک و بد کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔

فَخَلَفَ ص ۱۱۴ - یعنی یہود کا ایک دور گزرا اور پھر دوسرا ان کا قائم مقام ہوا تو انہوں نے پیسہ اپنا دین بنا لیا خوب رشوتیں لیتے اور خلافِ حکمِ خدا فیصلے کرتے اور یہ کہہ دیا کرتے کہ خدا بخش دے گا پھر دوسرے دن حکمِ خدائی کے خلاف فیصلہ کر کے رقم بٹور لیا کرتے حالانکہ ان کا عہد تھا کہ خلاف حکمِ خدا کہیں نہ جائیں گے اور کتاب اللہ کو بھی انہوں نے خوب پڑھا اور سمجھا ہوا تھا۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
اور جو لوگ تمسک رکھتے ہیں کتاب سے اور قائم کرتے ہیں نماز کو تحقیق ہم نہیں ضائع کرتے بدلہ
الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا
نیکی کرنے والوں کا ۔ اور جب اکھیڑا ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر مثل چھتری کے اور انہوں نے گمان

اب مسلمان بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ یہ نہ سمجھ لیں کہ آیاتِ قرآنیہ صرف یہودیوں کی مذمت کر رہی ہیں بلکہ قیامت تک کی ہادی کتاب گذشتہ امتوں کی بدعنوانیاں اور ان کی عذابِ خدائی گرفتاریاں بیان کر کے امتِ اسلامیہ کو درس دے رہی ہے اور ان کو عذابِ خداوندی سے بچنے کی تلقین کر رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ - اب کتاب سے تمسک کا مقصد یہ ہے کہ کتبِ سابقہ سماویہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت رسالتمآب کی نبوت پر بھی ایمان لائیں اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے لائحہ عمل کو اپنا دستورِ زندگی قرار دیں اور کتاب سے تمسک پکڑنے والوں کا دوسرا عمل نماز کو قائم رکھنا بیان فرمایا اور نماز کا بالخصوص تذکرہ تمام فرائضِ اسلامیہ سے نماز کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ اسی لئے حدیثِ نبوی میں وارد ہے کہ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا اگر نماز قبول تو باقی اعمال قبول ہوں گے اور اگر نماز رد تو باقی اعمال بھی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے جائیں گے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا - حضرت صادقؑ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوندِ کریم نے بنی اسرائیل کو تورات عطا فرمائی تو انہوں نے

نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا پس جبل طور کو خدا نے ان کے سروں پر بلند کیا اور حضرت موسٰیؑ نے فرمایا اگر قبول نہ کروگے تو یہ پہاڑ تمہارے اوپر گر پڑے گا۔ تب انہوں نے ڈر کے مارے قبول کیا۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے ایک تیتم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے صحابہ ارد گرد موجود تھے۔ اتنے میں طاؤس یمانی اپنی مخصوص جماعت کے ساتھ مجلس میں آ داخل ہوا اور آتے ہی آپ سے سوال کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی تو اس نے سوالات کئے اور امامؑ نے سب کے تسلی بخش جواب دیئے۔ اس کے سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ کونسا پرندہ ہے جو ایک دفعہ اڑا ہے۔ نہ اس سے پہلے اڑا ہے نہ بعد میں اڑے گا اور خدا نے قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ طورِ سینا پہاڑ ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر سایہ فگن ہوا تھا جس میں قسم وقسم کے عذابوں کے مناظر تھے۔ پس بنی اسرائیل نے اس کے ڈر سے تورات کو قبول کرلیا تھا۔ اور اسی کا قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ الخ

اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
گیا کہ وہ گرنے والا ہے ان پر۔ پکڑو جو دیا ہم نے تم کو طاقت کے ساتھ اور یاد کرو جو اس میں ہے
تَتَّقُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ
تاکہ تم بچ جاؤ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو اور ان کو
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا
گواہ کیا اپنے نفسوں پر کہ کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب تو کہا انہوں نے ہاں ہے تو ہمارا رب

رکوع ۱۲

عہد روزِ میثاق کی حقیقت

وَاِذْ اَخَذَ:۔ اس جگہ اَخَذَ کا معنی اَخْرَجَ ہے یعنی نکالا۔

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ:۔ یہ مِنْ بَنِیْ آدَمَ سے بدل ہے یعنی مِنْ ظُهُوْرِ بَنِیْ آدَمَ

ذُرِّيَّتَهُمْ:۔ یہ اخذ کا مفعول ہے ذریت کا معنی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ جمع کی مثال اسی آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ہر دو مقام پر ذریت جمع کے معنی میں ہے اور واحد کی مثال جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں ارشادِ خداوندی ہے رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ یعنی اے پروردگار عطا کر مجھے ذریت پاکیزہ اور یہاں واحد مراد ہے کیوں کہ دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ یعنی اے رب عطا کر مجھے اپنی جانب سے ولی جو میرا وارث ہو۔

وَاَشْهَدَهُمْ:۔ اس مقام پر مفسرین میں زبردست اختلاف ہے کہ اس میثاق اور سوال وجواب کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ اس بارے میں علمائے کرام کے دو مذہب مشہور ہیں۔

maablib.org

۱. مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خداوندِ کریم نے حضرت آدم کی صلب سے بیک وقت اس کی تمام ذریت کو ذرات کی مانند نکال کر حضرت آدمؑ کے پیش کیا اور فرمایا کہ میں تیری ذریت سے عہد پیمان لے رہا ہوں کہ میری عبادت کریں گے اور شرک نہ کریں گے اور میں ان کو رزق دوں گا۔ اس کے بعد تمام کی طرف خطاب کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قَالُوْا بَلٰی۔ تو سب نے جواب دیا ہاں تو ہمارا پروردگار ہے اور یہ یاد رہے کہ بَلٰی سوال منفی کے بعد آیا کرتا ہے۔ اور جواب کو مثبت بنا دیا کرتا ہے، ان کے اقرار کے بعد فرشتوں کو فرمایا کہ تم ان پر گواہ رہنا تو فرشتوں نے جواب دیا۔ شَهِدْنَا یعنی ہم گواہ ہیں اور یہ اس لئے کیا گیا کہ بعد میں عذر اور بہانے نہ بنائیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا یا ہم باپ دادا کے مذہب پر بھول گئے تھے اور کہتے ہیں کہ اس وقت ان کو عقل و فہم بھی عطا کیا گیا تھا اور اقرار کے بعد دوبارہ ان کو صلب آدم میں پلٹا یا گیا اس کے بعد دنیا میں ظاہر ہونے کے لئے ہر ایک کے لئے اپنا اپنا وقت مقرر کیا گیا پس دنیا میں آکر جو اسلام پر ہے تو گویا اس نے اپنے میثاق کی وفاکی اور فطرتِ اولیٰ پر ثابت قدم رہا اور جس نے کفر و انکار کیا تو وہ گویا اپنی فطرتِ اولیہ سے گریز کر گیا اور اس نے اپنے میثاق کو توڑ ڈالا۔ چنانچہ اس قول کی تائید میں انہوں نے احادیث بھی پیش کی ہیں۔ تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے ابوہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ خدا نے اپنے یدِ قدرت سے آدم کی پشت کو مس کیا تو قیامت تک کی ہونے والی سب نسل بیک وقت ظاہر ہو گئی اور اسی سلسلہ میں ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کو نورانی شکل میں دیکھا تو سوال کیا اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ تو ارشاد ہوا کہ یہ لوگ میرے انبیاء ہیں۔ اس جماعت میں حضرت آدمؑ نے ایک شخص کو بہت نورانی پایا تو پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ داؤد ہے۔ حضرت آدم نے پوچھا اس کی عمر کتنی ہوگی تو جواب ملا کہ ستر برس۔ پس حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ یہ تو بہت تھوڑی ہے لہذا میں اپنی عمر میں سے اس کو چالیس برس دیتا ہوں اور حضرت آدمؑ کی اپنی عمر ایک ہزار برس مقرر تھی۔ جب عالمِ ذر کے سوال و جواب

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۷۲ اَوْ تَقُوْلُوْٓا

اور ہم گواہ ہیں اس لئے کیا کہ مبادا کہو بروزِ قیامت تحقیق ہم اس سے غافل تھے یا کہو کہ تحقیق

اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

شرک کیا ہمارے باپ دادا نے پہلے اور ہم تھے ان کے بعد ان کی ذریت تو کیا تو ہمیں ہلاکت کرتا

اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۱۷۳ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

ہے ساتھ اس کے جو کیا غلط کاروں نے اور اسی طرح ہم کھولتے ہیں نشانیاں اور

وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۷۴

تاکہ وہ باز آجائیں

maablib.org

ختم ہو گئے اور حضرت آدم زمین پر مصروفِ کار ہوئے آپ کی عمر کا ۹۶۰ سال جب گذر چکا تو ملک الموت آن پہنچا تاکہ روح قبض کرے حضرت آدمؑ نے فرمایا ابھی تو میری عمر میں سے چالیس برس باقی ہیں تو ملک الموت نے کہا وہ تو آپ حضرت داؤد کو بخش چکے ہیں حضرت آدم نے جواب دیا میں کسی کو اپنی عمر نہیں بخشا پس ہر نفس کے لئے اپنی اپنی اجل جدا جدا مقرر کی گئی۔

۲. دوسرا قول جس کو رازی نے اصحاب نظر اور ارباب معقولات کا قول بتایا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم علی الترتیب اولادِ آدم کو اپنے باپ کی پشت اور ماں کے رحم سے متعدد ادوار کے بعد ظاہر فرماتا ہے اور جب اس کی جسمانی حالت مضبوط ہو جاتی ہے اور عقل کامل ہوتا ہے تو اس کے سامنے اپنی توحید و معرفت کے واضح اور روشن نشانات قائم فرماتا ہے اور انفس و آفاق میں بین اور مدلل الہی آیات ظاہر کرتا ہے جو عقل فطری انسانی کو معرفتِ خالق اور اس کی وجودِ واجب اور توحید ذات کے اقرار پر مجبور کر دیتے ہیں۔ گویا آثارِ قدرت و صنعت اور نشانات عظمت و حکمت عقولِ انسانیہ کو پکار پکار کر معرفتِ خدا اور اقرارِ توحید کی طرف اپنی زبان بے زبانی سے دعوت دے رہے ہیں۔ پس ان کی ہیئت کذائیہ بمنزلہ سوال ہے اور ان کا ناقابلِ تردید صورت میں وقوع پذیر ہونا فطرتِ انسانی اور جبلتِ بشری کے لئے بمنزلہ اقرار ہے پس یہ سوال و جواب ایسا ہے جیسے زمین و آسمان کی اطاعت کے متعلق ارشاد ہے۔ قَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ۔ یعنی اس کو اور زمین کو فرمایا میری اطاعت کرتے ہوئے آؤ تو ان دونوں نے عرض کی کہ ہم اطاعت کرتے ہوئے آئے یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور انہیں اپنی عجائبِ صنعت و غرائبِ حکمت سپرد کرنا اور ان دونوں کو اطاعت پر مجبول کرنا ہی اس سوال و جواب کا حقیقی پس منظر ہے اور عرفِ عام میں ایک اہم اور غیر معمولی اندازِ اطاعت کو آمر و مامور یعنی حاکم و محکوم کی جانب سے سوال و جواب کے رنگ میں اگر بیان کیا جائے تو کلام میں وہ زور اور توانائی پائی جاتی ہے جو اس کی سرسری ترجمانی میں قطعاً نہیں پائی جا سکتی اور اربابِ ذوق و اصحابِ دانش ہی اس حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنی تیز روانی کی ترجمانی میں کہتا ہے کہ میں فلاں مقام پر تیز دوڑا تو اس میں کوئی وزن نہیں لیکن اگر یوں کہے کہ فلاں مقام پر میں نے اپنے قدموں سے کہا شاباش تیز دوڑو تو قدموں نے جواب دیا ہم حاضر ہیں تو کلام میں وزن آجاتا ہے۔ اسی طرح اپنی تیز بیانی کے متعلق کہے میں نے فرفر بیان کیا یا کہے میں نے زبان سے کہا شاباش تیز چل تو اس نے کہا ہم تابع ہیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ سوال و جواب کی صورت میں بیان کی اہمیت سادہ بیانی سے کہیں بڑھ جاتی ہے حالانکہ درحقیقت سوال و جواب نہیں ہوا کرتا بلکہ واقعہ کی ترجمانی کا یہ ایک پرکشش اور دلربا انداز ہے جو کلام کو وقیع اور زوردار بنا دیتا ہے۔ پس اس مقام پر خالقِ کائنات نے اس اشرف المخلوقات انسان کو پیدا کر کے جب زیورِ عقل و دانش سے اس کو آراستہ کیا اور اس کے وجود کے اندر قوتِ فہم و فکر کی روشن قندیلیں آویزاں کیں تو اس کی بینا آنکھوں کے سامنے صنائعِ قدرت و بدائعِ حکمت کے جلی آثار اپنے خالق کی بولتی ہوئی زبان بن کر گویا نظر آتے ہیں أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو ادھر فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیمہ کے گوشِ ہوش میں صدائے حق پہنچتی ہے تو تقاضائے انسانیت

اور بمقتضائے شرافت و کرامت اس پتلۂ خاک کی جانب سے زبانِ حال بن کر گویا ہوتے ہیں بلیٰ اور محققین علمائے امامیہ اسی قول پر ہیں اور یہی قولِ حق اور قابلِ قبول ہے اور پہلا قول چند وجوہ سے قابلِ قبول نہیں ہے۔

۱۔ قرآنِ مجید کی آیتِ مجیدہ کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی صحت کے خلاف ہیں کیوں کہ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یعنی پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ذریت کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا یہ نہیں فرمایا کہ حضرت آدم کی پشت سے تمام اولادِ آدم کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا۔

۲۔ جب اولادِ آدم سے عہد لیا گیا تھا تو یا اس وقت وہ بے عقل تھے یا عقلمند تھے اگر عقل مند نہیں تھے تو عہد لینا فضول کیونکہ بے عقل جب خالق کا کلام سمجھتا نہ ہو اس کا عہد و پیمان کس کام کا۔ لہٰذا اس سے باز پرس کیوں؟ اور اگر وہ عقلمند تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کیا ہوا عہد یاد رہتا اور وعدہ کی خلاف ورزی کرنے میں سرزنش اس وقت معقول ہوتی ہے۔ جب وعدہ یاد ہو اور پورا نہ کیا جائے لیکن جب سرے سے وعدہ یاد ہی نہ رہے تو اس کی وفا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دریں صورت اگر عدم وفا کا عذر نسیان کو پیش کیا جاتے تو وہ عقلاء کے نزدیک یقیناً قابلِ قبول ہوا کرتا ہے اور یہ عام دستور ہے کہ جب بہت سے آدمی کسی سے مل کر ایک عہد کریں تو خلافِ عادت ہے کہ سب کے سب اس عہد کو بھول جائیں بہر کیف کسی نہ کسی کو یاد ہو گا اور ضرور یاد ہو گا۔ چہ جائے کہ تمام اولادِ آدم سے با ہوش و حواس و باتمامی عقل و کمالِ فہم ایک عہد لیا جائے۔ اور وہ اقرار بھی کریں لیکن مقامِ عمل میں سب کے سب فراموش کر جائیں اور لطف در لطف یہ ہے کہ بار بار کی یاد دہانی کے باوجود بھی کسی کو یاد نہ آئے۔ حالانکہ قیامت کے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ بہشتی اور دوزخی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور دنیا کے گذشتہ واقعات کا تذکرہ کریں گے چنانچہ اسی سورۂ مجیدہ میں گذر چکا ہے کہ بہشتی کہیں گے اللہ نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے کیا تمہارے ساتھ بھی اس نے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے تو وہ ان کو جواب دیں گے کہ ہاں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اپنی دنیا میں گذری ہوئی سرگذشت یاد ہو گی اور پرانے یار دوست وہاں ایک دوسرے سے خوب گپیں اڑائیں گے۔ اگر قیامت کے دن خدا کا بلسانِ قرآن و رسول کیا ہوا وعدہ یاد رہے گا تو دنیا میں روزِ ازل اور یومِ میثاق کا وعدہ یاد کیوں نہ رہا۔ اور قیامت کے دن بہشتیوں اور دوزخیوں کو اپنے دنیاوی دھندے یاد ہوں گے لیکن دنیا میں کسی ایک کو بھی یومِ میثاق اور اس کا وعدہ یاد نہ رہا اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ یاد دہانی کے بعد بھی یاد تو بجائے خود اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ خیال تک دماغ میں نہیں آتا۔

۳۔ اگر یہ کہا جائے کہ طولِ زمانہ اور تبدیلیِ حالات کی وجہ سے بھول سکتا ہے تو پھر تناسخ والوں کا قول بھی صحیح بن جائے گا اور ہم ان کے قول کو اسی دلیل سے ہی تو باطل کرتے ہیں کہ اگر انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے بدن میں چلا جاتا ہے تو اس کو پہلے دور کے حالات سب نہ سہی تو کچھ نہ کچھ یاد ہونے چاہئیں اور جب اس کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ تو اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ تناسخ کا قول ہی سرے سے باطل ہے۔ ان کے علاوہ کافی وجوہ قولِ اول کی تردید

maablib.org

میں ذکر کی گئی ہیں لیکن اسی قدر ذکر کر دینا کافی ہے۔

دوسرے قول پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ آیتِ مجیدہ کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اولادِ آدم سے عہد لیا گیا اور صیغۂ ماضی کی دلالت اس امر پر ہے کہ وہ عہد و پیمان ہو چکا ہے اور قیامت تک کی ہونے والی اولاد آدم وہ عہد کر چکی ہے اور دوسرے قول کی رُو سے آنے والی نسلیں اس عہد سے مستثنیٰ بنتی ہیں حالانکہ تمام اولاد آدم مراد ہیں۔

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ یقینی واقع ہونے والی چیز کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں قیامت کے وقوع کی خبریں متعدد آیات میں صیغۂ ماضی سے مذکور ہوئی ہیں اور آیتِ مجیدہ میں یہ دلالت قطعاً نہیں کہ تمام بنی آدم سے ایک ہی وقت میں عہد لیا گیا۔

اور ثانیاً اگر ایک ہی وقت میں عہد لیا جانا مراد ہو تو اس سے مراد عہدِ ظاہری نہیں بلکہ عہدِ معنوی تمثیل کے طور پر اس سے مراد ہے کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ قیامت تک کے ہونے والے واقعات اگرچہ مقامِ ظاہر میں مرتب اور مسلسل ہیں لیکن علمِ واقعی الٰہی کے سامنے یہ سب کائنات اوّل آن وجود سے لیکر آخر دم بقا تک مرتب و مسلسل ہونے کے باوجود بیک وقت موجود و حاضر ہیں۔ لہٰذا برنگِ تمثیل اس ہیئتِ کذائیہ کو جو مخلوق کی خالق کے مقابلہ میں یا مصنوع کی صانع کے مقابلہ میں ہوتی ہے سوال و جواب کے طور پر پیش کر دیا تاکہ عقول انسانیہ کے قبول کرنے میں آسانی ہو گویا عالم تمثیل میں تمام بنی آدم کے بیک وقت موجود مثالی جسم جو اپنے خالق یکتا کے علم واقعی کے حضور میں صف بصف قرن با قرن محوِ تسبیح ہیں ان کو خطاب کر کے زبانِ قدرت و صنعت گویا ہوئی اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ تو بنی آدمؑ کی ہیئت اجتماعیہ نے اپنی زبانِ بے زبانی سے اعترافِ عجز و تواضع کے ساتھ فوراً کہدیا بلیٰ۔

وضاحت:- عالمِ واقع و ظاہر میں قیامت تک کی ہونے والی اشیاء مکان و مکانیات زمان و زمانیات اگرچہ ظاہر میں مرتب ہیں لیکن عالم دھر و ازل میں بیک وقت اپنے خالق کے سامنے موجود و حاضر ہیں یہ اس طرح سمجھئے جیسے دو منزلہ مکان کی چھت کے اوپر ایک طولانی زنجیر اکٹھا کر کے رکھ دیا جائے تو وہاں اس کی کل کڑیاں ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہو کر ایک ہی وقت میں ایک جگہ موجود ہیں۔ لیکن چھت سے سوراخ کر کے اس سے ایک سرے کو لٹکایا جائے اور مسلسل طور پر لٹکایا جاتا رہے اور اس چھت کے نیچے اوپر کی چھت کے سوراخ کی سیدھ میں نچلے مکان کی چھت میں سوراخ ہو اور وہ زنجیر بالترتیب اوپر کی چھت سے لٹک کر نچلے مکان کی چھت سے گذر کر زمین پر بالترتیب بیٹھتا رہے گا تو دونوں چھتوں کے درمیان بیٹھا ہوا انسان نہ یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں نچلے مکان کی چھت سے گذر کر نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور نہ وہ یہ جان سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں اوپر کی چھت پر باقی ہیں وہ صرف اپنے سامنے کی کڑیاں ہی دیکھ سکتا ہے اور انہی کے حالات و واقعات و تعداد وغیرہ سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں گذشتہ کڑیاں بھی لاتعداد اور آئندہ

کڑیاں بھی لاتعداد معلوم ہوتی ہیں اور ہر کڑی دوسری کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتی۔ ایک پہلے گذرتی ہے۔ پھر دوسری۔ پھر تیسری وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ لیکن جو چھت کے اوپر ہے اور جس کے قبضہ میں پورا زنجیر ہے وہ بیک وقت کل زنجیر کی کڑیاں جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ کسقدر کڑیاں اس کی نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور کس قدر اس وقت درمیانی منزل میں ہیں اور کس قدر باقی معرضِ ظہور میں آنے والی ہیں۔ یہ محض سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے ورنہ تمام موجودات وکائنات کا خالق کے سامنے بیک وقت ہونا اس مثال سے بھی زیادہ واضح وروشن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اوپر سے زنجیر لٹکانے والا لٹکائی گئی ہوئی کڑیوں سے غافل ہو کر ان کا اندازہ بھول جائے یا زیادہ دور تک جانے کی وجہ سے یا اندھیرے کی صورت میں درمیان میں چھتوں کے حائل ہو جانے سے گذشتہ کڑیوں پر نگاہ نہ ڈال سکے لیکن یہاں خالق کائنات جو سلسلہ کائنات کو عالمِ ازل سے جاری کر کے وجود کی درمیانی منزل سے گزار کر عالمِ فنا تک بھیج رہا ہے وہ اپنے حاوی وکلی علم کے ساتھ اس سلسلہ کی کسی کڑی سے نہ غافل ہے اور نہ گذشتہ وموجودہ وآئندہ کی کوئی کڑی اس کی نگاہِ قدرت سے اوجھل ہو سکتی ہے کیونکہ نہ تو وہ کسی سے دور ہے اور نہ کوئی حائل اس کے آگے حائل بن سکتا ہے اور نہ کوئی ظلمت اس کو کسی معلوم سے بےگانہ کر سکتی ہے۔ وہ ہر شے پر حاوی اور ہر چیز کے قریب ہے۔ پس اگرچہ ہم اس عالمِ وجود میں دیکھتے ہیں کہ سلسلۂ موجودات کی کڑیاں مسلسل اور مرتب ہو کر ظاہر اً کتم عدم سے یا عالمِ ازل سے اس درمیانی عالمِ وجود میں سامنے آتی ہیں اور پھر تیسرے عالمِ فنا میں داخل ہو جاتی ہیں۔ درمیانی عالم والے نہ تو جانے والوں کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ آنے والوں کے متعلق کوئی نظریہ قائم کر سکتے ہیں کیوں کہ یہاں کی ترتیب وار آمدورفت بیک وقت کل کے اجتماع کے منافی ہے لیکن خداوندِ کریم موجوداتِ عالم کے تینوں ادوار کے ہر جزئی حالات کو جانتا ہے پس اس کے سامنے سب کی سب بیک وقت موجود ہیں، اور اس کا علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے سامنے تمام موجودات سرنگوں ہیں اور تکوینی طور پر سب کی سب اس کی اطاعت گزار ہیں۔ پس تمام اولادِ آدم سے خداوندِ کریم کا سوال اور ان کا جواب اس تکوینی اطاعت واقرار کی نمائش ہے۔

اجمال وتفصیل ذہن میں بہت سے معانی بیک وقت موجود ہوتے ہیں اور متعدد مضامین بکثرت حاضر ہوتے ہیں لیکن ان کی زبان سے ادائیگی یا کسی طریقہ سے ان کی منصّۂ شہود پر جلوہ گری ترتیب کی خواہاں ہوا کرتی ہے دماغ میں مطالبِ حاضرہ خواہ کس قدر کثیر کیوں نہ ہوں اگرچہ اجمالی رنگ میں وہ بھی اپنے مقام پر تقدم و تاخر رکھتے ہیں لیکن بالفعل سب کے سب باوجود رتبی تقدّم وتاخر کے یکجا موجود ہوتے ہیں اور زبانِ بیان یا لسانِ قلم ان کو الفاظ ونقوش کا لباس اڑھا کر اپنے اپنے مقام پر ترتیب وار ظاہر کرتی ہیں پس وجود ملفوظی یا وجود مکتوبی میں ان کو بالفعل ترتیب حاصل ہوتی ہے اور متقدم ومتاخر آپس میں نمایاں طور پر متمیز ہوتے ہیں۔ سننے یا مطالعہ کرنے والا اس بیان کے جس حصہ سے روشناس ہو گا وہ گذرے ہوئے مضمون کے متعلق اندازہ کر سکتا ہے کہ کس قدر تھا اور کیا تھا اور نہ

وہ جان سکتا ہے کہ باقی کس قدر اس فضا میں ظاہر ہوگا یا صفحۂ قرطاس پر نقش ہوگا بلکہ وہ صرف حالِ حاضر میں اپنے سامنے آنے والے الفاظ و نقوش ہی اپنے ذہن و دماغ کو وابستہ رکھ سکے گا لیکن جس کے پاس وہ ذخیرہ موجود ہے اور جو اس کا موجد ہے وہ قبل از بیان بعد از بیان اور حال بیان کی ہر سہ صورتوں میں پورے مطالب کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی گوشہ اوجھل نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک صاحبِ فن کے دماغ میں ایک لمبا چوڑا منصوبہ ہوتا ہے جس کو وجود ظاہری کا لباس اڑھانے میں لمبے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور ترتیب درکار ہوتی ہے لیکن اس کا ذہن میں وجود نہ ترتیب کا خواہاں ہے نہ زمانہ کا محتاج ہے بلکہ تمام ازمنہ متفرقہ میں بکھرنے والے اور مرتب ہو کر پیش ہونے والے جملہ مطالب بیک وقت بلا تمیز مقدم و موخر یکجا جمع ہوتے ہیں۔ پس صرف اجمال و تفصیل کا فرق رہتا ہے کہ قبل از وجود اجمال کے رنگ میں ہوتے ہیں اور بعد از وجود تفصیل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ بہر حال اس کی مثالیں ہزارہا موجود ہیں جن کو زیادہ گنوانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پس صفحۂ کائنات پر مخلوق کے نقش سے قبل صانع ازل کے علمِ ذاتی کے سامنے تمام موجودات بلا کم و کاست بلا تقدم و تاخر اور بلا ترتیب و تدریج بیک وقت موجود و حاضر تھے اور سلسلہ موجودات کی عالمِ وجود میں جلوہ گری کے ہر دور میں بھی وہ اس کے سامنے حاضر ہیں اور کتاب وجود کی انتہا کے بعد بھی وہ اس کے سامنے موجود رہیں گے۔ اس کے سامنے کسی وقت بھی کوئی فرد غائب نہیں رہا اور نہ رہے گا پس اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے افرادِ انسانیہ کا عجز کامل اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کی تعبیر ہے۔ یا یوں سمجھئے حافظِ قرآن کے پاس پورا قرآن بیک وقت بلا تقدم و تاخر اول سے آخر تک موجود ہوتا ہے وہاں سب سورتیں و آیتیں ترتیبِ اجمالی کی صورت میں بیک وقت ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہوتی ہے لیکن جب قرارت جاری کرے گا اور ان کو الفاظ کا لباس دے گا تو مقدم مقدم ہوگا اور موخر موخر ہوگا وہ ذہنی اجمالی ترتیب اب بالفعل تفصیلی ترتیب کا رنگ لے گی اور سورتیں و آئیتیں باقاعدہ تدریجی طور پر ایک دوسرے کے طول میں واقع ہوں گی۔ لیکن جو حافظ ہے اس کے ذہنی خزانہ میں قبل از قرائت یا بعد از قرائت یا بوقت قرأت کے ہر سہ ادوار کا کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ ذخیرہ ہر آن میں اس کے پاس پورے کا پورا موجود ہی موجود ہے پس خالق کائنات کے سامنے ایجاد سے قبل اور بعد از ایجاد اور بوقتِ ایجاد اس سلسلۂ موجودات کی تمام کڑیاں باوجود مرتب و تدریجی ہونے کے اور باوجود مقدم و موخر ہونے کے بیک وقت یکجا حاضر ہیں اور اپنی زبان بے زبانی سے اپنے خالق کی ثنا گری اور مدح گستری میں محو ہیں اور غالباً اسی کی تعبیر ام الکتاب سے بھی کی گئی ہے۔ پس اس کے علمِ محیط کے وسیع دامن کے اندر تفصیلات وجود انسان کا ذرہ بے مقدار کی طرح سمٹ کر آجانا اور اس کے ارادہ کے ماتحت عالمِ وجود میں بے چون و چرا قدم رکھنا اور پھر اسی کی مشیت و مصلحت کے تابع ہو کر عالمِ فنا میں جا کودنا یہ سب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کا اعلان ہے۔

تکوین و تشریع

قادر کا مقدور پر تسلط و حکومت اور مقدور و محکوم کا اس کے سامنے جھک جانا سر تسلیم خم کرنا

اطاعت و نافرمانی اور اس کے ارادہ و امر کے سامنے سرتابی نہ کرنا دو طریقوں سے ہوا کرتا ہے۔ ایک یہ کہ مقدور و محکوم میں اطاعت کا نہ شعور ہو اور نہ ارادہ و اختیار۔ اس کے دامنِ وجود کے اندر ہو اور دوسرا یہ کہ مقدور و محکوم اطاعت کا شعور بھی رکھتا ہو اور ارادہ و اختیار کا حامل بھی ہو تو پہلی صورت میں قادر و حاکم کے تسلط و حکومت کا نام ہے تکوین پس اس صورت میں اس کا ارادہ ارادۂ تکوینیہ ہوگا۔ اس کا امر تکوینی ہوگا اور محکوم کی اطاعت اطاعتِ تکوینیہ ہوگی اور دوسری صورت میں حاکم کی حکومت تشریع ہے اور اس بارے میں اس کا ارادہ و امر ارادۂ تشریعیہ و امر تشریعی ہوں گے اور محکوم کی اطاعت بھی اطاعتِ تشریعیہ ہوگی۔

مثال کے طور پر انسان کی اپنے اعضاء پر حکومت تکوین ہے۔ پاؤں پر چلنے کا حکم۔ ہاتھوں پر پکڑنے کا حکم آنکھوں پر دیکھنے کا حکم وغیرہ یہ سب اس کے ارادۂ تکوینیہ کے ماتحت اوامر تکوینیہ ہیں اور اعضا کا بے چون و چرا اس کے ارادہ کے تابع ہونا ان کی اطاعت تکوینیہ کہلاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے غلام کو چلنے پھرنے۔ بولنے دیکھنے سونگھنے یا سننے یا کھانے پینے کا حکم دینا تشریع ہے اس سلسلہ میں اس کا ارادۂ تشریعی امر تشریعی اور اس کے غلام کا اطاعت کرنا اطاعت تشریعیہ ہے۔ پہلی صورت میں ارادہ کی تکمیل اور مراد کی برآوری آمر کے قدرت و عمل پر موقوف ہے اور دوسری صورت میں مامور کے عمل پر موقوف ہے۔ اگر پیاسا ہے سامنے پانی موجود ہے۔ پس اپنے پاؤں کو چلنے کا حکم دے اور اپنے ہاتھوں کو پکڑنے کا حکم دے۔ گلاس بھر کر خود پی لے تو پیاس ختم اور مطلب پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر غلام پر حکم کرے کہ میں پیاسا ہوں اور پانی لا دو تو اب اس کے ارادہ کی تکمیل اور مطلب براری غلام کے عمل پر موقوف ہے اگر وہ اطاعت کرے گا تو اس کا ارادہ پورا ہوگا اور اگر وہ اطاعت نہ کرے گا تو اس کا ارادہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

نیز امر تکوینی میں آمر کو منہ بول کر امر کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ارادہ ہی امر تکوینی ہوتا ہے اور عمل کرنا اور ارادہ کو اپنی قدرت سے مطلوب سے ہمکنار کرنا۔ مراد و مطلوب کی اطاعتِ تکوینیہ کا نام ہے لیکن امر تشریعی میں ایسا نہیں بلکہ وہاں آمر کو زبان یا خط یا اشارہ وغیرہ کے ذریعہ سے مامور تک اپنے مطلوب کو واضح کر دینے کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور مطلوب کا پورا ہونا پھر مامور کی اطاعت اور اس کے عملی اقدام کا ہی مرہون منت ہوتا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اطاعتِ تکوینیہ یا عدم اطاعت میں سزا اور جزا کا استحقاق پیدا نہیں ہوتا بلکہ اطاعت تشریعیہ اور اس کے عدم میں سزا و جزا کا استحقاق ہوتا ہے۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات خوب سمجھ میں آسکے گی کہ خداوند متعال کا آسمان و زمین عرش و کرسی۔ لوح و قلم جنت و نار۔ سورج چاند ستارے ملک جن و انس۔ دریا پہاڑ اور آگ ہوا پانی مٹی جمادات۔ نباتات حیوانات وغیرہ تمام چھوٹی بڑی مخلوق اور سب عاقل و بے عقل موجودات کا پیدا کرنا اور کتم عدم سے نکال کر ان کو خلعت وجود سے آراستہ کرنا سب کچھ اس کے ارادۂ تکوینیہ اور امرِ تکوینی کے ماتحت ہے اور تمام کائنات کا اس کے حسب ارادہ تکمیل پذیر ہونا اور زیورِ ہستی سے پیراستہ ہونا ان کی اطاعتِ تکوینیہ ہے۔ اور ابھی واضح کیا جا چکا ہے کہ امر تکوینی میں بولنے کی

ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ آمر کا ارادہ ہی کافی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا ذات پروردگار کا تمام مخلوقات کے متعلق ارادۂ کُن، کائنات کو منزلِ فیکون تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ اس کا ارادہ کن امر تکوینی ہے اور مخلوق کا منزل فیکون تک پہنچنا یعنی زیور ہستی سے آراستہ ہو جانا ان کی اطاعت تکوینیہ ہے۔

کلمۂ کفر

اب اس بیان سے اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ۔ یعنی اس کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی شی کے متعلق ارادہ کرے تو فرماتا ہے کن یعنی ہو جا تو پس وہ شے ہو جایا کرتی ہے۔ اس مقام پر بعض جہلا کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایجاد مخلوق کے لئے کلمہ کن محمدؐ و آل محمدؐ نے کہا تھا لہٰذا یہی موجودات کے خالق ہیں کیوں کہ خدا زبان و جسم سے پاک و منزہ ہے وہ کلمہ کن جاری کر نہیں سکتا۔ پس اس کلمہ کے کہنے والے یہی ہیں۔ ان جاہلوں کے نقض کے لئے تو یہ بھی کافی ہے کہ جب محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خدا نے پیدا کیا تو اس وقت ان کی تخلیق میں کن کا کلمہ کس نے کہا تھا۔ پس وہ جس طرح ان کی خلقت کے وقت بغیر زبان و جسم کے کن کی فرمائش کر سکتا ہے تو باقی مخلوقات کے لئے بھی اسی طرح کر سکتا ہے۔ اور ان کو یہ پتہ نہیں کہ تخلیق و تکوین میں امر سے مراد امر تکوینی ہے۔ جس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تکمیل کا تعلق خود آمر کی ذات سے ہی ہوا کرتا ہے بذریعہ الفاظ وغیرہ کے اس کا اظہار تو تب کرے کہ اس کی تکمیل کسی دوسرے مامور کے بس میں ہو یہاں تو یہ ہے کہ اس نے ارادہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ و حکمت شاملہ سے مطلوب و مراد کو مشیت سے ہستی میں تبدیل کر دیا۔

لہٰذا کن کی تعبیر صرف انسانی ناقص عقول کی تفہیم کے لئے ہی ہے جس طرح انسان اپنے متعلق بیان کرتا ہے مثلاً مجھے سیر کی شوق ہوئی تو میں نے اپنے پاؤں کو حکم دیا چلو۔ تو انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں پس چلے گئے۔ تقریر کا اشتیاق پیدا ہوا تو میں نے اپنی زبان کو حکم دیا کہ بول۔ اس نے جواب دیا میں حاضر تو پس وہ بولنے لگ گئی۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور کوئی بے عقل سے بے عقل بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے مقامات پر انسان اپنے اعضاء کو زبان سے نہیں کہا کرتا کہ یہ کرو۔ وہ کرو اور نہ ان اعضاء کے پاس زبان گویائی ہے کہ وہ کچھ جواب دے سکیں بلکہ انسان کے اس ارادۂ تکوین کو نہایت سرعت سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی یہ تعبیریں ہیں یا مقصود کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے یہ طریقے ہیں ورنہ سوال و جواب کی ضرورت نہ ہے اور نہ حقیقت ہے۔

خداوندِ متعال تمام موجودات کے ایجاد پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے وہ ایجادِ خلق میں کسی کا محتاج نہیں اور نہ ان کی بقا میں اس کو کسی کی احتیاج ہے جس طرح باقی تمام موجودات اس کی محتاج ہے اسی طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس کے محتاج و نیاز مند ہیں وہ جس طرح ان کا خالق ہے باقی تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور جس طرح ان کا رازق ہے باقی مخلوقات کا رازق بھی وہ خود ہی ہے۔ وہ نہ خلق و رزق میں کسی کا محتاج ہے اور نہ باقی نظام کائنات کی برقراری میں کسی کا ممنونِ احسان ہے۔ خداوندِ کریم ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائے جو خدا کو ایجاد مخلوق میں عاجز مانتے ہیں اور اسکی صفاتِ خاصہ کو اسکی مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں ذرہ بھر باک و بیم محسوس نہیں کرتے۔ معصومین علیہم السلام نے ایسے

عقیدہ کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے عقیدہ سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں باب تفویض میں کسی حد تک وضاحت سے بیان کیا ہے اور بلا شک و شبہ خدا کو عاجز کہنا یا محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خالق و رازق ماننا کفر و شرک ہے خدا و رسولؐ اور آلِ رسولؐ ایسے لوگوں سے بری و بیزار ہیں۔

فرق واضح

جس طرح ہمارے اوامر تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اسی طرح خالقِ کائنات کے اوامر بھی تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اور اس کا ضابطہ یوں سمجھئے کہ جہاں مامور کی اطاعت میں اس کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہو وہ ہیں تکوینیات اور جہاں اطاعت میں مامور کے اختیار و ارادہ دخیل ہوں وہ ہیں تشریعیات۔ پس خلق موجودات کے متعلق جس قدر اوامر ہیں وہ سب تکوینی ہیں اور انسانوں سے طلب اطاعت کے جس قدر اوامر ہیں اور ان کی انسانی زندگی کے دنیوی و اخروی ہر دو پہلوؤں کی بہبودی و بہتری کے لئے جو ضابطہ و دستورِ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے پیش کیا ہے۔ یہ خداوند کریم کی جانب سے اوامر تشریعیہ ہیں ان کی اطاعت یا عدم اطاعت جزا و سزا کے استحقاق کی موجب ہے انسان چونکہ اپنے مقام پر خود عاجز ہے لہٰذا ممکن ہے کہ بسا اوقات اس کے امورِ تکوینیہ کی تکمیل نہ ہو سکے اور اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جائے۔ مثلاً ارادہ ہے کہ آنکھ دیکھے لیکن اس پر نیند کا غلبہ ہے پس اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے اور مطلوب پورا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح چلنے کا ارادہ ہے لیکن پاؤں خستگی کے احساس سے مغلوب ہیں۔ پس ارادہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر خارجی اشیاء کی طرف جائیں تو انسان کی قدرت و ارادہ اکثر مغلوب و مرعوب نظر آئیں گے اور کہیں اقل قلیل حصہ میں اسکی اطاعت نظر آئے گی۔

مثلاً ایک صانع جو صنعت جانتا ہے اس کی صنعت کی رسائی باوجود مہارت کاملہ کے ایک حد محدود تک ہو گی اور اس کی بڑی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی مہارتِ تامہ کے باوجود مصنوع میں اس کی اطاعت ایک اقل قلیل حد تک ہے اور اس کے کمال کی آخری حد کا نام عجز ہے۔ ایک لوہار لوہے کے کام میں ماہر ہے۔ لوہے سے بہت کچھ کام لے سکتا ہے لیکن ایک حد کے اندر اور اس حد سے آگے لوہا اس ماہرِ فن کے آگے سرِ تسلیم جھکانے کو تیار نہیں اور یہ اس کی تکوینی نافرمانی ہے جس طرح کہ اس حد معین کے اندر اس کی اطاعت تکوینی تھی۔ ممکن ہے کہ دوسرا ماہر اس سے کچھ آگے بڑھ جائے پھر تیسرا اور آگے چلا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور ہر ماہر کی حدِ کمال وہی سمجھی جائے گی جس سے آگے وہ عاجز ہے یعنی ہر کامل کی حد عاجزی ہے۔ اسی طرح سنار کو دیکھو ایک حد کے بعد وہ عاجز نظر آتا ہے۔ آج سائنس والوں نے موجودات عالم میں اپنی انتھک کوششوں اور محنتوں سے اپنے افکار رسا کی جدوجہد کی بدولت اپنی حاکمیت کا سکہ بٹھایا ہوا ہے اور صفحۂ ہستی پر رہتے ہوئے قوائے مادیہ کی تسخیر میں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں کہ ادوارِ ماضیہ کی سادہ زندگیوں میں بسر اوقات کر گذرنے والا انسان اگر اب دوبارہ پلٹ کر حالات کا جائزہ لے تو اسے معجزہ کہتے ہوئے ذرہ بھر توقف نہ کرے گا اور ہر دور کا انسان اپنی علمی و عملی وسعتوں کے ماتحت تسخیر موجودات کا گرویدہ رہا ہے اور خداوند کریم نے عناصر اربعہ

میں پنہاں استعداد قویٰ کو تکوینًا انسان کے سامنے سر تسلیم جھکانے کی فطرت تفویض فرمائی ہے اور انسان کو زیورِ علم و عمل سے آراستہ ہونے کے لئے عقل و دماغ اور فہم و فکر کی استعدادات کا ایک بے پایاں خزانہ عنایت کیا ہے جس کے ماتحت اس کو اشرف المخلوقات کا تاجِ کرامت فرمایا اور موجوداتِ عالم پر حقِ حکومت عطا کیا۔ پس عقلِ فطری کی آواز ہے کہ انسان باقی موجودات پر حاکم و متصرف ہے اور خداوند کریم عالمیان کی جانب سے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یعنی زمین کی تمام اشیاء تمہارے ہی لئے ہیں، کا جملہ اسی فیصلہ کی طرف ارشادی حیثیت رکھتا ہے۔ پس انسان نے ہر دور میں تسخیرِ عالم کی طرف قدم بڑھایا اور اس کی حدِ عجز ہی اس کے کمال کا آخری زینہ رہی اور ہر دور کا دور طے شدہ زینوں سے اوپر کے زینہ پر قدم رکھنے کی جگہ بناتا رہا اور کامیابی حاصل کرتا رہا۔ آج کے سائنسدان تسخیرِ موجودات میں ترقی کے جس زینہ پہنچے ہیں ممکن ہے، بعد والے اپنی منزل اگلے زینے کو بنائیں جس کا سر کرنا دورِ حاضر کے لئے ناممکن شکل میں نظر آرہا ہے جس طرح کہ موجودہ منزل گذشتہ ادوار کے لئے ایک ناممکن سا امر تھا۔ بہر حال انسان کے سامنے موجوداتِ عالم کا مسخر و مطیع ہو کر سرِ تسلیم خم کرنا ان کی اطاعتِ تکوینیہ ہے۔ پس انسان نے قوائے مادیہ کو حکم دیا کہ فلاں مشینری ہمیں تیار چاہیئے۔ ہمیں سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے موٹر چاہیئے۔ ہمیں دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے انجن چاہیئے۔ ہمیں ہواؤں میں سیر کرنے کے لئے ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کے جہاز چاہئیں۔ ہمیں کاروبار کی ہر قسم کی سہولت کیلئے بجلی چاہیئے آوازیں دور دور سے جذب کرنے کے لئے اور دور دور تک پہنچانے کے لئے آلات چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ انسان حکم کرتا گیا اور قوائے مادیہ سرِ تسلیم خم کر کے جی ہاں جی ہاں کرتی گئیں اور انسان آگے بڑھتا گیا۔ پس جہاں اس جی ہاں کے بعد قوائے مادیہ کی طرف سے نہیں جی کا جواب ملتا ہے تو انسان کی ترقی کی آخری منزل وہیں تک قرار پاتی ہے یعنی کائنات عالم میں قوائے مادیہ کی اطاعت تکوینیہ کی منازل کے بعد جب نافرمانی کی حد آتی ہے تو قدم رک جاتے ہیں اور وہی مقام بعد والوں کے تسخیری جذبات کے ماتحت افکار کی آماجگاہ بن جاتا ہے کہ اس کو سر کیا جائے بہر کیف حدودِ عجز تک رسائی اور علم و فکر میں نارسائی کا نام ہے انسان کا آخری کمال۔ بہر کیف یہ مطلب واضح ہو گیا کہ انسان کو جن جن اشیاء پر حقِ حکومت حاصل ہے وہ تکوینی طور پہ انسان کی محکوم ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق بھی بسا اوقات انسان کا ارادہ مرعوب و مغلوب نظر آتا ہے۔ بس ایک حد تک اس کا ارادہ تکوینی غالب رہتا ہے اس کے بعد ارادہ ہوتا ہے لیکن مرعوب و مغلوب اور وہی ہوتی ہے اس کی آخری منزل ارتقاء۔

لیکن خداوند کریم اس بات سے اجل و ارفع ہے کہ کائنات اس کی تکوین میں پس و پیش کر سکیں وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے اپنا کلیہ بیان فرمایا ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ جب بھی کسی شے سے اس کا ارادۂ ایجاد تعلق پکڑے تو وہ شی فوراً ہو جاتی ہے یعنی اس کا ارادۂ تکوینی کہیں مغلوب و مرعوب ہو سکتا ہی نہیں اور اس کے کمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں اور انسان کا منازلِ ترقی طے کرنے کے بعد رک جانا اور حدِ عجز تک پہنچ جانا ہی تو با ذوق اور اربابِ فکر و دانش کے لئے معرفتِ خداوندی اور اس کی توحید کے اقرا

maablib.org

کی طرف سے جانے کا سیدھا راستہ ہے اور اس سے نہیں بھٹک سکتے مگر کور بخت اور بد باطن۔

پس اسی امرِ تکوینی کے ماتحت خداوندِ کریم جس چیز کو جو امر کرے وہ جی ہاں اور لبیک کہتی نظر آئے گی اور ناممکن ہے کہ کوئی چیز کسی امر کے جواب میں جی نہیں کہہ دے۔ پس آسمان و زمین۔ دریا و پہاڑ۔ شمس و قمر بلکہ تمام علوی و سفلی نظام اسی تکوینی اطاعتِ پروردگار میں عابد و ساجد ہیں جطرح قرآن میں بھی ان تمام چیزوں کی اطاعت و سجدہ کا ذکر ہے اور یہاں سجدہ تکوینی مراد ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں اس کی اطاعت گذار ہیں۔

سوال:- قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (پ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۹) یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں۔ زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ تحقیق یہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔ اس مقام پر ان موجودات نے خداوندِ عالم کی کیوں نافرمانی کی۔

جواب:- اس مقام پر انسان کی قساوتِ قلبی اور جراءت و جسارت کی مذمت ہے کہ انسان معصیت خداوندی پر اس قدر تجسر کرتا ہے کہ جس چیز کی آسمان و زمین و پہاڑ تاب برداشت لانے سے قاصر ہوں یہ انسان اپنے ظلم و جہالت کے ماتحت اس بوجھ کے اٹھانے کی بھی جراءت کر بیٹھتا ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان موجودات کو ایک حکم دیا گیا اور انہوں نے تکوینی طور پر نافرمانی کی اور آیت کے آخری لفظ خود بتلا رہے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ جس ظلم و جہالت کا ارتکاب انسان دیدہ دلیری سے کرتا ہے۔ اگر زمینوں۔ آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا جاتے تو وہ بھی خوف و ہراس سے لرز جائیں اور اس کے ارتکاب کی جراءت نہ کریں لیکن انسان کے ظلم و جہالت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ بلا خوف و ہراس کر گذرتا ہے۔ جس طرح شہید بے گناہ کا خون زمین نہیں پیتی اور انسان پی جاتا ہے یتیم کو تھپڑ مارنے سے عرشِ خدا کو لرزہ آتا ہے لیکن انسان کا دل نہیں کانپتا۔

درسِ معرفت

غیر ذی روح موجودات سے خداوندِ متعال کے جس قدر خطابات یا ان کے جوابات ہیں وہ صرف امورِ تکوینیہ کی ترجمانی ہیں اور موجوداتِ عالم میں جس چیز کو جس مطلب یا ڈیوٹی کے لئے بنایا ہے۔ اور اس کا اسی ڈیوٹی پر قائم رہنا اس کی اطاعت ہے مثلاً سورج کو چرخِ چہارم پر ایک متعین رفتار سے ایک خاص جہت پر متحرک رہنے کے لئے بنایا ہے تو وہ اس پر بالکل قائم اور برقرار ہے اسی طرح چاند اپنی معین رفتار پر قائم ہے۔ زمین پیداوار اگانے کے لئے ہے تو وہ اس پر قائم ہے گویا موجوداتِ عالم کا ذرہ ذرہ اپنی معین ڈیوٹی سے سرمو ادھر ادھر نہیں ہو سکتا پس اگر یوں کہا جائے کہ اس نے سورج کو گردش کا حکم دیا تو سورج نے لبیک کہی اس نے چاند کو معین رفتار کے ماتحت آسمانِ اول پر سیر کا حکم دیا تو اس نے جی ہاں میں جواب دیا اور اس نے زمین کو پیداوار اگانے کی فرمائش کی تو اس نے لبیک کہی وعلی ہذا القیاس تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی سوال و جواب ہوئے بلکہ یہ تو مقصد کو واضح کرنے کے لئے ان کی

اطاعتِ تکوینیہ کی زبانِ حال سے ترجمانی ہے اور بس اسی حیثیت سے تمام غیر ذی روح موجودات کا اس کی اطاعت میں تکویناً جھک جانا اور تابع فرمان ہونا ان کی عبادت ہے اور یہی ان کی معرفت ہے اور اسی کو ان کی زبانِ حال کی تسبیح و تقدیس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے فرمایا یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان کی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور جو ذی روح موجودات ہیں ان میں جن کو زیورِ عقل و فہم کی دولت سے محروم کیا گیا ہے یعنی حیوانات وغیرہ ان کی بھی اطاعت اطاعتِ تکوینیہ ہے اور سجدہ ان کا سجدۂ تکوینی ہے۔ اسی طرح ان کی تسبیح و تقدیس سب تکوینی حیثیت سے ہیں جس طرح ایک کرسی اپنی بے زبانی سے اپنے بنانے والے کا اقرار کر رہی ہوتی ہے اور اپنی صفائی و خوبی کے پیشِ نظر اپنے بنانے والے کی ثناخوان ہوتی ہے۔

اب رہا ان ذی روح موجودات کا قصہ جو عقل و فہم کی نعمت سے آراستہ ہیں جیسے جن و انس و ملک وغیرہ تو ان کا خلقی پہلو تو اس کا اطاعت گذار ہے تکویناً مثلاً اس نے دو ہاتھ دیئے۔ دو پیر دیئے۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک ناک اور ایک زبان وغیرہ بہر کیف جس رنگ و ہیئت اور جس اندازہ و کیفیت سے اس نے چاہا بنایا۔ عقل و فہم عطا کیا۔ دل و دماغ مرحمت فرمایا۔ اور حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ عطا فرمائے بہر حال اس چیز میں وجودِ انسانی میں نہیں چوں کرنے کی کوئی جرأت نہیں۔ اس نے جیسا بنایا یہ ویسا بنا اور اس کی یہ ہیئتِ کذائی۔ اس کی شکل و شباہت اس کی وضع قطع اور اس کی صحت و توانائی بلکہ جملہ حالاتِ زندگی اور ادوارِ بچپن و جوانی و ضعیفی اپنے خالق کی اپنی زبان بے زبانی سے ثناخواں ہیں۔ اپنے مالک قادر و حکیم کے سامنے عابد و ساجد ہیں۔ پس جسمِ انسان کے خون کا ہر قطرہ گوشت و پوست کا ہر ذرہ رگ رگ پٹھہ پٹھہ بال بال اور پورے ڈھانچے کا ہر ہر حصہ اپنے اپنے مقام پر اپنے خالق یکتا کی قدرت و صنعت اور حکمتِ خلقت کا حامد و مادح ہے اور معترفِ عجز و نیاز ہے اور اس اعتبار سے دشمنانِ خدا بلکہ مدعیانِ خدائی بھی اس کے معترف و ثناخوان تھے اور اس کے سامنے اپنی تکوینی حیثیت سے عجز و انکساری کے حامل تھے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے پس قرآنِ مجید کا یہ دعوےٰ کہ ہر شے اس کے سامنے سجدہ کناں ہے یا زمین و آسماں میں بسنے والی تمام مخلوق اس کی تسبیح گذار ہے۔ درست ہے۔ اس پر اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ فرعون و شداد و نمرود و دیگر خدائی کے مدعیان کب اس کے تسبیح گذار تھے؟ کیونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ تکوینی طور پہ اس کی تمام مخلوق اس کے سامنے ساجد اور اس کے خوف سے لرزاں ہے اپنی زبان بے زبانی سے یا ہیئتِ کذائیہ سے اس کی تسبیح و حمد گذار ہے خواہ کافر ہی ہو لیکن ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تکوینی اطاعت موجب جزا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ قہری و اضطراری ہوا کرتی ہے پس اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے تمام انسانوں کو عقل و فہم عطا کر کے اپنے ارادہ و اختیار سے اطاعت و عبادت کی دعوت دی ہے۔ پس اس کے یہ اوامرِ تشریعیہ ہیں اور اس بارہ میں اس کا ارادہ تشریعیہ ہے اور انسان کی ان کے ماتحت اطاعت بھی اطاعت تشریعیہ ہوگی اور یہی اطاعت جزا کا استحقاق رکھتی ہے اور اس مقام پر نافرمانی سزا

کا استحقاق رکھتی ہے۔

ارواح سے اقرار اطاعت

ہم نے ثابت کیا ہے کہ تمام سلسلہ موجودات خالق کائنات کے سامنے ماضی و حال و استقبال کے تمام ادوار کے ساتھ ساتھ بیک وقت اس کے سامنے موجود و حاضر ہے اور اس سے کسی وقت بھی کوئی فرد موجود غائب و دور نہیں ہے۔ پس تمام عقول بشریہ اور نفوس انسانیہ بیک وقت اس کی قدرت کاملہ کے سامنے اپنے انتہائی عجز کے ساتھ اس کے وجود کے معترف بھی ہیں اور اس کے ثناخوان بھی۔ خواہ کفار کے ارواح ہوں یا مومنوں کے لیکن انسان کو عقل و ارادہ اور فہم و اختیار دینے کے بعد اس کو خصوصی مکلف کیا گیا ہے کہ تکوینی اطاعت سے قدم آگے بڑھائے اور تمام تکوینیات میں پورے غور و خوض کے بعد اپنے اختیار و ارادہ سے بھی اس کی ثنا خوانی کا فریضہ ادا کرے اور اس کے سامنے اپنے کمال عجز کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو اور انسان کو عقل و شعور کی طرف سے یہ فطری دعوت بھی خداوند کریم کی جانب سے صدلئے بازگشت ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اسی عقلی عہد و پیمان کی تجدید ہے۔ جو انسان نے فضائے عقل میں حالات پس و پیش کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ پس گویا اس نے تمام عقولِ انسانیہ اور نفوسِ بشریہ سے دریافت کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے زبان عجز و انکساری سے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہاں بے شک تو ہمارا خدا ہے۔

ہم نے پہلے مفصل بیان کیا ہے کہ سلسلہ موجودات کی ہر کڑی خالق موجودات کے سامنے ازل سے ابد تک ہر وقت یکجا موجود ہے اور وہ ان کے تمام جزوی حالات کو جانتا ہے۔ گذشتہ آئندہ اور موجودہ تمام افراد ممکنات اس کے علم ذاتی کے سامنے حاضر ہیں کہ اس سے کوئی بھی غائب نہیں، پس تمام نفوس بشریہ بمعیت عقل جو بارگاہِ قدسِ ایزدی میں بیک وقت موجود ہیں۔ ان سے قدرت اپنے خاص انداز میں گویا ہوئی کہ کیا میں تمہارا سب کا رب نہیں ہوں تو یہ انسان سوچ سمجھ کر عقل و فکر سے کام لے کر پکار اٹھا۔ واقعی تو ہمارا رب ہے۔ یعنی ظاہری جسموں اور جسمانیات سے الگ ہو کر صرف نفوسِ انسانیہ سے ہی میثاق لیا گیا اور مادیات کی دنیا سے الگ تھلگ ہو کر بات چیت ہوئی۔ گویا نفس انسانی نے گوشِ عقل سے ندائے پروردگار کو سنا اور زبان عقل سے اس کا اعتراف کیا اور دنیا میں وجودِ ظاہری جسمانی کا لباس اوڑھنے کے بعد خواہشات و شہوات کے شکنجوں میں پھنس کر انسان ضد و معاندت کو اپناتے ہوئے انکار پر تل گیا ورنہ عقل انسانی تو کسی وقت بھی اس کئے ہوئے عہد سے پشیمان نہیں ہوتی۔ اگر شہوت و خواہش کے بھوت اتر جائیں تو عقلِ انسانی فوراً حقیقت کی طرف عود کرنے میں ذرہ بھر پس و پیش نہ کرے گی۔

اور علامہ محسن فیض تفسیر صافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عالم مثال میں مثالی اجسام نے اپنی ملکوتی زبانوں سے جواب دیا ہو کیونکہ مخلوق عالم کے ہر ذرہ ذرہ میں لسانی ملکوتی موجود ہے جو اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید اور تمجید و توحید بیان کرتی ہے اور یہی لسان ملکوتی تھی جسکے ذریعے سے حضرت رسالتمآب کے دست حق پرست پر سنگریزے بولتے تھے اور اسی ملکوتی

زبان سے بروزِ حشر زمین گویا ہوگی جیسا کہ فرماتا ہے۔ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا اور اسی ملکوتی زبان سے انسانی اعضا کو بیان دینا ہوگا۔

نتیجہ:۔ اس قدر تفصیل کرنے کے بعد یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ پہلے اور دوسرے قول میں منافات نہیں ہے بلکہ پہلے قول کو دوسرے پر ڈھالا جاسکتا ہے اور حضرت آدم کی پشت سے تمام اولادِ آدم کو ظاہر کرکے ان سے اقرار لینا اسی تاویل کے ماتحت مراد لیا جاسکتا ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

اقرارِ نبوّت و امامت

تکوین و تشریع کے معانی سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ مخلوقات میں سے جو نعمتِ عقل سے خالی ہیں خواہ ذی روح ہوں یا غیر ذی روح ہوں ان سب کا اقرارِ ربوبیت تکوینی ہے اور عقل والی مخلوق کا اقرار ربوبیت تکوینی تو ہے ہی بلکہ خود عقل بھی تکوینی طور پر اس کا معترف ہے لیکن اب جسم و مادہ کا روپ دھار لینے کے بعد روحِ انسانی سے اس کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے جو علیحدہ علیحدہ قوائے بدنیہ اور عقل کرچکے ہیں کہ اب اجتماعی صورت میں بھی شہوت و خواہش سے الگ ہو کر غفلت کا پردہ اٹھا کر یا باپ دادا کی تقلید سے بے نیاز ہو کر اسی عہد پر کاربند ہوں جو کرچکے تھے۔

اس مقام پر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک تکوین کا تعلق تھا وہاں تو صرف مکوّنِ یعنی خالق کا اعترافِ ربوبیت و وحدانیت کافی تھا لیکن عقل کی دولت عطا ہونے کے بعد جب اطاعتِ تکوینی کے علاوہ انسان سے اطاعت اختیاریہ و ارادیہ کا مطالبہ ہوا تو اب صرف اس کے اقرار کی حیثیت اس کے صانع ہونے تک محدود نہ رہی اور اس کی اطاعت صرف تکوینی اطاعت تک بند نہ رہی بلکہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے اعمال و کردار کو اس کی ہدایات کے ماتحت کرنا ہی اطاعت ہوگی کیونکہ تکوینی اطاعت بے عقلی اور قہری و جبری ہونے کی حیثیت سے قابلِ مدح نہیں اور نہ موجب جزا ہے اور نہ شایانِ شان نعمتِ عقل ہے اور اس کے برعکس اختیاری اطاعت قابلِ تعریف بھی ہے اور موجب جزا بھی نیز انسان کی عقلی حیثیت کے مناسب بھی ہے اور اشرف المخلوقات کی پوزیشن کے شایانِ شان بھی۔

پس جب ارواحِ انسانیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز کو گوشِ عقل سے یا سماعِ ملکوتی سے یا اندازِ حال یا طریقِ فطرت سے سنا تو فوراً زبانِ عقل یا لسانِ ملکوتی یا زبانِ حال یا لہجۂ فطرت سے جواب دیا بلٰی۔ کہ واقعی بلاشک تو ہمارا پروردگار ہے اب اقرارِ اطاعت کے بعد عقل یا ملکوت یا حال یا فطرت کے کان نے دوسری آواز فوراً سنی اَلَيْسَ مُحَمَّدٌ نَبِيَّكُمْ۔ کیا محمد تمہارا نبی نہیں ہے۔ تو چونکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی ایسا رابطہ موجود نہیں جس کی بدولت یہ ظلمانی مخلوق ذاتِ اقدس الٰہیہ کے فیوض سے مستفیض ہوسکے اور اس کے اوامر و نواہی سے اطلاع پاکر اس کی خوشنودی کی حد تک پہنچ سکے اور اپنے کئے ہوئے عہد کی ایفا کرسکے پس عقولِ انسانیہ اور نفوسِ بشریہ گویا اقرارِ ربوبیت کے بعد اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ اطاعت کا طریقہ کیا ہوگا اور وعدہ کی ایفا کس طرح ہوگی تو فوراً نبوت کا طریقہ سوجھا کہ خدا اور ہمارے درمیان ایسی ذات ہو جو وہاں سے لائے

اور ہم تک پہنچائے تاکہ ہم اس کی اطاعت کرکے اپنے عہد سے وفاداری کریں پس نبوت کی تجویز پر زبانِ ملکوتی زبانِ حال و زبانِ فطرت یا زبانِ عقل فوراً بول اٹھی بے شک ٹھیک ہے اور ہمیں منظور ہے کہ اطاعت پروردگار طریقہ ان سے حاصل کرکے خوشنودیٔ خدا تک پہنچ سکیں گے۔ اب فوراً یہ سوال بھی پیدا ہوتا تھا کہ نبی اگر رحلت کر جائے تو ان کے بعد نظامِ شریعت کی باگ ڈور بھی تو کسی کے ہاتھ میں ہونی ضروری ہے۔ پس فطرت و عقل اس کشمکش میں تھے کہ خالق کائنات کی آواز سنائی دی کہ اِنَّ عَلِیًّا امیرالمومنین۔ یعنی تحقیق علیؑ مومنوں کا امیر ہے تو فطرت و عقل کی زبانیں کہیں یا لسانِ ملکوتی بشری نے فوراً لبیک کہی پس اس طرح سے میثاقِ ازلی میں اقرارِ توحید و رسالت و امامت کا عہد نامہ ہوا اور ملائکہ نے شہادت دی اور یہی دینِ فطرت قرار دیا گیا اور اسی کے ماتحت احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ خداوند کریم نے روزِ ازل سے یہ اقرار لئے تھے۔

پہلے پہل جب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی صدا آئی تو تمام مخلوق سے سبقت کرتے ہوئے روحِ محمدی نے جواب دیا بلیٰ تو ان کو تمام کائنات کا سرتاج و شہنشاہ قرار دیا گیا لہٰذا دوسرے نمبر پر آئمہ اثنا عشر نے (یعنی علیؑ سے مہدیؑ تک) کہا بلیٰ۔ تو ان کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰؐ کے اوصیاء اور تمام مخلوقاتِ عالم سے افضل قرار دیا گیا پھر تیسرے نمبر پر انبیاء نے علیٰ حسب المراتب بالترتیب اقرار کیا تو ان کو اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے عہدۂ نبوت تفویض کیا گیا اور باقی تمام انبیاء سے سید الانبیاء کی نبوت اور ان کے اوصیاء کی ولایت کا عہد بھی لیا گیا جو دلیلِ عقل کے عین مطابق اور نقل کے بھی عین موافق ہے اور باقی عام مخلوق سے انبیاء کی اطاعت کا عہد بھی لیا گیا۔

اقرارِ ازلی کے متعلق روایات

۱۔ تفسیر برہان میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خداوند کریم نے پشتِ آدمؑ سے تمام ہونے والی مخلوق کو نکال کر اپنی ربوبیت کے مظاہر و مناظر دکھائے تو انہوں نے اقرار کیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ قطعاً اقرار نہ کرتے اور فرمایا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی فطرتِ معرفت پر کہ اللہ ہی میرا خالق ہے۔ اسی بناء پر تو فرماتا ہے کہ مشرکین سے پوچھا جائے زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ تو وہ کہیں گے اللہ۔

۲۔ بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا آپ کو تمام انبیاء سے کیوں فوقیت حاصل ہے تو فرمایا روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ندا آئی تو تمام انبیاء سے سبقت کرکے پہلے پہل میں نے کہا تھا بلیٰ۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے فطرت کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا فطرت سے مراد اسلام ہے اور اسی فطرت پر لوگ پیدا ہوتے ہیں فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا اور میثاقِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کا بھی یہی مطلب ہے۔

۴۔ بروایت حمران حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے پہلے خطابِ عام ہوا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو سب نے کہا بلیٰ۔ پھر تمام انبیاءؑ سے میثاق لیا گیا الست بربکم وان ھٰذا محمد رسولی وان ھٰذا علی امیر المومنین! یعنی

اپنی ربوبیت حضرت محمد مصطفیٰ کی رسالت اور حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ولایت کے متعلق پوچھا تو سب نے ہاں میں جواب دیا۔ پس ان کو عہدۂ نبوت سے سرفراز کیا گیا الخ۔

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو امیرالمومنین کیوں کہا گیا ہے تو فرمایا روزِ میثاق خدا نے اقرار ہی آدم سے اس طرح لیا تھا۔ الست بربکم وان محمداً رسولی وان علیاً امیرالمومنین۔

۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے پہلے بلیٰ حضرت رسالتمآبؐ نے کہا تھا۔ اس لیے کہ ان کی روحانی منزل خداوندکریم کے بہت زیادہ قریب تھی یہی وجہ ہے کہ شبِ معراج اس مقام قرب پر پہنچے کہ جبریل نے کہہ دیا تھا۔ یا محمد لقد وطئت موطئاً لم یطأہ احد قبلک لا ملک مقرب ولا نبی مرسل اے محمد آپ اس جگہ پہنچے ہیں کہ آپ سے قبل یہاں نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکا اور نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہی وجہ تھی ورنہ اگر نفس و روح کو اس قدر قرب منزل نہ ہوتا تو اس قدر منزلِ رفیع پر کیسے پہنچ پاتے۔ پس اب قرب منزلت اس حد کو پہنچ گیا جس طرح قرب مکان میں کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں سے دو کمان کے فاصلہ پر ہے یا اس سے بھی قریب ہے یعنی منزل توحید کے اس قدر قریب تھے کہ اس کے بعد کوئی قرب کی منزل باقی نہ تھی۔ بلکہ اس کے آگے صرف وحدت ہی وحدت تھی اور بس۔ آپ نے فرمایا روزِ میثاق کے اقرار میں اللہ کی ربوبیت اور تمام انبیاء کی نبوت اور حضرت امیرالمومنین اور باقی آئمہ کی امامت کا عہد لیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ وَمُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ وعلی امامکم والائمۃ الھادین ائمتکم قالوا بلیٰ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں اور محمد مصطفیٰ تمہارا نبی نہیں اور علی تمہارا امام نہیں اور آئمہ ھدیٰ تمہارے امام نہیں؟ تو سب نے کہا ہاں بے شک ایسا ہی ہے کہ تو رب ہے محمد نبی ہے علی اور باقی آئمہ ھدیٰ ہمارے امام ہیں۔ پہلے پہل خداوندکریم نے انبیاء سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا چنانچہ فرمایا وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ پھر افضل انبیاء کے نام بھی لیے اور فرمایا وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ اور حضور رسالتمآبؐ چونکہ سب سے افضل تھے اس لیے ان کا ذکر مقدم کیا۔ الخ۔

۷۔ امالی شیخ سے منقول ہے وہ اپنی سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے زمانۂ حکومت میں حج کا طواف شروع کرتے ہوئے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں۔ حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت رسالتمآبؐ تیرے اوپر مہربان تھے۔ اگر میں نے ان کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا راوی کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام حج کرنے والوں میں موجود تھے تو فرمایا ہاں۔ خدا کی قسم یہ نفع و نقصان دے سکتا ہے۔ عمر نے پوچھا یہ کیسے اے ابوالحسنؑ۔ آپ نے فرمایا کتاب خدا کا فیصلہ اسی طرح ہے۔ عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کتاب خدا کے عالم ہیں۔ لیکن فرمائیے کتاب خدا میں یہ بات کہاں ہے تو آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ (الآیہ) آپ نے فرمایا کہ جب خداوندکریم نے حضرت آدم کو خلق فرمایا تو

اولادِ آدمؑ کو اس کی پشت سے نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور تمام اقرار کرنے والے بندوں کے عہد ایک ورق میں درج کر کے حجرِ اسود کو بطورِ امانت سپرد کئے گئے اور اس کو حکم ہوا کہ جو اس عہد کی وفا کرتے ہوئے تیرے پاس آئے تو اس کی بروزِ قیامت گواہی دینا۔ پس یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ اترا اور اس کو اپنے مقام پر رکھ دیا گیا۔ خلقتِ آدمؑ سے قبل ملائکہ اس گھر کا طواف کرتے تھے پھر حضرتِ آدمؑ نے حج کی پھر حضرت نوحؑ نے حج کی پھر یہ گھر گر گیا اور پتھر کو کوہِ ابوقبیس میں محفوظ رکھ دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دوبارہ تعمیر کی تو وحیٔ خداوندی کی ہدایت کے ماتحت پتھر کو کوہِ ابوقبیس سے نکال کر اسی مقام پر نصب کیا اور یہ جنت سے لایا گیا تھا۔ حضرت نے اپنے بیان کو ختم کیا تو عمر کہنے لگا۔ لَا عِشْتُ فِی اُمَّةٍ لَسْتَ فِیْهَا یَا اَبَا الْحَسَنِ یعنی خدا اس قوم میں لیسا مجھے نہ رہے جس قوم میں تو اے علیؑ موجود نہ ہو۔ (اقول) روایاتِ سابقہ بیان کردہ تاویل کے ماتحت میثاقِ بنی آدمؑ کا حجرِ اسود کو بطورِ امانت سونپے جانے کا مقصد یہ ہوگا کہ حج پر انہی لوگوں نے ہی توجانا ہوتا ہے جو اپنے میثاق پر ثابت قدم رہے ہیں اور خدا اور رسول و اہلبیتؑ کے بیان کردہ طریق پر گامزن ہو کر مناسک ادا کریں۔ لہٰذا حجرِ اسود بروزِ قیامت ان کے وفائے عہد کی گواہی دے گا۔ چنانچہ حجرِ اسود کی گواہی کی صراحت اسی مطلب پر ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہے۔

۸۔ بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت علیؑ کا لقب کب سے امیر المومنین ہوا تو اس کے حق کا انکار نہ کرتے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ آپ خود ہی فرما دیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ لقب اس دن سے ہے جب روزِ میثاق کا عہد لیا گیا۔ فرمایا وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیُّكُمْ وَاَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس کے بعد فرمایا هٰذَا وَاللّٰهِ جَاءَ بِهَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یعنی حضرت رسالتمآبؐ نے اس کی تفسیر و تاویل اس طرح بیان فرمائی تھی

۹۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ بروزِ میثاق تمام امت میرے اوپر پیش ہوئی۔ پس میری نبوّت کا پہلا اقرار کرنے والا شخص علیؑ ہے اور وہی پہلے پہل میری تصدیق کرنے والا ہے جب میں مبعوث ہوا ہوں اور وہی صدیقِ اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو حق اور باطل میں فرق کرے گا۔

(۱۰) اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ابن کوا حاضر ہوا اور عرض کی فرمائیے کہ حضرت موسٰیؑ سے پہلے بھی خداوند کریم نے اولادِ آدم میں سے کسی سے کلام کیا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس نے تمام بندوں کے ساتھ بلا امتیازِ نیک و بد سے کلام کیا ہے اور انہوں نے جواب دیا ہے تو یہ سن کر ابن کوا حیران ہوا اور اس کو حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ پس عرض کرنے لگا یہ کیسے؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی پھر آپ نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بندوں نے اس کی ربوبیت کا اور اطاعت کا اقرار کیا اور

maablib.org

پھر رسولوں نبیوں اور وصیوں کو علیحدہ کر کے لوگوں سے ان کی اطاعت کا عہد لیا چنانچہ سب نے اقرار کیا۔ پس فرشتوں نے اس پر شہادت دی تاکہ مبادا عذر کریں کہ ہم غافل تھے یا ہمارے باپ دادا مشرک تھے لہٰذا ہم ان کے پیچھے چلے گئے (برہان)

بہر کیف تمام روایات کی تاویل سابق کے ساتھ کوئی منافات نہیں ہے اور اس بارے میں روایات بکثرت وارد ہیں

۱۱۔ تفسیر برہان میں بطریق اہل سنت کتاب الفردوس ابن شیرویہ سے بروایت حذیفہ یمانی مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اگر لوگ جانتے کہ حضرت علیؑ کا نام کب سے امیر المومنین ہوا تو اس کی فضیلت کا انکار نہ کرتے فرمایا ان کا امیر المومنین نام اس وقت سے ہے جب حضرت آدمؑ روح و جسد کے درمیان تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی۔ پس سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور فرشتوں نے بھی اقرار کیا تو فرمایا۔ انا ربکم ومحمد نبیکم وعلی ولیکم وامیرکم۔

۱۲۔ اصول کافی باب نکت فی الولایۃ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ولایتنا ولایۃ اللہ التی لم یبعث نبی قط الا بہا۔ یعنی ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کہ کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں ہوا۔

۱۳۔ آپ نے فرمایا ما من نبی جاء قط الا بمعرفۃ حقنا وتفضیلنا علی من سوانا یعنی کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ وہ ہمارے حق کی معرفت رکھتا تھا اور ہمیں اپنے تمام ماسوا پر فضیلت دیتا تھا۔

۱۴۔ امام موسےٰ کاظمؑ نے فرمایا ولایۃ علی مکتوبۃ فی جمیع صحف الانبیاء ولن یبعث اللہ رسولا الا بنبوۃ محمدؐ ووصیۃ علیؑ یعنی حضرت علیؑ کی ولایت تمام صحف انبیاء میں فرض کی گئی ہے اور خدا نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر حضرت محمد مصطفےٰؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی وصایت کے ساتھ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ
اور پڑھ ان پر قصہ اس کا جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں پس نکل گیا ان سے پس پیچھا کیا اس کا

۱۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت علیؑ کو اپنے اور مقام مخلوق کے درمیان ایک علامت مقرر فرمایا کہ جو اس کی معرفت رکھے وہ مومن اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر اور جو اس سے جاہل ہو وہ گمراہ اور جو اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے وہ مشرک ہوگا اور جو اس کی ولایت کے ساتھ پیش ہوگا وہ جنتی ہوگا۔

۱۶۔ اہلسنت کی کتاب ینابیع المودۃ ملا سلیمان حنفی نقشبندی سے روایت کی جاتی ہے لم یبعث نبی قط الا بولایۃ علی بن ابیطالب یعنی کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر ولایت علی ابن ابی طالب کے ساتھ۔

بہر کیف اس مضمون کی روایات کتب معتبرہ میں بکثرت موجود ہیں لیکن راہ گم گشتگان کی ہدایت اور اہل ولاء کے نور ایمان کی جلا کے لئے اسی قدر کافی ہیں۔

بلعم بن باعورا

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ۔ تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ بلعم بن باعورا کو اسم اعظم دیا گیا تھا اور وہ جو دعا مانگتا تھا مستجاب ہوتی تھی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور آخر کار فرعون کی طرف مائل ہو گیا اور دین سے خارج ہو گیا۔ جب فرعون نے حضرت موسےٰ اور قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو فرعون نے بلعم بن باعورا سے استدعا کی کہ موسےٰ اور اس کے اصحاب پر بد دعا کرو تا کہ وہ ہم سے بھاگ نہ سکیں اور ہم ان کو پکڑ لیں۔ پس یہ اپنی گدھی پر سوار ہوا اور آگے جانے کا ارادہ کیا لیکن اس کی گدھی نے آگے جانے سے انکار کر دیا تو اس نے اس کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ مر گئی لیکن آگے کو قدم نہ بڑھایا اور مار کھاتے ہوئے اس نے آگے نہ چلنے کا عذر بھی پیش کیا تھا۔ اور وہ یہ کہ خداوند کریم نے اس کو طاقت گویائی عطا کی اور اس نے کہا مجھے کیوں مارتا ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ چل کر خدا کے نبی اور مومن بندوں پر بد دعا میں شرکت کروں۔ لہٰذا میں آگے قدم نہیں بڑھاؤں گی پس جب وہ مر گئی تو خداوند کریم نے اس کی زبان سے اسم اعظم کا اثر اٹھا لیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حیوانوں میں سے تین جانور جنت میں جائیں گے۔

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝۱۷۵ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا
شیطان نے تو ہو گیا گمراہوں میں ۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کرتے بوجہان
وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ
(ان آیات کے لیکن وہ جھک گیا طرف زمین کے اور پیچھے چلا اپنی خواہش کے تو اس
كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ
کی مثال کتے کی سی ہے۔ اگر اس پر حملہ کرو تو ہانپتا ہے یا اسکو چھوڑ دو تو ہانپتا ہے یہ مثال ہے

(۱) بلعم بن باعورا کی گدھی (۲) اصحاب کہف کا کتا (۳) ایک بھیڑیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا سپاہی بھیجا تھا تا کہ وہ ایک مومن قوم پر جبر و تشدد کرے اور ان کو عذاب میں مبتلا کرے جب سپاہی اس طرف گیا تو پیچھے اس کا لڑکا موجود تھا۔ بھیڑیے نے آکر اس سپاہی کے لڑکے کو پھاڑ لیا۔ پس اس ظالم سپاہی کے درد و غم میں مبتلا کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں جائیگا۔

(اقول) چونکہ اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ جنت ارادہ و اختیار سے اعمال صالحہ کرنے والے کے لئے ہے اور جہنم ارادہ و اختیار سے اعمالِ بد کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے ہے اور حیوانات سے کسی اچھے کام کا ظہور پذیر ہونا ان کے حسن اختیار یا سوءِ اختیار کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا اس لئے وہ دائمی جزا و سزا سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ احادیث اسی مطلب پر بکثرت موجود ہیں تو اس مقام پر کتے بھیڑیے یا گدھی کے جنت میں جانے کی روایت اگر صحیح ہے تو

لازماً اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ پس اس مقام پر ممکن ہے کہ ان حیوانات کی صفات خاصہ مراد ہوں اور مطلب اس طرح ہو۔

۱۔ کتے میں درندگی ہے بھونکنے کی عادت اور خست کا شیوہ ہے وغیرہ اور اصحاب کہف کی حفاظت کے پیش نظر اس نے درندگی کو چھوڑا کہ تعاقب کرنے والوں کو نہ کاٹا اور نہ ان کے کاٹنے کا ارادہ کیا اور بھونکنے کی صفت کو ترک کیا۔ تاکہ تعاقب کرنے والے اصحاب کہف کا پتہ نہ لگا لیں اور اصحاب کہف کا راز فاش نہ ہو تاکہ وہ مبتلائے تکلیف نہ ہوں۔ پس وفا کی خاطر اور خاصان خدا کی حفاظت کے پیش نظر اس نے ان بد عادات کو چھوڑا جو اس کی فطرت میں داخل تھیں۔ لہٰذا خدا کو پسند آیا تو کتے کے جنت میں جانے کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ انسان جو کتے کی سی عادات رکھتا ہو۔ کاٹنا۔ بھونکنا اس کی عادت ہو لیکن خاصان خدا کی حفاظت اور اہل ایمان سے وفاداری کے پیش نظر وہ اپنی عادات کو خیرباد کہہ کر شیوۂ وفا اہل ایمان کے ساتھ ہو جائے تو خدا اس سے سابقہ کرتوتوں کا مواخذہ نہ کرے گا اور وہ داخل جنت ہو گا۔

۲۔ گدھے میں ہٹ دھرمی ہے ہنگینا ہے اور کور باطنی ہے۔ ان ناپسندیدہ اوصاف کے باوجود اس نے نبی خدا اور مومنین کی حفاظت کے پیش نظر اپنے سوار کی اطاعت سے انکار کیا اور یہ صفت خدا کو محبوب ہے۔ پس اگر کوئی انسان گدھے کی سی صفات کا حامل ہی کیوں نہ ہو لیکن خاصان خدا کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک قربان کر دے تو اس کی سابقہ صفات بد کا مواخذہ نہ ہو گا اور آئندہ جنت میں داخل ہو گا۔

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو پس بیان کرو قصہ تاکہ وہ فکر کریں۔

يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۷۶ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

بُرے ہیں از روئے مثال وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۷۷ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ

کو اور اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے جس کو ہدایت دے اللہ تو وہ ہدایت یافتہ ہو

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۷۸

ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو وہ ہی خسارہ پانے والے ہیں

۳۔ بھیڑیئے میں درندگی اور جبارت ہے لیکن اس نے اسی صفت درندگی جبارت کو ایسے طریقہ سے استعمال کیا کہ مومنوں کا انتقام سپاہی سے ہو گیا۔ اگر کوئی انسان بھی اسی طرح بھیڑیئے کی سی درندگی و جبارت طبیعت میں رکھتا ہو لیکن اس درندگی و جبارت کو کنٹرول کر کے صرف دشمنان دین کے لئے عمل میں لائے تو وہ جنت میں داخل

ہوگا۔ گویا کتے بھیڑیئے اور گدھے کے جنتی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان جو ان حیوانی صفاتِ بد کا عادی ہو۔ اگر اپنی ذاتی و فطری عادات کو ترک کرے یا ان کو ایسی جگہ استعمال کرے۔ جہاں دین و ایمان کی ترقی و ترویج کا راز مضمر ہو اور دین والوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو یا دشمنانِ خدا کو نقصان ہو تو باوجود ان صفاتِ حیوانیہ کے بھی وہ داخلِ جنت ہوگا۔

وَلَوْ شِئْنَا [۱۷۶] ۔ یعنی وہ معرفت کے بلند زینہ پر فائز تھا اور اس کو خدا نے دلائلِ معرفت و براہین توحید بہت کچھ عطا فرمائی تھیں۔ اگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہتا تو اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بہت بلند ہوتا لیکن وہ پستی کی طرف مائل ہوا اور خواہشات کی اتباع کی پس گر گیا اور وَلَوْ شِئْنَا کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم مجبور کرتے تو وہ گمراہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہم تو دین پر برقرار رہنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتے بلکہ اختیار دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی و اختیار سے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہو گیا اور منزلہ رفیعہ سے محروم ہو گیا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیتِ مجیدہ کے مصداق میں اصل تو بلعم ہے لیکن اب اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ہدایت یافتہ ہونے کے بعد خواہشاتِ نفس کو ترجیح دے پس دین کو چھوڑ کر خواہش کے پیچھے چلے۔

یَلْهَثْ [۱۷۶] :۔ زبان باہر نکالنا اور ہانپنا۔ یہ صفت کتے کے لئے اس لئے ذکر کی ہے کہ باقی ہر حیوان بھی ہانپتا ہے لیکن تھکان کے وقت۔ لیکن کتا خواہ تھکا ہو یا نہ ہو۔ حالتِ آرام میں ہو چاہے بے آرامی میں یہ ہر وقت ہانپتا ہے۔ اس جگہ مثال دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کریں اور دیدہ دانستہ دینِ خدا کو چھوڑ کر خواہش کی اتباع کریں۔ ان کے لئے وعظ کرنے اور وعظ نہ کرنے کی دونوں صورتیں برابر ہیں جس طرح کتے کے ہانپنے میں تھکان کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں یکساں ہوا کرتی ہیں۔

اَلْقَصَصَ [۱۷۶] :۔ مصدر ہے اور مفعول مطلق واقع ہوا ہے۔

تنبیہ :۔ اگر آیتِ مجیدہ بلعم بن باعورا کے متعلق ہے تو پس اگر اس کا حضرت موسےٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنے جاتا ہی موردِ عذابِ خداوندی ہوا۔ ہو بمشکل سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ دعا کرتا یا اس نے دعا کی تو خداوند کریم کسی کی دعا کا پابند تو نہیں ہے وہ تو نبیوں کی دعا کو بھی رد کر سکتا ہے فرشتوں کی دعا کو بھی ٹھکرا سکتا ہے صرف بلعم کے پاس اسمِ اعظم کا ہونا خدا کو استجابتِ دعا میں مجبور تو نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے بددعا کی اور خدا نے اس کی دعا منظور کر لی اور حضرت موسےٰ کو بمعہ قوم کے تیہ میں سرگرداں کیا جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے اور غضبِ خدا کو جوش آیا تو بلعم سے اسمِ اعظم چھین لیا اور اس پر جہنم کو واجب کر دیا۔ کیوں نہ اس کی دعا کو ٹھکرا دیا اور اگر اسمِ اعظم کی موجودگی میں دعا نہیں ٹھکرائی جاتی تھی تو اس کے دعا مانگنے سے پہلے ہی اسمِ اعظم اس سے لیا ہوتا جب کہ اس کی نیت خراب ہو چکی تھی معلوم ہوتا ہے اس کی گمراہی کا سبب کوئی دوسری بات ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو رسول سمجھنے جاننے کے باوجود وہ فرعون کا ساتھی ہو گیا اور حضرت موسےٰ اور تمام اہلِ ایمان کا اعلانیہ دشمن بن گیا۔

پس جو بھی اس صفتِ بد کا ارتکاب کرے۔ وہ انہی آیات کا مصداق قرار دیا جائے گا۔ بعض کا قول ہے کہ آیت مجیدہ اُمیہ بن ابی الصلت ثقفی کے متعلق ہے جو شاعر بھی تھا اور کتب کے مطالعہ سے اس کو پتہ تھا کہ خدا رسول بھیجے گا تو وہ اسی طمع میں ہو گیا کہ میں ہی رسول بنوں گا۔ جب حضورؐ نے اعلانِ رسالت کیا تو وہ حسد کی آگ میں جل بھن کر کافر ہو مرا۔

بعض کہتے ہیں کہ ابو عامر بن نعمان راہب کے متعلق ہے جس کو حضورؐ نے فاسق کہا تھا واللہ اعلم۔ بہر کیف جو بھی دلائل و براہین کے بعد خواہشِ نفس کی پیروی کرے اور صراطِ حق کو چھوڑ دے خواہ کوئی بھی ہو وہ انہی آیات کا مصداق ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا :۔ مقصد یہ ہے کہ جو مخلوق ہم نے پیدا کی ہے۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں خواہ قوم جن سے ہوں یا قوم انسان سے جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت اور سوءِ اختیار سے جہنم کا راستہ لیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے ان کو ابتداً پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ جہنم میں جائیں پس لِجَهَنَّمَ کی لام عاقبت کے لئے ہے۔ یعنی ان کا انجام عاقبت جہنم ہو گی بوجہ ان کے سوءِ اختیار کے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ
اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لئے بہت سوں کو انسانوں اور جنوں میں سے کہ ان کے دل ہیں لیکن
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ
سمجھتے نہیں ان کے ذریعے اور ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ
سکتے نہیں ان سے ایسے لوگ مثل چوپاؤں کے بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں ایسے لوگ

لَهُمْ قُلُوبٌ :۔ ان کے سوءِ اختیار کی وضاحت ہے۔ یعنی انہیں تو جنت کی طرف لے جانے کے لئے دل دیئے تاکہ سمجھیں آنکھیں دیں تاکہ دیکھیں اور کان دیئے تاکہ سنیں لیکن وہ خواہشاتِ نفسانیہ کے چکر میں آ کر دل آنکھوں اور کانوں سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے ان کو یہ عطا ہوئے ہیں۔ پس اس سوءِ اختیار کے نتیجے میں وہ ظاہرا گو انسان ہیں لیکن درحقیقت حیوانات سے بھی بدتر ہیں اور غفلت نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے ورنہ اگر خدا نے ان کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہوتا۔ تو ان کے سوءِ اختیار پر ان کی مذمت کیوں کرتا اور ان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کیوں عطا فرماتا اور ان کو غافل کیوں کہتا۔

معلوم ہوا کہ ان کو جہنم میں وارد کرنے کا سبب ان کی اپنی ہی غفلت ہے۔

الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ :۔ یہ فقرہ قرآن مجید میں چار جگہ پر ہے۔ ایک یہی دوسرے سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں (۳) سورہ طٰہٰ کے شروع میں (۴) سورہ حشر کے آخر میں۔ اس کے نام کثیر ہیں مثلاً اللہ رحمن رحیم عالم قادر۔ قدیم حی۔ خالق۔ رازق سمیع بصیر وغیرہ اور حدیث نبویؐ میں ہے کہ خدا کے ۹۹ نام ہیں جو ان کو

یاد کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مجمع البیان میں یہ روایت صحیح مسلم سے منقول ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا جب تم پر کوئی مصیبت اترے تو ہماری بدولت اللہ سے مدد طلب کیا کرو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم وہ اسمائے حسنیٰ ہم ہیں جن کی معرفت کے بغیر کسی کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی۔

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جابر بن عبداللہ انصاری کہتا ہے میں نے جناب رسالتمآبؐ سے حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ تو میرا نفس ہے۔ پھر میں نے حسنؑ و حسینؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ میری روح ہیں پھر میں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ میری شہزادی ہے جو چیز اس کو تکلیف دے وہ مجھے رنج دیتی ہے اور جو چیز اس کو خوش کرتی ہے مجھے خوش کرتی ہے۔ پس ان لوگوں کا دشمن میرا دشمن ہے اور ان کا دوست میرا دوست ہے اے جابر، اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ سے دعا مانگے اور تیری دعا قبول ہو تو ان کے ناموں کے وسیلہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ خدا کے محبوب ترین نام ہیں

ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا ص وَ
ہی غافل ہیں — اللہ کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں پس پکارو اس کو ان سے اور چھوڑ دو ان کو
ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ط سَیُجْزَوْنَ مَا
جو کجروی کرتے ہیں اس کے اسماء میں ان کو بدلہ ملجائے گا جو عمل کرتے ہیں
کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ
اور جو ہم نے پیدا کیے ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی طرف
یَعْدِلُوْنَ ۝ ع
بلاتے ہیں اور حق کا فیصلہ کرتے ہیں۔

فَادْعُوْہُ بِھَا: خداوند کریم کے اسماء حسنیٰ اپنے اپنے مقام پر سب اسماء عظمیٰ ہیں اور ہر نام اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے عبد کی دعا مستجاب ہوا کرتی ہے لیکن دعا کا معنی صرف تلفظ لسانی نہیں کہ رٹ لگاتا رہے خواہ دل و زبان میں موافقت ہو یا نہ ہو اور خواہ عمل اپنی زبان کی مطابقت کرتا ہو یا نہ۔

جو انسان چاہے کہ میرے ہاتھ میں اسم اعظم آجائے اور میری دعائیں مقبول ہوں۔ اس کے لئے بہت زیادہ جہاد نفس کی ضرورت ہے اور اس مرحلہ عظیمہ و منزلہ رفیعہ پر قدم رکھنا اس وقت ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ جب جہاد نفس میں کسی حد تک فتح یابی سے ہمکنار ہو۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ اللہ کے اخلاق اپنے میں پیدا کرو اور اسی کے اخلاق سے خود کو آراستہ کرو، اور کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) یہ تو دل ہر ایک کا چاہتا ہے کہ

وہ میرا ہو جائے اور جو چاہوں اس سے منواؤں۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ پہلے میں بھی تو اس کا ہو جاؤں کہ وہ جو چاہے مجھ سے منوالے۔ کسی شخص نے معصوم سے پوچھا کہ خدا کی ہمارے ساتھ کس قدر محبت ہے۔ آپ نے جواب دیا جتنی تیرے دل میں اس کی محبت ہے اگر چاہے کہ میں مرتبۂ کمال حاصل کروں تو خدا کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو لے اور اپنی ذات کو اس میں جذب کر لے۔ جب اس کی ذات پورے طور پر اس صفت میں جذب ہو جائے گی تو وہ صفت اس میں جذب ہو جائے گی اور وہی اس کے لیے اسمِ اعظم ہو گا۔ مثلاً خدا کی صفت ہے صادق۔ اب صرف یا صادق یا صادق کا زبانی ورد۔ اس میں اسمِ اعظم کے اثرات نہیں پیدا کرے گا جب تک اس میں جذب نہ ہو گا اور اس صفت میں جذب ہونے کا مقصد یہ ہے کہ سرتاپا اپنے وجود میں اس صفت کے پیدا کرنے کی کوشش کر لے۔ آنکھ میں صداقت ہو جھوٹ نہ آئے۔ کان میں سچائی بھر جائے۔ جھوٹ اس کے قریب نہ بھٹکے۔ زبان میں صدق۔ دل میں صدق۔ ہاتھوں میں صدق۔ پیٹ میں صدق۔ رفتار و گفتار میں صدق حتیٰ کہ اپنے پاس کذب و جھوٹ کا شائبہ تک نہ آنے دے اور اس سلسلہ میں انسان کو جہادِ اکبر کرنا پڑتا ہے اور وہ ہے جہادِ نفس اور جب یہ دشمن یعنی اپنا نفس مغلوب ہو جاتا ہے تو پھر اس کے اوپر صرف اللہ کی حاکمیت ہی ہو گی اور عبد و معبود کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہے گا اور دعا کی مقبولیت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ پس اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ تقدیر ہوں گے۔

اسی طرح اگر لفظ رحمٰن و رحیم کو اپنے لئے اسمِ اعظم بنانا چاہے تو صفتِ رحمت میں جذب ہونا پڑے گا۔ اور من و عن سارے وجود کو اسی صفت کے رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہو گی وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اللہ سبحانہٗ کی ہر صفت اور اس کا ہر نام اسمِ اعظم ہے۔ اگر اس کا صحیح ورد کیا جائے اور صحیح ورد سے مراد لقلقۂ لسانی نہیں بلکہ اس کے وجود کی رگ رگ۔ پٹھہ پٹھہ۔ ہڈی ہڈی اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کا بال بال بلکہ حرکت حرکت اور سکون سکون سے اسی نام کی صدا بلند ہو تو وہ نام کیوں نہ اسمِ اعظم ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کے پاس ایک اسمِ اعظم تھا۔ کسی کے پاس دو اور کسی کے پاس اس سے زیادہ اور آلِ محمدؐ کے پاس سب کے سب ہیں سوائے ایک کے کہ وہ ذات پروردگار کے ساتھ ہی مختص ہے۔ گویا انبیاء طاہرین علیہم السلام صفاتِ خداوندی میں سے ایک یا دو صفتوں میں جذبِ کامل رکھتے تھے۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سابق نبیوں کے پاس ہونے والی متفرق صفات کے جامع تھے۔ یعنی جو جو صفات ان کے پاس فرداً فرداً تھیں وہ ان کے پاس جمع تھیں اور غالباً فرمانِ نبوی کہ جو شخص آدم کو بمعہ علم کے نوح کو اس کی خشیت میں ابراہیمؑ کو اس کی خلت کے رنگ میں موسیٰ کو ہیبت میں عیسیٰ کو زہد میں۔ ایوب کو صبر میں اور یوسف کو جمال میں دیکھنا چاہے تو فَلْيَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ تو وہ علیؑ کے منہ کو دیکھے فَاِنَّ فِيْهِ تِسْعِيْنَ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْاَنْبِيَاءِ کیونکہ انبیاء کے خصائل میں سے اس کے پاس نوے خصلتیں ہیں جو کسی فردِ بشر میں جمع نہیں ہوئیں

سوائے اس کے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خصالِ انبیاء کا مجموعہ حضرت علیؑ میں تھا اور خصالِ انبیاء سے مراد صفاتِ انبیاء ہی ہیں اور نبی میں جو صفت ہے وہ لازماً صفاتِ خداوندی میں سے ہی ہوگی ورنہ مستحقِ مدح کیوں ہوتی نیز کسی نبی میں کسی صفت کا پایا جانا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ صفت اس میں پوری راسخ ہے اور اس میں کما حقہ جذب ہے ورنہ اگر صفت پائداری کی صورت میں نہ ہو تو وہ اس کی صفت نہیں کہی جاسکتی اور حضرت علیؑ میں صفات انبیاء میں سے نوے صفات کا پائیداری کے ساتھ ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مکمل آئینہ تھے۔ اور خدائی صفات میں سے جو صفت ان کی دسترس سے باہر اور خدا کے ساتھ مختص ہے وہ ہے الوہیت بمع صفاتِ نبوتیہ کے۔ یہ یاد رہے کہ جب ایک صفت وجودِ انسانی میں صفاتِ کمال میں سے رچ بس جائے تو وہ دوسری صفاتِ حسنہ کو خود بخود اپنی طرف جذب کرتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے ایک شخص حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی حضورؐ! میں گناہگار ہوں اور گناہوں سے بچنے کی کوئی عادت نہیں تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ وعدہ کرو کہ ایک برائی چھوڑ دو باقیوں سے میں نہیں روکتا تو اس نے عرض کی یہ بالکل آسان ہے اور ایک برائی میں چھوڑ دوں گا۔ آپ جو بھی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا بس جھوٹ نہ بولا کرو اور ہر روز ایک مرتبہ مجھے ملنے کے لئے آیا کرو۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ جب وہ گھر گیا تو شراب نوشی کی عادت نے مجبور کر دیا۔ جب جامِ شراب سامنے آیا پینے کا ارادہ کیا تو اسے خیال آیا اگر پیغمبر خدا کے سامنے جاؤں گا تو ممکن ہے آپ پوچھیں شراب پیا تھا۔ تو جھوٹ ترک کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں سچ کہنا پڑے گا اور شرمساری ہوگی۔ لہٰذا جام کو توڑ دیا۔ پھر دوسری بدکاری کے وقت بھی خیال سدِ راہ بن گیا۔ چنانچہ اس طریقہ سے وہ اپنی تمام برائیوں سے رک گیا۔

پس جو شخص صادق ہوگا وہ رحیم بھی ہوگا۔ وہ کریم بھی ہوگا۔ وغیرہ۔ پس انبیاء سابقین علیہم السلام ایک ایک یا دو دو صفاتِ قدسیہ میں مظہرِ خداوندی تھے اور حضرت علی علیہ السلام ۹۰ صفاتِ خداوندی میں یا بمطابق دوسری حدیث کے ستر صفاتِ خداوندی میں اس کے مظہر تھے اور یہ صفاتِ خداوندی ان کے لئے اسمِ اعظم تھیں۔ پس ان کی نظر اکسیر تھی۔ ان کا کلام اکسیر تھا اور ان کا ارادہ تقدیر تھا۔ اور خود ان کا اپنا نام بھی اسقدر اثر رکھتا ہے کہ اگر ان کے نام کے ساتھ پوری مانوسیت پیدا ہو جائے تو اسمِ اعظم ہے اور ہر مشکل و مصیبت میں کامیابی و کامرانی کا زینہ ہے۔ چنانچہ کتبِ مناقب میں آپ کے نام نامی کے اثرات و کرامات بہت کافی درج ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ حضرت علیؑ کا نام بھی صرف زبان تک محدود نہ رکھے بلکہ ان کی سیرتِ حسنہ کے سانچے میں اپنے وجود کو ڈھالنے کی کوشش کرے بہر کیف اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اسمِ اعظم ہے پس جو دعا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے مانگی جائے بشرطیکہ ان کی ولایت کا قائل ہو اور ان سے سچی محبت رکھتا ہو مقبول ہوگی۔

اور معصوم نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی جائے پھر محمدؐ و آلِ محمدؐ

maablib.org

پر درود بھیجا جائے اور پھر اپنی حاجات کا تذکرہ کیا جائے اور آخر میں بھی درود پڑھا جائے تو دعا ضرور مقبول ہوگی ہاں بعض اوقات دعا کا تاخیر میں پڑ جانا ردِ دعا کی علامت نہیں بلکہ اس میں مصلحت خداوندی کارفرما ہوتی ہے نیز بعض اوقات مطلوبہ چیز واقع میں نقصان دہ ہوتی ہے اس لئے بھی ظاہراً دعا مقبول نہیں ہوتی اور خداوند کریم آخرت میں اس کے بدلہ میں اس کو زیادہ سے زیادہ نعمات کرامت عطا فرمائے گا۔

نامِ علیؑ کی تاثیر

کتاب مجمع النورین صفحہ ۱۷ بروایت برسی عیون اخبار الرضا سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کسی طرف جا رہے تھے کہ خیبر کا ایک یہودی ہمسفر ہو گیا۔ پس سامنے ایک وادی تھی جس میں پانی گہرا تھا تو وہ یہودی پانی کے اوپر عبور کر کے چلا گیا۔ جب پار ہوا تو حضرت علی علیہ السلام کو اس نے صدا دی کہ اگر آپ کو وہ علم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو آپ بھی میری طرح عبور کر لیتے۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ پس آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی کی طرف ارشاد فرمایا تو وہ جم گیا اور آپ اوپر سے گذر کر پار ہو گئے۔ جب خیبری یہودی نے دیکھا تو قدموں پر گر کر عرض کی اے جوان! تو نے کیا پڑھا ہے کہ پانی خشک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پہلے تو بتا کہ تو نے کیا پڑھا تھا کہ پانی کے اوپر سے گذر آیا ہے؟ خیبری یہودی نے جواب دیا میں نے حضرت محمدؐ کے وصی کے نام کے ذریعے دعا کی تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا تو نے جس کا نام لیا تھا میں خود وہی وصیٔ محمدؐ ہوں۔ پس خیبری فوراً مسلمان ہو گیا

۲۔ بروایت برسی عمار بن یاسر سے منقول ہے میں نے آپ سے اپنے مدیون ہونے کی شکایت کی جب کہ آپ نے مجھ سے غمناک چہرہ دیکھ کر وجہ پوچھی تھی۔ آپ نے سامنے پڑے ہوئے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جاؤ یہ اٹھالو اور اپنا قرضہ چکا دو میں نے عرض کی آقا وہ تو پتھر ہے آپ نے فرمایا میرا واسطہ دے کر خدا سے دعا مانگو تو وہ اس کو سونا بنا دے گا۔ عمار کہتا ہے میں نے ویسے کیا تو واقعی وہ پتھر سونا بن گیا۔ پس آپ نے فرمایا اپنی ضرورت کے مطابق اس سے لے لو تو میں نے عرض کی آقا یہ کس طرح نرم ہوگا کہ میں اس سے توڑوں آپ نے فرمایا اے ضعیف الیقین اللہ سے میرے نام کا واسطہ دے کر دعا کرو تو وہ نرم ہو جائے گا۔ کیونکہ میرے ہی نام کی بدولت تو خداوند کریم نے داؤد پر لوہے کو موم کیا تھا۔ عمار کہتا ہے میں نے آپؑ کے نام سے دعا مانگی تو وہ موم ہو گیا اور میں نے اپنی ضرورت کے مطابق توڑ لیا اور باقی ویسے کا ویسا پتھر ہو گیا۔

حضرت علیؑ کا اپنا تصرف

مجمع النورین میں بروایت سید مرتضیٰ بالاسناد امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ صعصعہ بن صوحان بیمار ہوا اور حضرت علیؑ چند ہمسایہ کے ہمراہ اس کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ جب بیٹھ گئے صعصعہ اپنے مقام پر خوش ہوا تو آپ نے دیکھا وسطِ صحن میں ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا تھا آپ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر لا دو۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنی ہتھیلی میں رکھ کر دبایا ہاتھ کھولا تو وہ ناشپاتی تھی۔ پس ایک صحابی کو حکم دیا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کرو اور ایک حصہ

آپ نے اپنے ٹکڑے کو ہاتھ میں دبایا تو وہ سیب بن گیا۔ پھر اس کے بھی حسبِ سابق ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کیا گیا۔ آپ نے اپنے ٹکڑے کو ہاتھ میں دبایا تو وہ سیب کر دو اور مجھے بھی دو چنانچہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ایک ٹکڑا صعصعہ کو بھی دو اور ایک ٹکڑا مجھے بھی دو چنانچہ تقسیم کیا گیا۔ اور حضرت نے اپنے ہاتھ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں رکھ کر دبایا تو وہ پہلے کی طرح پتھر بن گیا اور آپ نے اس کو صحن میں پھینک دیا۔ صعصعہ نے ناشپاتی اور سیب کا اپنے حصے کا ٹکڑا کھایا تو بخار ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس قسم کی روایات بہت کافی ہیں صرف تبرک کے لیئے دو تین لکھ دی ہیں تاکہ مومنین کا ایمان تا

دُعا کی تاکید

بہر صورت انسان کو محمد و آلِ محمد کے واسطہ سے دعا میں بخل نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ دعا سے کنارہ کشی خال کو مبغوض ہے چنانچہ اصول کافی باب الدعا میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے عبادتوں میں سے دعا بہترین عبادت ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ کہا کر نہ کہ وہی ہوگا جو لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا دعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تحقیق اللہ کے نزدیک ایک درجہ و منزل ہے جو دعا سے ہی حاصل ہے اور منہ بند کر کے نہ مانگنے والا محروم رہا کرتا ہے اور فرمایا جو دروازہ بھی کھٹکایا جاتا رہے وہ آخر کھل ہی جایا کرتا

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا دعا مومن کی ڈھال ہے اور جو دروازہ بار بار کھٹکایا جائے وہ کھل ہی جایا کر

ایک روایت میں امام موسےٰ الکاظمؑ سے منقول ہے کہ دعا تقدیر کو بدل دیا کرتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ دعا کے بعد ہاتھوں کو منہ اور سر پر پھیر لیا کر نیز آپ نے فرمایا جب دعا مانگو تو یہ تصور کر لیا کرو کہ میری حاجت دروازہ پر ہے یعنی ابھی مجھ تک پہنچ جا گی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بار بار دعا مانگتا ہے اس کی آخر میں منظور و مقبول ہی ہو جایا کرتی ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چپکے سے دعا مانگنا آوازِ بلند دعا مانگنے سے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور آنکھوں میں آنسو آجائیں تو سمجھ لو دعا مقبول ہے۔ آپ نے فرمایا دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف کرنا چاہیئے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ خوفِ خدا سے رونا جہنم کے سمندروں کو خشک کر دیتا ہے (یعنی رو کر د کرنی چاہیئے)، ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو اپنی حاجت سے پہلے چالیس مومنوں کی حاجات کے لئے دعا کر گا تو اس کی دعا مقبول ہو گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس کی کوئی حاجت ہو تو پہلے درود پڑھے پھر اپنی حاجات کا ذکر کر اور آخر میں پھر درود پڑھے کیونکہ خدا اس سے اجل و ارفع ہے کہ دعا کی دو طرفوں کو قبول کرے اور درمیان کو قبول نہ کرے۔ کیوں کہ درود شریف نے ضرور ہی مقبول ہونا ہے۔ بس دعا کے متعلق اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔

کو قبول فرماتا ہے لہٰذا انسان کو دعا سے غفلت نہ کرنی چاہیے۔

یُلْحِدُوْنَ :۔ الحاد کا معنی ہے راہِ راست سے انحراف کرنا اور اسی بنا پر قبر کی لحد کو لحد کہا جاتا ہے اور اس مقام پر اللہ کے نام سے الحاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے اسمارِ حسنیٰ میں تغیر و تبدیل کر کے اپنے بتوں کے وہی نام تجویز کرتے تھے جیسے اللہ سے لات منّان سے منات اور عزیز سے عزیٰ انھوں نے بنا لیا (بقول ابنِ عباس)، اور کلام معصوم سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفات ایسی بیان کرتے ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں پس ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کرنے کا حکم ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ خالق کی وصف نہیں کی جا سکتی مگر وہ جو اس نے خود اپنی وصف بیان کی ہے۔ اور ایسی ذات کی وصف کیسے بیان ہو سکے جس کے ادراک سے حواس قاصر جس تک پہنچنے سے اوہام عاجز جس کی حد مقرر کرنے سے اندازِ فکر نارسا اور جس کے احاطہ سے آنکھوں کی بصارت کوتاہ ہے اور وصف کرنے والوں کی وصف سے اجل ہے اور تعریف کرنے والوں کی تعریف سے بلند و بالا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸۲)
اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو ان کو ہم عنقریب بہ تدریج ہلاکت کے قریب کرتے ہیں کہ وہ نہیں جان سکتے
وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (۱۸۳) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ
اور ان کو ڈھیل دیتے ہیں تحقیق میری تجویز مضبوط ہے کیا وہ نہیں فکر کرتے کہ نہیں ان کے ساتھی
مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۱۸۴) اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا
(رسالتمآب) کو کوئی جنون وہ تو صرف صاف طور پر ڈرانے والا ہے کیا نہیں دیکھتے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا :۔ تفسیر مجمع البیان اور صافی میں عیاشی سے منقول ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور سب جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے اور اس کے بعد یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ یہ ہوگا۔ اور کتبِ تفاسیر امامیہ سے منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم ہیں۔

افتراقِ امت والی حدیث تفسیر برہان میں بطریق اہلسنت موفق بن احمد سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ۷۲ جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اور افتراقِ امت والی حدیث تفسیر ہٰذا کی دوسری جلد میں بمعہ ضروری تشریح کے گذر چکی ہے ملاحظہ ہو ص۱۹۶ تا ص۲۰۱

رکوع ۱۳ :- سَنَسْتَدْرِجُهُمْ :- استدراج کے کئی معانی کئے گئے ہیں ۱. جب وہ سرکشی کرتے ہیں تو خداوند کریم ان پر اور نعمات نازل فرماتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنے گناہوں پر عذاب نہیں ہوتا بلکہ اور نعمات زیادہ ہوتی ہیں پس وہ اپنی سرکشی میں زیادہ ہوتے ہیں اور اس مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہو جاتا ہے اور ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے یعنی گناہوں کے باوجود نعمات کی زیادتی کا نام استدراج ہے۔

۲. گناہوں کے بعد آہستہ آہستہ خدا ان کو ہلاکت کے قریب کرتا ہے جب وہاں پہنچتے ہیں تو اچانک اس میں گر پڑتے ہیں۔

۳. استدراج کا معنی ہے جلدی چلنا اور یہاں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو فوراً گرفتار کر لیتے ہیں کہ ان کو خبر تک نہیں ہوتی اور معصومین سے پہلا معنی منقول ہے۔

فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ
آسمانوں اور زمین کی صنعت میں اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا اور یہ کہ ممکن ہے

وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ
ہو چکی ہو ان کی موت قریب پس کس بات پر اس کے بعد

بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۵ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَیَذَرُهُمْ
ایمان رکھیں گے جس کو گمراہی میں چھوڑ دے اللہ تو اس کو کوئی نہیں ہدایت کر سکتا

فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۱۸۶
اور ان کو چھوڑتا ہے کہ سرکشی میں وہ سرگردان پھرتے ہیں

درہلی،

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ابتدائی دعوت میں حضرت رسولخدا کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور قریش کو دعوت توحید دی تو مشرکین نے کہا کہ وہ دیوانے ہو گئے ہیں خداوند کریم ان کے قول کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ خود آسمانوں اور زمین اور باقی کائنات کی موجودہ اشیاء میں خود غور کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو پتہ چلے کہ ان کی عجیب و غریب خلقت و صنعت بغیر خالق حکیم و علیم کے نہیں ہو سکتی پس وہ خود اس فکر کے بعد توحید کی معرفت تک پہنچ جائیں اور پھر موت سے بھی ان کو ڈرایا کہ ممکن ہے موت سے خوفزدہ ہو کر معرفت خدا کی طرف مائل ہوں تو خدا مجبور تو کرتا نہیں اس لیے ان کا گمراہی میں رہنا اس کی طرف مجازاً منسوب ہے۔

تفکر قرآن مجید میں مومنین کو بلکہ تمام صاحبان عقول اور اولی الالباب کو دعوت تفکر و تدبر دی گئی ہے کیونکہ معرفت کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ اس مقام پر بھی کفار قریش بلکہ تمام کفار کی طرف خطاب عام فرمایا ہے کہ میرے رسولؐ کو دیوانہ و مجنون کہنے والے آسمان و زمین کی ملکوت اور باقی موجودات میں خود کیوں

maablib.org

نہیں نظر و فکر کرتے تاکہ بصیرت سے کفر کا غبار ہٹ جائے اور دل سے عناد کا حجاب دور ہو کیونکہ صنائع قدرت بدائع حکمت عجائب خلقت اور غرائب صنعت کے رموز و اسرار اور حقائق و دقائق فکر و امعان سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں جس کے بعد قادرِ مطلق صانع حکیم خلاقِ عالم کے وجودِ ازلی اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کے اقرار کے بغیر کوئی ذی ہوش چین نہیں لے سکتا ظاہری اقتدار کے پیاسے یا حرص و ہوس کے بھوکے اور عیش و عشرت کے متوالے خواہشاتِ نفسانیہ اور شہواتِ دنیہ کی تکمیل کی خاطر تسویلات شیطانیہ کے پھندے میں اس قدر پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ کلمات حقہ جو انکی آزادی ظاہری پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے طبائع پر گراں گذرتے ہیں لہٰذا وہ کہنے والے کو دیوانہ و پاگل کہہ کر اپنے عقول و افہام کو دھوکا دے کر انہیں معطل رکھتے ہیں اور راہ حق کی طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے گویا حجاب غفلت جو تلبیس ابلیس کا بدترین مہلک اور نفوسِ انسانیہ کی گمراہی کا کارگر حربہ ہے نہ ان کے دلوں سے چھٹتا ہے اور نہ وہ دلائل و براہین کے وسیع و عریض میدان میں قدم رکھتے ہیں، بس کفر و عناد کا تاریک گڑھا ہی وہ اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہیں، سچ ہے اندھے کو اندھیرے سے کیا نفرت۔ آنکھوں والا ہی نور کی قدر کر سکتا ہے اسی بناء پر موجودات عالم اور ملکوت سماو ارض کی سیر کے لئے چشم بصیرت کھولنے کی خدا دعوت دیتا ہے تاکہ ان کے تاریک باطن نور معرفت توحید سے روشن ہوں اور ان کے ظلمانی دلوں میں شمع حق اور قندیل صدق فروزاں ہو اور وہ حضیض کفر سے نکل کر اوج ایمان کی طرف قدم بڑھائیں اور بربریت و بہیمیت کے تاریک ماحول سے ہجرت کر کے انسانیت کی دلکش و پرلطف وادی میں چین و اطمینان کا سانس لیں تاکہ دنیا و عقبیٰ کی خیر و عافیت پر ان کی جاگیرداری کا سکہ ہو۔ اصول کافی سے چند احادیث اس مقام پر سنیئے تاکہ ایمان تازہ ہو۔

۱. امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نبہ بالتفکر قلبک وجاف من اللیل جنبک واتق اللہ ربک یعنی اپنے دل کو فکر سے جگاؤ رات سے اپنا پہلو الگ کرو۔ (یعنی سو کر نہ گذارو بلکہ اس کے پرسکون ماحول میں دل کو شمع معرفت سے نورانی کرنے کی کوشش کرو)، اور اللہ سے ڈرو۔

۲. امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من قیام لیلۃ (یعنی ایک گھنٹہ کا فکر کرنا اور سوچنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے) اور فکر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا انسان کسی اجڑی ہوئی بستی یا برباد مکان سے گذرے تو فکر کرے کہ اس کے ساکن کہاں گئے بنانے والے کہاں گئے الخ۔ (اسی بناء پر تو قبرستان میں جانا مستحب ہے تاکہ اہلِ قبور سے عبرت حاصل ہو۔

۳. آپ نے فرمایا۔ افضل العبادۃ ادمان التفکر فی اللہ وفی قدرتہٖ یعنی اللہ اور اس کی قدرت میں ہمیشہ غور و فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔

۴. امام رضا علیہ السلام نے فرمایا لیس العبادۃ کثرۃ الصلوٰۃ والصوم انما العبادۃ التفکر فی امر اللہ

عزوجل یعنی عبادت زیادہ نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ہی نہیں بلکہ عبادت تو اللہ کی قدرت میں فکر کرنے کا نام ہے۔

۵. حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا فکر کرنا ہی نیکی اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فکر معرفت کا ذریعہ ہے اور معرفت ہی عمل کا پیش خیمہ ہے۔ علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں جامع الاخبار سے نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے فرزند رسول میں ایک شخص کا ضامن ہوا ہوں اور رقم ضمانت ادا کرنے سے قاصر ہوں اس لئے سوچا ہے کہ کسی کریم سے سوال کروں اور خاندان رسول سے زیادہ کریم تو کوئی ہے نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا اے اعرابی میں تم سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر تو ایک سوال کا جواب دے گا تو میں ایک تہائی تجھے دوں گا۔ اگر دو سوال حل کیے تو دو تہائی دوں گا اور تینوں کا جواب دے گا تو پورا مال دوں گا۔ اعرابی نے عرض کی آقا۔ میری کیا لیاقت کہ آپ کے سوالات کا حل بیان کروں۔ آپ علم و شرف کے مالک ہیں۔ امام نے فرمایا میں نے اپنے جد بزرگوار سے سنا ہے المعروف بقدر المعرفۃ یعنی کسی پر احسان اس کی معرفت کے اندازے پر کرنا چاہیے۔ اعرابی نے عرض کی حضور آپ پوچھیں اگر جانتا ہوں گا تو عرض کروں گا ورنہ آپ سے سیکھ لوں گا اور یاد کروں گا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تمام اعمال میں سے کونسا عمل افضل ہے؟ اعرابی نے جواب دیا معرفتِ خدا امام نے فرمایا ہلاکت و مصیبت کے وقت بچاؤ کا طریقہ کیا ہے تو اعرابی نے جواب دیا اللہ پر توکل و بھروسہ پھر آپ نے فرمایا انسان کی زینت کیا چیز ہے؟ تو اس نے جواب دیا علم ساتھ تواضع کے آپ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو پھر کیا۔ اس نے عرض کی مال مروت کے ساتھ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو اس نے جواب دیا پھر فقر صبر کے ساتھ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو اعرابی نے کہا پھر بجلی آسمان سے گرے اور اس کو جلا دے کہ ایسا انسان اسی کے ہی قابل ہے۔ امام ہنس پڑے اور ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کو عطا فرمائی اور ایک انگوٹھی دی جس کا نگینہ دو سو کی قیمت کا تھا اور فرمایا وہ سونا اپنے قرض میں دینا اور انگوٹھی کی قیمت سے اپنے بال بچوں کا خرچ پورا کرنا وہ اعرابی سب مال لے کر یہ کہتا ہوا روانہ ہوا۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ

يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کے متعلق کہ کب قائم ہو گی فرما دیجئے اس کا علم میرے رب کے پاس ہے
رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ
نہیں ظاہر کر سکتا اس کے وقت کو مگر وہی وہ ثقیل ہے آسمانوں اور زمین میں نہ آئے گی تم پر

علم قیامت و یَسْئَلُوْنَكَ :۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپ

نبی ہیں تو بتائیں کہ قیامت کب ہوگی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کو فرما دیجئے۔ اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں (مجمع البیان)۔

مُرْسٰهَا۔ یہ ارساء باب افعال سے اسم ظرف ہے اس کا مجرد رسا یرسو ہے جس کا معنی ہے ثابت ہونا۔ پس یہاں مرسیٰ کا معنی ہوگا وقت ثبوت یا وقت وقوع۔

ثَقُلَتْ:۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) اہلِ آسمان وزمین پر اس کا مخفی ہونا ثقیل ہے کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو وہ طبیعت پر بھار ہوتی ہے۔ (۲) اہلِ آسمان وزمین پر اس کی صفات بہت سخت وگراں ہیں۔ مثلاً سورج کا بے نور ہونا پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ (۳) اہل آسمان وزمین پر اس کا آنا سخت ہے بوجہ اس کی عظمت ہیبت وحساب خلق کے۔

لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً:۔ یعنی انسان محوِ غفلت ہوں گے اور بے خبر قیامت آجائے گی۔ تفسیر صافی میں جوامع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کوئی آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا۔ کوئی اپنے مال کو پانی پر لے جا رہا ہوگا۔ کوئی بازار میں خرید فروخت کر رہا ہوگا اللہ کوئی ترازو ہاتھ میں لیکر اسے اوپر نیچے کر رہا ہوگا۔ کہ اچانک قیامت آجائے گی۔

اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا

مگر اچانک وہ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اس طرح کہ گویا آپ اس کے عالم ہیں فرما دیجئے علم اس کا صرف

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جب نتے

كَاَنَّكَ حَفِیٌّ:۔ اس کا لغوی معنی ہے بار بار سوال کرنے والا اور پیچھا بن کر پوچھنے والا تو چونکہ بار بار پوچھنے والا شئی کا عالم بن جاتا ہے اور اس کو یاد ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے اس مقام پر اس کا مرادی معنی عالم کیا گیا ہے۔

اعتراض مخالف

تفسیر مجمع البیان میں جبائی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے کیوں کہ ان کے مذہب میں امام کا منصوص ہونا ضروری ہے پس امام اپنے بعد میں آنے والے امام پر نص کرتا ہے تو آخری امام کے بعد تو کوئی امام آئے گا نہیں لہٰذا وہ تو کسی پر نص نہ کرے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخری امام کو یہ پتہ ہو کہ اب میرے بعد قیامت ہی ہوگی کیونکہ امامت کے اختتام کے بعد قیامت ہی تو ہے اور آخری امام کو قیامت کا پتہ ہونا حکمِ قرآن کے مخالف ہے کہ خدا فرماتا ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں ہے۔

علامہ طبرسی نے سوال نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس کا ماحصل اور مطلب یہ ہے کہ قیامت سے تم کیا مراد لیتے ہو وقت فنا خلق یا یوم حشر۔

اگر قیامت سے مراد وقتِ فنا خلق ہو جیسا کہ اچانک اس کے واقع ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اچانک تو موت ہی آئے گی کہ لوگ غافل ہوں گے اور وہ بے خبر آ جائے گی، پس اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام یہ جانتا ہو کہ میرے بعد کوئی امام نہیں ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وقوع قیامت کو یعنی فنا خلق کے وقت کو بھی جانتا ہو اس سے کہ امام کو اپنی موت کے وقت کا بھی معین طور پر پتہ نہیں ہوتا تو پھر فنا خلق کے معین وقت کا علم کیسے ہوگا؟

اور اگر قیامت سے مراد یوم حشر ہو تو امام کو یہ خبر ہوگی کہ میرے بعد قیامت ہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو وقتِ وقوع کا بھی پتہ ہو، اور روایت میں ہے کہ آخری امام کی موت کے بعد تکلیف امور شرعیہ ختم ہو جائے گی، کیونکہ قیامت کے علامات قائم ہو جائیں گے مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع وغیرہ۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ع ۱۳

فرما دیجئے میں نہیں مالک اپنے نفع و نقصان کا مگر جو چاہے اللہ اور اگر میں جانتا غیب کو تو زیادہ جمع کر لیتا اچھی چیز اور نہ مس کرتی مجھے تکلیف میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

علم غیب

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ:۔ اہل مکہ نے حضورؐ کی خدمت میں آ کر پوچھا تھا کہ آپ پروردگار کی خبر کے مطابق ہمیں سستے نرخوں کے متعلق بتا دیں تاکہ گرانی سے قبل ہم چیزیں خرید کر لیں گے اور پھر نرخ چڑھنے کے بعد فروخت کر کے منافع کمائیں گے یا ہمیں قحط سے پہلے آگاہ کر دیا کریں تاکہ ہم قبل از وقت آباد علاقوں کا قصد اور ان کی طرف کوچ کا بندوبست کر لیا کریں تو یہ آیت اتری کہ ان سے فرما دیجئے میں تو اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں بلکہ سب کچھ پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ سے استثناء کر دیا کہ مجھے صرف اتنا ہی علم ہوا کرتا ہے جتنا خدا چاہتا ہے اور بس۔ ورنہ اگر میں علم غیب کو جانتا ہوتا تو اپنے فائدہ کی چیزیں اپنے لئے جمع کر لیتا اور خود تکلیف میں مبتلا نہ ہوتا حالانکہ دکھ سکھ میں اور نرمی و سختی میں بھی سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوں۔ ہاں میرا عہدہ ہے معصیت خدا سے روکنا اور عذاب خدا سے ڈرانا نیز اطاعت خدا کی تلقین کرنا اور جنت کی بشارت دینا یعنی جس کے پاس یہ عہدہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ غیب کو جانتا ہو۔ یعنی رسالت و نبوت کا علم غیب کے ساتھ کوئی تلازم نہیں

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے آئمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض بہتان اور کذب صریح ہے۔ شیعہ قطعاً آئمہ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے آئمہ کو جس قدر علم عطا فرمایا ہے وہ صرف اسی قدر ہی جان سکتے ہیں اور پوری کائنات میں حضرت محمد مصطفےٰ کے بعد علم و دیگر فضائل میں ان کا ہم پلہ کوئی بھی نہیں پس خدا کے عطیہ سے آئمہ بہت کچھ جانتے ہیں جس کی ہم تحدید نہیں کر سکتے کہ کتنا جانتے ہیں۔ اور ہم سے بہت سی چیزیں غائب ہیں اور ہمارے ذہن و دماغ سے اوجھل ہیں جن کو آئمہ جانتے ہیں بلکہ ان کے علوم کی حد تک تو ہمارے ناقص عقول و افہام کی رسائی تک نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ بعض چیزیں ہمارے عقول سے ماوراء ہوتی ہیں اور آئمہ ان کی اطلاع دیتے ہیں جس سے عوام یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ عالم الغیب ہیں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس کی مخلوق کو کسی صفت خداوندی میں شریک ماننا کفر ہے۔ پس کلی غیب اور تمام کائنات کا کلی علم اسی طرح علم وقوع قیامت اور اس کے تمام جزوی لمحات اور علم موت وغیرہ اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں۔ انبیاء و آئمہ ان میں سے صرف اتنا ہی جانتے ہیں جس قدر اس نے ان کو عطا فرمایا

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

وہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور بنایا اس (کی باقی مٹی) سے اسکی زوجہ کو تاکہ سکون

لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ

حاصل کرے طرف اس کے تو جب اس سے مجامعت کی تو اس نے اس کو اٹھا لیا بوجھ ہلکا پس اٹھاتے

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ

رہی اس کو تو جب بھاری ہو گئی دونوں (زن و مرد نے) اللہ سے دعا کی جو ان کا رب ہے اگر تو نے

مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

ہم کو دیا تندرست تو ہم تیرے شکر گزار رہیں گے۔ پس جب دیا ان کو تندرست تو کیا ان دونوں نے اس اللہ کے شریک

فِیْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ اَیُشْرِكُوْنَ

اس میں جو دیا ان دونوں کو پس بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں کیا شریک کرتے ہیں اس

مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱

کو جو کچھ نہیں پیدا کر سکتا بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

رکوع ۱۴۔

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ :- اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔

وَجَعَلَ مِنْهَا :- یہاں مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ فَضْلِ طِیْنَتِهَا یعنی حضرت آدمؑ کے پتلائے خاک کی بچی ہوئی مٹی سے حضرت حواؑ کا پتلا تیار کیا گیا۔ اور تفسیر کی چوتھی جلد میں اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

عورت کی غرض خلقت

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا :- ۱۸۹ اس لفظ سے صاف واضح ہے کہ عورت مرد کی تسکین کے لئے پیدا ہوتی ہے لہٰذا موجودہ دور کے مغرب پرست طبقہ کا یہ کہنا کہ تمام امور میں عورت کو مرد کے دوش بدوش میدان میں کودنا چاہیئے. یہ قانونِ قدرت اور دینِ فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے. لِيَسْكُنَ ، کا لفظ بتاتا ہے کہ عورت کسبِ معاش میں مرد کے دوش بدوش چلنے کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ فریضہ صرف مرد کا ہے کہ اپنے قوائے بدنیہ کو جو اسی مناسبت سے اس کو قدرت کی جانب سے تفویض ہوئے ہیں اکتساب میں لگائے اور عورت کو اس فریضہ سے سبکدوش رکھے جس طرح اس کے اعضائے جسمانیہ کی نزاکت اور قوائے بدنیہ کی کمزوری اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ کمانے کے لئے نہیں بلکہ کمائی کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے اور عورت کا فطری رجحان خود تقسیم کار پر دلیل قطعی ہے. پس مرد تھکا ماندہ گھر پہنچے تو اس کو کھانا تیار ملے اور اس کی ہر قسم کی دلجوئی کرکے اس سے تھکان کے بار کو ہلکا کرنا عورت کا فریضہ فطری ہے. بچوں کی تربیت کرے گھر کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے انجام دے تاکہ مرد گھریلو تفکرات سے پورے طور پر مطمئن ہو اور وہ اپنے گھر کو جائے سکون سمجھے. پس گھر اگر سکونِ بدنی اور سکونِ روحانی کے لئے ہو تب تو وہ گھر ہے مسکن یعنی جائے سکون اور بدنی طور پر اس کا جائے سکون بنانا مرد کی قوائے بدنیہ کے بل بوتہ پر ہوگا لیکن روحانی طور پر اس کو جائے سکون بنانا عورت کی سلجھی ہوئی طبیعت ہی سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ مرد میں بہیمیت و حیوانیت کارفرما نہ ہو اور وہ اس کے لئے اس بارے میں پوری سہولتیں بہم پہنچائے. وہ عورت کو عام پالتو جانور کی حیثیت نہ دے بلکہ اس کو اپنا شریکِ زندگی اور مسکنِ روح سمجھے اور عورت کا مرد کے ساتھ شریکِ زندگی ہونے کا یہی مقصد ہے کہ عورت اپنا فریضہ ادا کرے اور مرد اپنا فریضہ ادا کرے اور ہر دو اپنی سپرد کردہ ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کریں اور قطعاً اس شراکتِ زندگی کا یہ مفہوم نہیں کہ عورت مرد کے فرائض میں ہاتھ ڈالے اور مرد عورت کو مسکن کی بجائے کاسب بنا دے بلکہ یہ تصور دشمنانِ اسلام کی کاشت ہے نیز بے غیرتی اور خستِ نفس کا بدترین حربہ ہے اور نسوانی آزادی کا تصور جو آج کل بالکل عام ہے. یہ صرف عورتوں کو آزاد نہ

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲ وَاِنْ

اور وہ ان کے لئے نہیں طاقت رکھتے مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو بلاؤ

تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْ

طرف ہدایت کے تو تمہارے پیچھے نہ چلیں گے لہٰذا ان کے لئے برابر ہے کہ تم ان

تُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳

کو بلاؤ یا چپ رہو

طور پر اپنی شہوت عشرت اور جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے ہے اور جو عورتیں حدودِ شرم وحیا کو پھاند کر اس نعرہ میں مردوں کی شریک ہوتی ہیں۔ وہ بھی صرف آزادانہ لذت جسمانی حاصل کرنے کے لئے اپنی آبرو ریزی اور عصمت دری کے بہانے تلاش کرتی ہیں اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اس کو اسلامی آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ ہم اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں کر چکے ہیں۔ تعدد ازواج پر پابندی لگانے کا یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ عورت عیاشی کے لئے نہیں ہے اور جوازِ متعہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورت تسکینِ خواہش کے لئے نہیں ہے۔ حالانکہ قرآنِ مجید میں لِیَسْکُنَ کا لفظ صاف اسی کی وضاحت کرتا ہے کہ عورت مرد کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا۔ یعنی تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے ازواج کو پیدا کیا ہے۔ تاکہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو۔ لیکن سینماؤں کلبوں ریڈیائی گانوں اور ناچ وسرود کی محفلوں پر کوئی پابندی نہیں کہ عورت کو حق آزادی حاصل ہے۔ شریف مردوں کو جائز آزادی کے حق سے محروم کیا گیا اور عورتوں کو ناجائز آزادی کی وادی میں دھکیل دیا گیا اور مردوں کے ساتھ شریف کی قید کا مطلب یہ ہے کہ زناکاروں پر زنا کی تو کوئی پابندی نہیں خواہ ہزاروں عورتوں سے منہ کالا کرتے رہیں۔ اس پر صرف نکاحِ حلال کی پابندی ہے کہ ایک سے آگے نہ بڑھے۔ پس اسلام سے بغاوت کا دوسرا نام رکھدیا گیا ہے آزادی

حَمَلًا خَفِيْفًا:۔ اس سے مراد وہ مادہ منویہ ہے جو مجامعت سے عورت کے رحم میں قرار پکڑتا ہے اور وہ خفیف اور ہلکا سا ہوتا ہے۔

فَمَرَّتْ بِهٖ:۔ یعنی اِسْتَمَرَّتْ بِهٖ یعنی وہ قطرہ منی رحم میں جا کر اس کو تکلیف نہیں دیتا وہ اسی کے ساتھ چلتی پھرتی اور کام کاج کرتی رہتی ہے۔

فَلَمَّا اَثْقَلَتْ:۔ یعنی جب وہ نطفہ تدریجاً ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے خون بستہ پھر لوتھڑا ہو کر آخر روح انسانی کا محل بن جاتا ہے تو وہ بوجھ بن جاتا ہے اور عورت صاحبِ ثقل ہو جاتی ہے اَثْقَلَتْ یعنی صَارَتْ ذَاتَ ثِقْلٍ۔

دَعَوَا اللّٰهَ:۔ یعنی دونوں زن ومرد نے دعا مانگی کہ اگر خدا نے ہمیں صالح اولاد عطا کی تو ہم اس کا شکر کریں گے۔ صالح کا معنی یہاں تندرست ہے۔ کیونکہ صرف دو ہی تو تھے ایک آدمؑ ایک حوا تو جب ایک دوسرے سے ذرا بھر جدا ہوتے تو وحشت محسوس ہوتی تھی۔ پس دعا مانگی کہ اولاد صالح ملے۔

غیر خدا کو پکارنے کی مذمت

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاءَ:۔ اس میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اولادِ صالح نصیب ہوئے۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ پس انہوں نے کئے اللہ کے شریک اس میں جو خدا نے ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ جَعَلَا کا فاعل اولادِ آدم وحوا ہے نہ کہ وہ دونوں خود اور

تثنیہ کا صیغہ اس لئے ہے کہ اولادِ آدم دو قسموں پر تھی مذکر و مؤنث یعنی اولادِ آدم کے مردوں اور عورتوں کے ہر دو صنف خدا کی نافرمانی کرنے اور شرک کے ظلم سے آلودہ ہونے میں برابر ہیں اور امام رضا علیہ السلام نے مامون کو اسی قسم کا جواب دیا تھا۔

۲. جَعَلَا کا فاعل نفس اور زوج ہیں نہ کہ حضرت آدم و حوا کیونکہ ہر آدمی ایک نفس سے پیدا ہوا ہے جو اس کا باپ ہے اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنی ہے خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا۔ یعنی مضاف جنس محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ خدا نے ہر نفس کے لئے اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی ہر مرد و عورت ایک دوسرے کی جنس میں اور یہ اس طرح ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا پ۲۱ ع۴۔ یعنی اس کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری ازواج کو پیدا کیا کہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو۔ اب آیت مجیدہ کا مطلب اس طرح ہوگا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا یعنی جب ہر انسان نے اپنی زوجہ سے ہمبستری کی اور زوجہ نے حمل کا بوجھ پہلے ہلکا سا اٹھایا اور اسی طرح رہی پھر جب بھاری ہوگئی یعنی پیٹ میں بچہ تیار ہوگیا تو دونوں زن و مرد نے مل جل کر دعا مانگی کہ اگر صحیح سالم بچہ عطا فرمائے گا تو تیرا شکر کریں گے۔ صالحًا سے مراد لڑکا لیا گیا ہے کیونکہ لڑکیوں کے لئے منتیں نہیں مانی جاتیں بلکہ عموماً لڑکی کی پیدائش کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ پس جب ماں باپ کو صحیح و سالم بچہ اللہ نے عطا کیا تو اس عطا کردہ بچہ میں بھی انہوں نے اللہ کے شریک بنا لئے۔ عطا کرنا ہے اللہ اور وہ اس کا نام[۵] رکھ لیتے ہیں۔ عبد العزیٰ۔ عبد اللات اور عبد المنات وغیرہ اسی لئے تو بعد میں فرمایا۔ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ ورنہ اگر جَعَلَا کی ضمیر حضرت آدمؑ و حوا کی طرف پلٹتی تو يُشْرِكَان تثنیہ کا لفظ ہوتا۔ چونکہ تمام جوڑے اسی شرک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

۳. نفس سے مراد حضرت آدمؑ اور زوج سے حضرت حوا ہے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا تک ان کی بات ختم ہوگئی اس کے بعد حضرت آدمؑ کی اس اولاد کی طرف کلام کا رخ ہے جو شرک کی وباء میں مبتلا ہوئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے عام کا ذکر کیا جائے پھر بعض چیزوں میں عام کے خاص افراد مراد لئے جائیں جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یہاں تک کے فرمایا حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ یعنی وہ وہ ہے جس نے تم کو خشکی و تری کی سیر کرائی۔ آگے چل کر فرمایا یہاں تک کہ تم جب دریا میں ہوتے ہو۔ پہلے عام مسافروں کا ذکر کر کے پھر بحری مسافروں کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔ اس جگہ بھی پہلے تمام اولادِ آدم کا ذکر کیا کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور پھر مشرکین کو خاص کر دیا۔

۴. جَعَلَا۔ یعنی جَعَلَ اَوْلَادُهُمَا یعنی ضمیر فاعل کا مضاف محذوف ہے اولاد اور ضمیر تثنیہ جو در حقیقت مضاف الیہ ہے اپنے مضاف کی قائم مقام ہے یعنی اولادِ آدم نے خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں شریک بنا لئے۔

ع۵ اب مسلمانوں میں بھی یہ مشرکانہ رویہ موجود ہے کہ کہتے ہیں مجھے لڑکا فلاں پیر و مرشد نے دیا ہے لہٰذا یہ آیت اس قسم کے عقیدہ والوں کو متنبہ کر رہی ہے۔ منہ

بہرکیف حضرت آدم و حوا کی طرف ضمیر کو پھیرنا ناجائز ہے کیوں کہ حضرت آدمؑ نبی معصوم تھے اور وہ قطعاً شرک نہیں کر سکتے تھے اور اگر اس قسم کی کوئی روایت مل بھی جائے تب بھی چونکہ اصول مذہبِ امامیہ کے خلاف ہے اس لئے قابلِ تاویل ہوگی ورنہ رد کردی جائے گی۔

یُخۡلَقُوۡنَ :- یعنی ایسوں کو خدا کا شریک کرتے ہیں جو پیدا نہیں کرتے بلکہ پیدا کئے جاتے ہیں یعنی بت اور وہ غیر ذوی العقول ہیں لہٰذا جمع واؤ و نون سے ہونا خلافِ قاعدہ ہے۔ پس یہاں مقصد یہ ہوگا کہ یہاں بت اور ان کے پجاری سب مراد ہیں۔

تنبیہ :- یہاں مشرکین کے سامنے بتوں کے دو عیب خداوند کریم نے بیان کئے ایک یہ کہ وہ خالق نہیں بلکہ وہ مخلوق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ تمہاری

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ
تحقیق جن کو تم مانتے ہو سوائے اللہ کے وہ بندے ہیں تم جیسے اچھا پکارو ان کو پس

فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۱۹۴ اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ
وہ مانیں تمہاری اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں

یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ
کہ ان سے چل سکیں کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ ان سے پکڑ سکیں کیا ان کی آنکھیں ہیں کہ ان

اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ
سے دیکھیں کیا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔

مدد نہیں کر سکتے اور اس کا مقصد صاف یہ ہے کہ خلق اور نصرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے وہ ہی تمام مخلوق کا خالق ہے اور وہی تمام مخلوق کی ہر وقت ہر جگہ فریاد سن سکتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے لہٰذا ان وصفوں میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننا کفر و شرک ہوگا۔ لہٰذا بھلا کا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے متعلق اعتقادِ خلق سراسر کفر و شرک ہے۔ اہلبیتِ محمدؐ مخلوقِ خدا ہیں اور افضل مخلوق ہیں لیکن ہرگز ہرگز وہ خالق نہیں اسی طرح مدد بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلے سے خدا ہی سے مانگی جائے یعنی اس طرح کہا جائے۔ اے اللہ بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میری مدد فرما یا میری حاجات کو پورا فرما وغیرہ۔ ہاں یا علیؑ مدد کہنا نہ کفر ہے نہ شرک ہے اس لئے کہ تمام شیعہ حضرت علیؑ کو وسیلہ ہی مانتے ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ان کو قرار دیتے ہیں اور تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ :- یعنی جن کو تم مانتے ہو خدا وہ بھی تم جیسے عاجز ہیں اور ذلیل ہیں کیونکہ عبد کا معنی ذلیل و عاجز ہوتا ہے۔

فَادۡعُوۡہُمۡ :- پہلی جگہ تَدۡعُوۡنَ کا معنی پکارنا ماننے کے معنی میں تھا اور یہاں فَادۡعُوۡا میں پکارنا امداد و نصرت کے

لئے ہے۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ: پہلے تو فرمایا وہ بھی تم جیسے ہیں۔ اب ان کے نقائص بیان فرمارہا ہے کہ وہ تم سے بھی بدتر اور کمتر ہیں کیوں کہ نہ ان کے چلنے کے لئے پیر نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سننے کے لئے کان ہیں حالاں کہ تمہارے پاس تو ہیں اور تم میں روح ہے ان میں تو روح بھی نہیں ہے۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ۝ ۱۹۵ اِنَّ
کہہ دیجئے پکارو اپنے شریکوں کو پھر مجھے ستاؤ اور نہ مہلت دو تحقیق

وَلِيِّۦَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝ ۱۹۶
میرا ولی اللہ وہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ ولی ہے نیک لوگوں کا

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ
اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کی اور

وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۝ ۱۹۷ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ
نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو تم بلاؤ ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا
تو سنتے نہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ آنکھیں تڑے ہوتے ہیں آپ کی

يُبْصِرُونَ ۝ ۱۹۸
طرف اور دیکھتے نہیں

ثُمَّ كِيدُونِ یعنی اگر وہ تمہاری کچھ امداد کر سکتے ہیں تو سب کو جمع کر لو اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو تو میرا ولی اللہ میری امداد کرے گا اور تمہارے شر سے بچا لے گا۔ پھر فرمایا وہ بیچارے تو اپنے فائدہ کے نہیں ہیں تمہارا کیا فائدہ کریں گے اور چونکہ ان کو بنانے والوں نے ان کی آنکھیں بھی بنائیں تو تھیں لیکن ان میں نور نہیں تھا جس کے متعلق فرمایا کہ ان کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے آنکھیں تڑے ہوئے ہیں تمہاری طرف لیکن دیکھتے کچھ نہیں۔

پھر ایسے عاجز کو خدا ماننے کا کیا فائدہ؟

خُذِ الْعَفْوَ: ۱۵۵ پہلے یہ حکم تھا کہ لوگوں کے مال میں ان کے ذاتی اخراجات سے جو کچھ بچے وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دے اور بعد میں زکواۃ کا حکم نازل ہوا اور عفو کا معنی نرمی اور اخلاق بھی کیا گیا ہے کہ لین دین میں انسان سخت گیر نہ ہو اور عفو کا معنی وسط یعنی ایسے اخلاق اختیار کرو جو انسان کے لئے اوسط ہیں یعنے مناسب ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ظلم کرنے والے کو معاف کرنا محروم کرنے والے کو دینا اور قطع کرنے والے سے صلہ کرنا اچھے اخلاق ہیں۔

وَاَعْرِضْ ۔ جب جاہلوں سے چشم پوشی کا حکم ہوا تو حضورؐ نے عرض کی اگر غصہ آجائے تو پھر کیا کیا جائے۔ تب ارشاد ہوا اگر وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ نزغ کا معنی ہے وسوسہ کی ابتدا اور مس کا معنی ہے تمکن یعنے پورا قابو پالینا اس لئے حضورؐ کی طرف نزغ کی نسبت دی اور باقیوں کی طرف مس کو منسوب کیا۔

تَذَكَّرُوْا ۔ یعنی وسوسہ کے بعد وہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا تو پس گناہ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ ۔ یعنی اگر ان کے پاس آیت لے جاؤ تو وہ تکذیب کرتے ہیں اور اگر نہ لے جاؤ تو کہتے ہیں ازراہ عناد کیوں نہیں آپ کوئی آیت گھڑ لائے اور وہ یہ جانتے تھے کہ آپ گھڑ کر ہی لایا کرتے ہیں لیکن یہ ان کا محض عناد تھا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝١٩٩ وَاِمَّا
لو بخت اور حکم دو نیکی کا اور کنارا کرو جاہلوں سے اور اگر
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
وسوسہ ڈالے تمہیں شیطان کوئی وسوسہ تو پناہ مانگو اللہ کی تحقیق وہ سننے جاننے والا
عَلِيْمٌ ۝٢٠٠ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ
ہے تحقیق جو لوگ ڈرتے ہیں جب چھو لے ان کو وسوسہ شیطانی تو
تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝٢٠١ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ
سوچتے ہیں پس وہ سیدھا راستہ پالیتے ہیں اور ان کے بھائی ان کو کھینچتے ہیں گمراہی
فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝٢٠٢ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا
میں پھر وہ نہیں کوتاہی کرتے اور جب نہ لاؤ ان پر کوئی آیت تو کہتے ہیں
لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ؕ
کیوں نہ لائے اس کو کہہ دیجئے پس میں تو اتباع کرتا ہوں جو وحی ہو مجھے میرے رب سے
هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٢٠٣
یہ قرآن، دلائل ہیں تمہارے رب سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

بَصَآئِرُ ۔ یعنی قرآن مجید ایسے دلائل و براہین کا مجموعہ ہے کہ اس سے انسان آخرت کا صحیح راستہ دیکھ سکتا ہے اور دین میں بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کا سننا

وَاِذَا قُرِئَ :۔ مقصد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے اس کو سننا چاہیئے اور ظاہر امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا سماعت کے وجوب کا حکم قرأۃ نماز کے لئے ہے یا خطبہ جمعہ کے لئے ہے یا مطلقاً سننا واجب ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن کو چپ کر کے سننا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں یعنی پیش نماز کی قرأت کو خاموشی سے سننا بھی واجب ہے اور نماز کے علاوہ اگر کہیں کوئی قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کا سننا بھی واجب ہے خواہ خطبہ جمعہ ہو یا کوئی اور مقام مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے پیچھے نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے پس اس آیت مجیدہ سے ان کو روک دیا گیا بہر کیف نماز جہریہ میں پیشنماز کے پیچھے پہلی دو رکعت میں خاموشی سے سننا واجب ہے۔ اگر آواز پیشنماز کی سن رہا ہو ورنہ خود پڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ کہیں بھی واجب نہیں اور امر استحباب پر محمول ہے ورنہ اگر مطلقاً قرآن کی قرأت کا سننا واجب ہو تو اکثر لوگوں کے کاروبار معطل ہو جائیں گے اور حضرت صادق علیہ السلام سے نقل شدہ روایت میں وجوب تاکید استحباب کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم!

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو اس کو کان دھر کر سنو اور چپ رہو تا کہ رحم کئے جاؤ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور خوفزدہ ہو کر اور نہ بہت بلند

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

آواز سے صبح کو اور شام کو اور نہ ہو غفلت کرنے والوں میں تحقیق جو

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

لوگ پاس تیرے رب کے ہیں نہیں تکبر کرتے اس کی بندگی سے اور اس

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ السجدۃ

کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے لیے سجدہ کرتے ہیں

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ :۔ بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر اخفاتی نماز میں پیشنماز کے پیچھے ہو تو قرأت نہ پڑھے بلکہ ذکرِ خدا آہستہ زبان پر جاری کرے یعنی تسبیح پڑھتا رہے اور مجمع البیان میں بھی ایسا ہی مروی ہے۔

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ :۔ قرآن مجید کے سجدوں میں سے یہ پہلا مقام ہے اور اس جگہ سجدہ مستحب ہے۔ تفسیر

maablib.org

صافی میں مروی ہے کہ جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور کہتا ہے اسے میں نے کیا کیا یہ سجدہ کر کے تو جنت میں جائے گا۔ اور میں نے انکار کر کے جہنم لے لیا۔

سجدۂ قرآنی

قرآنِ مجید میں پندرہ سجدے ہیں جن میں سے چار واجب اور گیارہ مستحب ہیں۔
واجب سجدے:- (۱) الم سجدہ (۲) حم سجدہ (۳) النجم (۴) اقراء میں ہیں اور باقی مستحب ہیں تفصیل یہ ہے۔ (۱) سورۂ اعراف کے آخر میں (۲) سورۂ الرعد میں وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ پر (۳) سورہ نحل میں يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (۴) سورۂ بنی اسرائیل میں وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا کے مقام پر (۵) سورہ کھٰیٰعص میں خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا پر (۶) سورۂ حج میں اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ پر (۷) اسی سورہ میں وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ پر (۸) سورۂ فرقان میں وَزَادَهُمْ نُفُورًا پر (۹) سورہ نمل میں رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ پر۔ (۱۰) الم تنزیل میں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ پر (۱۱) سورہ ص میں خَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ پر (۱۲) سورہ حم سجدہ میں اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ پر (۱۳) سورہ النجم کے خاتمے پر (۱۴) سورہ انشقاق میں وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ پر۔ (۱۵) سورہ اقراء میں خاتمے پر۔

مسئلہ:- آیتِ سجدہ کو ختم کرنے پر فوراً سجدہ بجا لانا چاہیئے۔

مسئلہ:- جس طرح قرآن پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہے اسی طرح سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوا کرتا ہے یعنی اگر سجدہ واجب ہو تو جس طرح پڑھنے والے پر واجب اسی طرح سننے والے پر بھی واجب ہوگا اور اگر سنت ہو تو دونوں پر مستحب ہوگا۔

مسئلہ:- جن سورتوں میں سجدہ واجب ہے ان کو عزائم کہا جاتا ہے اور ان کا نمازِ فریضہ میں پڑھنا ناجائز ہے لیکن نافلہ میں پڑھ سکتا ہے اور جب آیت سجدہ پڑھے گا تو سجدہ کرے گا۔

مسئلہ:- اگر نافلہ پڑھ رہا ہو اور کوئی دوسرا آدمی عزائم میں سے آیتِ سجدہ کو پڑھے اور یہ سن رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا پس فوراً سجدہ کر کے بعد میں اپنی نماز کو پورا کرے گا لیکن اگر نماز واجب میں ہو تو آیتِ سجدہ سن کر سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز کو پورا کرے۔

مسئلہ:- عزائم کے علاوہ باقی سجدے جس طرح پڑھنے والے کے لئے مستحب ہیں۔ اسی طرح سننے والے کیلئے بھی مستحب ہیں

مسئلہ:- سجدۂ قرآن کے لئے نہ تکبیر کہنا ضروری ہے اور نہ اس کے بعد تشہد و سلام ہے البتہ سجدہ سے سر اٹھا کر تکبیر کہنی چاہیئے۔

مسئلہ:- اسی سجدہ کے لئے حدث و خبث سے طاہر ہونا ضروری نہیں ہے خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو لہٰذا سننے والا جس حالت میں سنے گا اگر سجدہ واجب ہوگا تو اس کو بجا لانا ہوگا۔

مسئلہ:- سننے سے مراد کان دھر کر سننا ہے اتفاقی طور پر آواز کا کان میں پہنچ جانا موجب سجدہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :- سجدۂ قرآن میں قبلہ رُخ ہونا واجب نہیں لیکن بہتر ہے کہ حتی الامکان قبلہ رخ ہو۔

مسئلہ :- طہارت لباس اور ساتوں اعضاء کا زمین پر رکھنا نیز ایسی چیز پر پیشانی کا رکھنا جو نماز کے سجدہ کے لئے ضروری ہے اس سجدہ میں کوئی شرط نہیں ہے البتہ بہتر ہے کہ ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

مسئلہ :- سجدۂ قرآن میں کوئی خاص ذکر معین نہیں ہے بلکہ جو ذکر یا دعا پڑھ دے کافی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ سجدۂ تلاوت میں یہ پڑھے۔ سَجَدْتُ لَكَ يَا رَبِّ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا لَا مُسْتَكْبِرًا عَنْ عِبَادَتِكَ وَلَا مُسْتَنْكِفًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِيلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِيرٌ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ پڑھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِيْمَانًا وَّتَصْدِيقًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عُبُوْدِيَّةً وَّرِقًّا لَا مُسْتَنْكِفًا وَّلَا مُسْتَكْبِرًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِيلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِيرٌ اور بعض روایات میں ہے کہ جو ذکر نماز کے سجدہ میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھے۔

مسئلہ :- اگر سجدۂ قرآن بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے کر لے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

سورۃ الانفال

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستّر ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر ماہ میں سورہ انفال اور براۃ کی تلاوت کرے وہ نفاق سے محفوظ رہے گا اور شیعانِ امیر المومنینؑ سے شمار ہوگا اور بروزِ محشر شیعوں کے ہمراہ جنّت کے دسترخوان سے کھانا کھائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہولیں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا سورہ انفال میں وہ بات موجود ہے جس سے مخالفین کی ناک کٹتی ہے یعنی اس سورہ میں خمس کے وجوب کا حکم اور فئے و انفال وغیرہ کا تذکرہ ہے جو ذوی القربیٰ کے حقوق ہیں اور کتاب خواص القرآن سے برہان میں منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کو پڑھے گا قیامت کے روز میں اس کا شفیع ہوں گا اور گواہ ہوں گا کہ یہ نفاق سے بری ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں اسقدر نیکیاں لکھی جائیں گی جس قدر دنیا میں منافق ہیں۔

جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس لٹکائے تو کسی حاکم کے پاس نہ جائے گا مگر یہ کہ اپنا حق لے کر پلٹے گا اور اس کی حاجت پوری ہوگی اور اس سے کوئی دور نہ ہوگا اور اس کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا نہ کرے گا مگر یہ کامیاب ہوگا اور خوشی خوشی باہر نکلے گا اور یہ سورۂ مجیدہ اس کے لئے بمنزلہ قلعہ کے ہوگی۔

---

maablib.org

رکوع ۱۵

انفال کا بیان

انفال، نفل سے ہے اور اس کا لغوی معنی ہے عطیہ، زیادتی اور نماز کے نوافل چونکہ واجبات سے زائد اور عطیہ ہیں اس لئے اُن کو نوافل کہا جاتا ہے۔ انفال کے مصداق کی تعیین میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے لہٰذا اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) ابن عباس سے منقول ہے کہ جنگِ بدر کی غنیمتیں مراد ہیں اور قتادہ کا یہی مذہب ہے

(۲) چھوٹے چھوٹے سریے جاکر جو مال لاتے تھے ان کو انفال کہا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ‌ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ ۚ

پوچھتے ہیں آپ سے انفال کے متعلق تو فرما دیجئے کہ انفال اللہ و رسول کے لئے ہے پس

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ

ڈرو اللہ سے اور اصلاح کرو اپنے درمیان اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی

رَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝

اگر تم ہو مومن۔

۳۔ جو مال مشرکین بغیر لڑائی کے چھوڑ جائیں۔ غلام کنیز یا کوئی اور چیز۔

۴۔ تقسیم غنیمت کے بعد جو مال وہاں گر جائے وہ انفال ہے اور ابن عباس سے ایک دوسری روایت میں یہی منقول ہے۔

۵۔ مطلق خمس یہ تمام اقوال تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہیں اور بروایت صحیحہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انفال ہر وہ مال ہے جو دار الحرب سے بغیر لڑائی کے حاصل کیا جائے۔ اسی طرح ہر وہ زمین جس کے بسنے والے اس کو بغیر لڑائی کے چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس کو فئی بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ وراثت جس کا وارث کوئی نہ ہو اور بادشاہوں کی مخصوص اشیاء جو ان کے پاس کسی مسلمان سے غصب نہ ہوں۔ جنگلات۔ وادیاں اور بنجر زمینیں جن پر کسی کا تصرف نہ ہوا ہو وغیرہ یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے مختص ہیں اور رسولؐ کے بعد اس کے قائم مقام کے لئے ہیں وہ اپنے ذاتی مصالح میں جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور فرمایا بدر کی غنیمتیں بھی حضرت رسالتمآبؐ کے لئے مخصوص تھیں اور لوگوں نے مطالبہ کیا تھا تو یہ آیت اتری۔ بعض لوگ آیت خمس کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں لیکن جب ان دونوں آیتوں میں منافات نہیں ہے تو نسخ کیسا؟ پس صحیح یہ ہے کہ آیتِ مجیدہ منسوخ نہیں ہے۔

۲. بروایت تہذیب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس زمین پر خون نہ بہایا گیا ہو یا صلح کے طور پر وہ مسلمانوں کے حوالے کر کے چلے گئے ہوں یا بنجر زمینیں اور وادیاں ہوں یہ سب رسولؐ اور انفال ہیں اور اللہ و رسولؐ کے لیے مختص ہیں اور جو کچھ رسولؐ کے لئے ہے وہ ان کے بعد ان کے قائم مقام کے لئے ہے۔

۳. بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے انفال وہ ہے جس پر اونٹ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں خواہ بطور صلح کے انہوں نے دی ہو یا خود بخود چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ اسی طرح ہر بنجر غیر مملوک زمین اور وادیاں خدا اور رسولؐ کے لئے ہیں اور جو رسول کے لئے ہے وہ ان کے بعد امام کے لئے ہے جہاں چاہے خرچ کرے۔

۴. آپ نے فرمایا ہماری اطاعت لوگوں پر فرض ہے اور انفال کے مالک ہم ہیں اور غنیمت کا خالص اور چیدہ مال ہمارے لئے ہے۔

۵. بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا انفال ہمارا ہے کسی نے پوچھا انفال کسے کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ کانیں۔ جنگلات نیز وہ زمین جس کا مالک کوئی نہ ہو اور وہ زمین جس کے مالک برباد ہو گئے ہوں اور بادشاہوں کی مختص چیزیں یہ سب انفال میں داخل ہیں۔

بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ انفال سے مراد وہ بستیاں ہیں جو برباد ہو گئی ہوں اور ان کے بسنے والے جلاوطن ہو چکے ہوں۔ وہ اللہ اور رسول کے لیے ہیں اسی طرح بادشاہوں کی مختصات بھی امام کے لیے ہیں اور جو بنجر زمین جس پر گھوڑے اونٹ نہ دوڑائے گئے ہوں وہ اور جس زمین کا مالک کوئی نہ ہو اور کانیں یہ سب اسی کا ہے نیز اگر کوئی مر جائے اور اس کا وارث کوئی نہ ہو تو اس کا مال بھی انفال سے ہے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری جب کفار کو شکست ہوئی تو صحابہ رسول تین فرقوں میں بٹ گئے تھے۔

۱۔ کئی حضرت رسالتمآبؐ کے خیمے کے پاس موجود رہے

۲۔ کئی جو دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔

۳۔ کئی لوٹ رہے تھے جب مال غنیمت جمع ہو چکا تو انصار نے اسیروں کے متعلق سوال کیا پس آیت اتری مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الآیہ) تو اسیر اور غنیمتیں ان لوگوں کے لئے مباح کر دی گئیں۔ پس سعد بن معاذ جو خیمہ رسول کے پاس تھا۔ عرض کی حضور! ہم جہاد سے کنارہ کشی کر کے تو دشمن کے مقابلہ سے نہیں رکے اور نہ ہم بزدلی کی وجہ سے یہاں رکے رہے ہیں بلکہ ہم تو صرف اسی لئے یہاں ٹھہرے رہے کہ آپ تنہا نہ رہ جائیں مبادا دشمن آپ کو اکیلا سمجھ کر ٹوٹ پڑیں نیز آپ کے خیمے کے اردگرد مہاجرین و انصار کے سرکردہ افراد موجود ہیں نیز غنیمتیں تھوڑی ہیں اور لوگ زیادہ ہیں اگر آپ ان میں تقسیم کریں گے تو صحابیوں کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ ان کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غنائم کو صرف لڑنے والوں پر ہی تقسیم کر دیں اور ہم خیمہ کے پاس کھڑے ہونے والے محروم رہ جائیں اور ان کا آپس میں اختلاف بھی ہو گیا تھا یہاں تک کہ آپ سے سوال کیا

گیا۔ کہ یہ غنیمتیں کن لوگوں کے لئے ہیں؟ پس آیت مجیدہ نازل ہوئی یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ یہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں قوان کو بتا دیجئے کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کہ انفال صرف اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے۔ پس سب لوگ واپس چلے گئے اور کسی کو بھی غنیمت سے کچھ نہ ملا۔ پھر وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (الآیہ) نازل ہوئی تو آپ نے غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا حضورؐ آپ سوار اور کمزور کو برابر دے رہے ہیں آپ نے فرمایا کمزوروں کی وجہ سے تو خدا کی نصرت نازل ہوتی ہے۔ پس غنائم بدر کو بغیر خمس کے آپ نے تقسیم کر دیا اور بعد میں خمس نکالتے رہے (صافی) (برہان)

۷۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ انفال ہر وہ بنجر زمین ہے جس کے آباد کار برباد ہو چکے ہوں۔ اور جس پر اونٹ۔ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں بلکہ صلح سے حاصل ہوئی ہو اور اپنے ہاتھوں سے کر دیئے ہوں بغیر لڑائی کے اور فرمایا نیز پہاڑوں کی چوٹیاں وادیوں کے پیٹ۔ جنگلات بنجر زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور بادشاہوں کی برگزیدہ چیزیں جو بغیر غصب کے ان کے ہاتھ میں ہوں کیوں کہ غصبی اشیاء تو مالکوں کی طرف پلٹائی جایا کرتی ہے اور نیز امام وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو اور امام پر کفالت ہے ان کی جن کا کوئی حیلہ نہ ہو۔

مسئلہ: مالِ امام زمان غیبت میں نائبِ امام کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے وہ جہاں امام کی خوشنودی سمجھے گا خرچ کرے گا اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے اور نائبِ امام سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ملکۂ استنباط اور قوتِ اجتہاد رکھتا ہو اور اس میں دیگر شرائط بھی پائی جاتی ہوں مثلاً عدالت ذکوریت حلال زادہ ہونا وغیرہ۔ پس ہر مجتہد جامع الشرائط کی خدمت میں مالِ امام پیش کیا جا سکتا ہے خواہ اعلم ہو یا غیر اعلم خواہ مالِ امام پیش کرنے والا اس کی تقلید میں ہو یا نہ ہو۔ جن لوگوں نے یہ قید لگا دی ہے کہ مالِ امام اپنے مقلد کو پیش کرنا چاہیے یا مقلد کے لئے اعلم ہونا ضروری ہے، ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

اصلاحِ مسلمین

وَاَصْلِحُوْا۔ جب جنگ بدر فتح ہوئی تو خیمہ رسول کے پاس بیٹھنے والوں اور لڑنے والوں میں تلخ کلامی ہو گئی۔ یعنی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کیونکہ لڑنے والے چاہتے تھے کہ ہم کو ملنی چاہیئے اور خیمۂ رسولؐ کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ گوارا نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہمیں بھی حصہ دیا جائے پس تُو تُو میں میں تک نوبت پہنچ گئی بعض لوگوں نے اس مقام پر بداخلاقی کا مظاہرہ بھی کیا جس کے نتیجہ میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے غنائم بدر کو انفال قرار دے کر رسول کی ملکیت بنا دیا گیا جس کو حضورؐ نے اپنی مرضی سے برابر تقسیم کر دیا اور مسلمانوں کو باہمی اصلاح کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دلوں میں شکر رنجیاں باقی نہ رہیں۔ خدا اور رسولؐ و اہلبیتؑ اطہار کے نزدیک مومنوں میں اصلاح کرنا بہت بڑی نیکی ہے چنانچہ اس بارے میں کافی احادیث مروی ہیں۔

۱. اصول کافی میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کا محبوب صدقہ ہے اصلاح بین الناس

اللہ ایک دوسرے سے دوری کے وقت ان کو قریب کرنا۔

۲۔ اصول کافی میں ہے نیز آپ نے فرمایا اگر ہمارے شیعوں میں سے دو کے درمیان کوئی جھگڑا دیکھو تو ہمارا مال دے کر ان میں صلح کرا دیا کرو۔

۳۔ اصول کافی میں ہے آپ نے فرمایا دو کے درمیان صلح کرانے والا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا یعنی خلافِ واقع بات کہہ کر بھی صلح کرا دے تو اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا۔

۴۔ باب کذب میں آپ نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں (۱) صدق۔ ۲۔ کذب۔ ۳۔ اصلاح بین الناس۔ پس کسی نے سوال کیا کہ حضور اصلاح کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا وہ اس طرح ہے کہ تم کسی شخص سے دوسرے کے متعلق کوئی ایسی بات سنو کہ اگر وہ سنتا تو اس کو غصہ آ جاتا ہے تم اس سے جا کر اس شخص کی جانب سے اچھی بات نقل کرو جو اس نے نہ کہی ہو تاکہ وہ اس سے بدظن نہ ہو اور غصہ کی بجائے اس کے دل میں محبت پیدا ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا

بے شک مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل کانپ جائیں اور پڑھی جائیں

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾

ان کے سامنے اسکی آیات تو ان کا ایمان زیادہ ہو اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوں

۵۔ آپ نے فرمایا ایک دن ہر جھوٹ کے متعلق باز پرس ہوگی لیکن تین قسم کے جھوٹ کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی (۱) دشمن دین کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اس کو مغلوب کرنے کی خاطر (۲) دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر (۳) اپنی اہل کے ساتھ وعدہ کرنا جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو

اس میں کوئی شک نہیں کہ جھوٹ بولنا طبعی گراوٹ اور خست ہے لیکن لوگوں کے درمیان اصلاح اس قدر اہم ہے کہ اگر اس بارہ میں انسان کو یہ خست برداشت کرنی پڑے تو برداشت کرے لیکن صلح کی نیکی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور دشمنِ دین کو مغلوب کرنا بھی چونکہ زمین میں اصلاح کے لئے ہی ہوا کرتا ہے اس لئے یہاں بھی اس گراوٹ کو اپنا لینا معاف کیا گیا ہے اور گھریلو معاملات کا سلجھاؤ اور اس کی اصلاح بھی اسی سے ہے کہ انسان اپنی رواداری کو برقرار رکھنے کیلئے گھر سے روانگی کے وقت ہر قسم کی فرمائش پر ہاں کرتا جائے اور پھر عمل کے وقت اتنا ہی کرے جس قدر گنجائش و وسعت ہو بعد اس مقام پر شروع سے ہاں کرتے وقت اگرچہ دل میں اس پر عمل کا ارادہ نہ تھا کیونکہ اپنے ذاتی حالات اس کو اجازت نہ دیتے تھے لیکن انکار میں خانگی بگاڑ کا خطرہ تھا پس اس جھوٹ کی گرفت سے خداوند کریم اس کو معافی دے گا۔

علاماتِ مومن اس مقام پر خداوند کریم نے مومنوں کی پانچ علامتیں بیان فرمائی ہیں (۱) خوفِ خدا

جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل اس کی عظمت وجلالت کا تصور کرکے لرز جائیں اور اس کی قدرت عدالت۔ نیز گناہوں پر گرفت وسزا اور اپنی کوتاہیوں کے انبار کا خیال کرکے کانپ جائیں۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اللہ کا خوف رکھے گا خدا ہر شے کے دل میں اس کا خوف ڈال دے گا اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا خدا اس کے دل میں ہر شے کا ڈر پیدا کر دیتا ہے یعنی اللہ سے ڈرنے والا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ سے نہ ڈرنے والا ہر شے سے ڈرتا ہے۔

نیز کافی میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص بمعہ اپنی اہلیہ کے سفر کو روانہ ہوا سفر دریا میں ان کی کشتی ٹوٹ گئی اور کشتی والوں سے سوائے اس کی عورت کے کوئی بھی نہ بچ سکے گا پس وہ عورت ایک تختے پر محفوظ ایک جزیرہ میں پہنچی وہاں ایک ڈاکو تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی یہ عورت اس کے پاس پہنچی تو اس نے دریافت کیا کہ تو انسان ہے یا جن ہے تو عورت نے جواب دیا کہ قوم انسان سے ہوں فوراً وہ شخص اس عورت پر بقصد زنا سوار ہوگیا تو عورت کا جسم لرز گیا ڈاکو نے پوچھا کانپنے کا کیا سبب ہے تو جواب دیا آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اس سے ڈرتی ہوں۔ اس نے کہا کس بات سے تو عورت نے جواب دیا اس کی عزت وعظمت سے پس فوراً اس ڈاکو کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا اور عورت سے علیحدہ ہو کر کہنے لگا اگر تو عورت ہو کر اس کی عظمت سے اس قدر ڈر رہی ہے تو میں مرد ہو کر کیوں نہ خوف کروں پس سیدھا گھر پہنچا اور اپنے سابق گناہوں سے تائب اور پشیمان ہوا۔ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک راہب اس کا ہمسفر ہوگیا۔ سورج کی تمازت تیز تھی راہب نے کہا اے جوان دعا کر تاکہ خدا کوئی بادل بھیجدے ورنہ ہم گرمی سے کباب ہو جائیں گے۔ جوان نے جواب دیا مجھے تو اپنی کوئی ایسی نیکی معلوم نہیں جس کی بناء پر میں اللہ سے کچھ مانگنے کی جرأت کر سکوں راہب نے کہا اچھا میں دعا مانگتا ہوں تو آمین کہنا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس فوراً ایک بادل نے ان پر سایہ کر دیا۔ دونوں کافی دیر تک اس کے نیچے آرام سے سفر کرتے رہے پس ایک دوراہے پر پہنچے جہاں سے

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝
وہ جو نماز قائم کرتے ہوں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہوں
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ
وہی مومن ہیں سچے ان کے لئے درجات ہیں اپنے رب کے پاس اور مغفرت
رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝
اور پاکیزہ رزق ہے

maablib.org

ان کے راستے الگ الگ پھوٹتے تھے تو جب جوان اپنے راستے کی طرف مڑا تو بادل بھی اسی طرف روانہ ہوا۔ راہب کہنے لگا اے جوان تو مجھ سے نیک ہے کیونکہ بادل کا تیرے ساتھ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ دعا تیری وجہ سے ہی مستجاب ہوئی تھی۔ اور یہ بادل تیری بدولت آیا تھا۔ لہٰذا بیان کرو کہ تو نے کیا نیکی کی ہے۔ پس اس نے اس عورت کے ساتھ گزرا ہوا ماجرا بیان کیا تو راہب نے جواب دیا کہ خوفِ خدا پیدا ہوتے ہی تیرے سابق گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں لہٰذا آئندہ کا خیال کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! تمہارے لئے علامات ہیں ان کی طرف توجہ کرو اور تمہارے لیے ایک حد مقرر ہے اس کی طرف پہنچو۔ دیکھو مومن دو خوفوں کے درمیان مصروفِ کار ہے۔ ایک گزشتہ عمر کا خوف کہ خبر نہیں خدا کے سامنے اس کے متعلق کیا جواب دوں گا۔ اور دوسرے آئندہ کا خوف کہ خدا جانے میرے ساتھ کیا ہو گا۔ پس اس درمیانی حصہ میں اپنی ذات کے لیے اپنی طرف سے کچھ ذخیرہ بنانے کی کوشش کرے اور اس دنیا میں آخرت کے لیے جوانی میں بڑھاپے سے پہلے اور زندگی میں مرنے سے قبل (کچھ زادِ راہ تیار کرے) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے دنیا سے چلے جانے کے بعد معافی مانگنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو شخص یہ سمجھ لے کہ خدا مجھے دیکھتا ہے اور وہ میری باتیں سنتا ہے اور میرے اعمال کو جانتا ہے خواہ نیک کروں یا بد کروں پس اس یقین کے بعد اگر وہ برے کاموں سے رک جائے تو یہ ہے خوفِ خدا۔ اور اس کے لیے ہیں دو جنتیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ۔

نیز آپ نے فرمایا۔ کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ اس کے دل میں دو قسم کے نور ہوتے ہیں ایک نور خوف اور دوسرا نور رجاء دونوں کو اگر وزن کیا جائے تو ایک دوسرے کے بالکل برابر نکلیں گے۔

اور روایت میں ہے کہ خوفِ خدا کی ایک آنسو آتشِ جہنم کے سمندروں کو خشک کرنے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ قیامت کے روز ہر آنکھ رونے والی ہو گی۔ مگر تین آنکھیں نہ روئیں گی۔

(۱) وہ آنکھ جو دنیا میں خدا کی حرام کردہ چیزوں پر نظر کرنے سے بچی رہی۔

(۲) وہ آنکھ جو اطاعتِ خدا میں رات کو بیدار رہی۔

(۳) وہ آنکھ جو اثنائے شب میں خوفِ خدا سے روئی۔

آپ نے فرمایا۔ ہر شے کے لیے ناپ یا وزن ہو سکتا ہے۔ سوائے آنسو کے۔ پس آنسو کا ایک قطرہ آتش جہنم کے سمندروں کو بجھانے کے لیے کافی ہے۔ اگر آنکھ آنسو سے ڈبڈبا جاتے تو ایسے شخص پر کسی قسم کی رسوائی طاری نہ ہوگی۔ اور اگر آنسو بہ نکلے تو اس کا چہرہ آتش جہنم پر حرام ہوگا۔ اور فرمایا اگر امت میں ایک شخص رونے والا ہو تو اس کے ذریعے سے پوری امت پر خدا کا رحم عام ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ مستحق عذاب بھی ہو تو اس کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

(۲) مومن کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ آیاتِ خداوندی کی تلاوت ہو تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر اس کے ایمان کی جلا بنتا ہے۔ اور روایات میں ہے۔ بروز حشر قرآن مجید ان کی سفارش کرے گا۔ جو دنیا میں اس کی حرمت کو سمجھتے تھے۔ اور بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کرے گا۔ اے اللہ! فلاں شخص نے میری خاطر شب بیداری کی ہے۔ تو ارشاد ہوگا تجھے اختیار ہے کہ اس کو جنت میں لے جا۔ چنانچہ مراتب جنت کے قریب پہنچے گا۔ تو ارشاد ہوگا قرآن پڑھتا جا اور آگے بڑھتا جا۔

اور مروی ہے کہ جس نے قرآن ختم کر لیا گویا کہ نبوت اس کے پہلوؤں میں داخل کی گئی۔ بہرکیف اس باب کی احادیث بکثرت ہیں اور مقدمہ تفسیر میں بھی بہت کچھ درج کی جا چکی ہیں۔

(۳) مومن کی تیسری علامت قرآن مجید نے توکل بتلائی ہے کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اصول کافی باب توکل میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ کہ جو بندہ بھی میری ذات پر اعتماد رکھے اور مجھ سے تمسک کرے اور تمام میرے ماسوا کو ٹھکرا دے بشرطیکہ اس کی نیت خالص ہو تو اگر تمام آسمان و زمین اور ان میں بسنے والے اس کو فریب دینا چاہیں اور اس کو مغلوب کرنا چاہیں تو میں اس کی حفاظت اور بچاؤ کے اسباب پیدا کر دوں گا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی شخص مجھے چھوڑ کر میرے غیر پر بھروسہ رکھے تو میں آسمانوں اور زمینوں سے اس کی کامیابی کے وسائل قطع کر دوں گا۔

امام پاک نے فرمایا کہ دولتمندی اور عزت چکر لگاتی پھرتی ہے اور جہاں توکل کو دیکھتی ہے تو ڈیرہ ڈال دیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہی صحیح معنوں میں غنی ہوتا ہے۔ اور وہی درحقیقت باعزت ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص توجہ کرے اس طرف جس طرف کو اللہ محبوب رکھتا ہے تو اللہ بھی توجہ کرتا ہے۔ اس طرف جس طرف کو وہ پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے تمسک پکڑے

اللہ اس کو پناہ دیتا ہے اور جس کی طرف اللہ متوجہ ہو اور اس کو پناہ دے تو اس کو کیا پرواہ۔ اگر آسمان زمین پر بھی آجائے یا اگر مصیبت نازل ہو اور تمام زمین والوں کو گھیر لے تو یہ شخص ہر مصیبت سے اللہ کی امان میں ہوگا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ توکل کا ایک درجہ یہ ہے کہ اپنے تمام معاملات میں اس پر بھروسہ رکھے۔ پس وہ اللہ تیرے ساتھ جو بھی کرے تو اس پر راضی رہے۔ تو یقین جان کہ وہ تجھے خیر سے محروم نہ کرے گا۔ اور جان لے کہ حکم اس کا ہی ہے۔ پس معاملہ کو اس کے سپرد کرنے میں توکل کر اور تمام معاملات میں اس پر وثوق رکھ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کے پاس تین چیزیں ہیں وہ تین چیزوں سے محروم نہ رہے گا۔

(۱) جس کے پاس دعا ہو وہ قبولیت سے محروم نہ ہوگا۔

(۲) جس کے پاس شکر ہو وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا ــــــ اور

(۳) جس کے پاس توکل ہو وہ کفایت سے محروم نہ رہے گا۔ یعنی اللہ اس کو کافی ہوگا۔ الخبر۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بعض کتب متقدمہ میں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت وجلال اور مجد وارتفاع کی قسم کہ میں لوگوں میں سے ہر اس امید کرنے والے کی امید کو ساتھ مایوسی کے توڑ دوں گا۔ جس نے میرے غیر سے امید کی۔ اس کو لوگوں میں ذلت کا لباس پہناؤں گا۔ اس کو اپنے قرب سے ہٹاؤں گا۔ اور اپنے فضل سے دور کروں گا۔ کیا وہ سختیوں میں میرے غیر سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ جب کہ وہ میرے قبضۂ قدرت میں ہیں تو وہ توقع غیر سے کیونکر رکھتا ہے۔ فکر کے ساتھ غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ کنجیاں میرے پاس ہیں۔ اوروں کے دروازے بند ہیں۔ اور دعا مانگنے والوں کے لیے میرا دروازہ کھلا ہے۔ وہ کون ہے جس نے مصائب میں میری امید کی ہو اور میں نے اس کو محروم کیا ہو؟ وہ کون ہے جس نے کسی مشکل میں میرے اوپر توقع کی ہو اور میں نے اس کو نا امید کیا ہو؟ میں نے لوگوں کی امیدیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔ کیا وہ میری حفاظت پر راضی نہیں؟ اور میں نے آسمانوں کو پُر کیا ہے ایسی مخلوق سے جو میری تسبیح سے تکان نہیں محسوس کرتی اور میں نے اس کو حکم دیا ہے کہ میرے اور بندوں کے درمیان دروازہ بند نہ کریں۔ تو کیا ان کو میری بات پر بھروسہ نہیں ہے؟ جس پر کوئی مصیبت نازل ہو کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ میرے سوا میری اجازت بغیر کوئی دوسرا اسے دور نہیں کر سکتا۔ تو اس کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ سے غافل ہے؟ میں نے اپنے جود و کرم سے اس کو وہ کچھ دیا ہے

جو اس سے مانگتا بھی نہ تھا۔ تو پھر وہ مصیبت کے لیے مجھ سے نہیں سوال کرتا۔ اور میرے غیر سے سوال کرتا ہے کیا میں مانگنے سے پہلے نہیں دے دیا کرتا۔ تو کیا سوال کرنے کے بعد سائل کو نہ دوں گا؟ کیا میں بخیل ہوں کہ یہ بندہ مجھے بخیل سمجھتا ہے۔ کیا جود و کرم میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ کیا معافی اور رحمت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ کیا میں امید کا محل نہیں ہوں؟ تو جو شخص امید کو مجھ سے قطع کرتا ہے کیا میرے غیر سے امید کو وابستہ کرنے میں مجھ سے ڈرتا نہیں؟ اگر تمام اہل آسمان و زمین میرے اوپر امید رکھیں اور ہر ایک کو اس کی امید کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک میں ایک چیونٹی کے عضو کے برابر بھی کمی نہ واقع ہوگی اور اس ملک میں کمی ہی کیوں واقع ہو جس کا میں سربراہ ہوں۔ پس کس قدر بدبخت ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہیں۔ اور کس قدر بدبخت ہیں جو میری نافرمانی کرتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

(۴) خداوند کریم نے مومن کی چوتھی علامت نماز بیان فرمائی ہے۔ اور نماز کے وجوب اور اس کے ترک کے عذاب کے متعلق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خانوادہ عصمت سے بہت کچھ احادیث مروی ہیں۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر تارک صلوٰۃ کو مشرک قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ اور حضورؐ نے فرمایا: من ترک الصّلوٰۃ متعمّدا فقد کفر۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔ فرمایا: الصّلوٰۃ عمود الدّین فمن اقامھا اقام الدّین ومن ترکھا فقد ھدم الدّین۔ یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے پڑھی اس نے دین کو قایم کیا اور جس نے نہ پڑھی گویا اس نے دین کو گرا دیا۔ ایک حدیث میں فرمایا: مسلمان اور کافر کے درمیان حد فاصل صرف نماز ہی ہے اصول کافی میں ہے۔ جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام نے گناہان کبیرہ کی فہرست گنوائی کہ وہ سات ہیں:

۱۔ کفر ۲۔ قتل نفس
۳۔ والدین کی نافرمانی ۴۔ سود خوری
۵۔ مال یتیم کا کھانا ۶۔ جہاد سے بھاگ جانا
۷۔ ہجرت کے بعد بدویت کی طرف جانا۔

اس کے بعد راوی نے پوچھا کہ حضورؐ یتیم کے مال سے ایک درہم کھا لینا زیادہ گناہ ہے یا ترک نماز؟ تو آپ نے فرمایا۔ ترکِ نماز کا گناہ زیادہ ہے۔ راوی نے عرض کیا۔ حضور! پھر ترکِ نماز کو آپ نے گناہان کبیرہ میں تو شمار نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ بتاؤ میں نے سب سے پہلے کس چیز کا نام لیا تھا۔ اس نے عرض کی حضور! کفر کا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ترکِ نماز بھی تو کفر ہے۔

(۵) مومن کی پانچویں علامت راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے۔ خرچ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب، دوسرا مستحب۔ اگر واجب نہ ادا کرے تو مستحب میں کتنا ہی سخی بنا رہے کوئی فائدہ نہیں۔ واجب سے مراد زکوٰۃ اور خمس ہیں۔ اگر کسی شخص کے مال میں زکوٰۃ کا وجوب آچکا ہو اور پھر اس کو ادا نہ کرے تو اس مال کا استعمال کرنا حرام ہوگا۔ اور اس مال سے کسی قسم کا صدقہ وخیرات قابل قبول نہ ہوگا۔ نہ اس مال سے زیارت کو جا سکتا ہے اور نہ حج کو۔ اور اس مال سے عزاداریٔ سید الشہدا پر خرچ کرنا، مدارس دینیہ تعمیر کرانا اور مساجد بنوانا وغیرہ قطعاً غیر مفید ہے۔ کارِ خیر میں وہ مال ہی لگایا جا سکتا ہے جو حلال ہو۔ اور جس مال میں مساکین کا حصّہ مخلوط ہو تو وہ مالک پر کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتا۔ اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ بغیر ادا کیے کے مر جائے تو بروزِ محشر تمام دنیا کے مساکین وفقرا اس کے دامن کو پکڑیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ المال مالی والفقراء عیالی فمن بخل بمالی علی عیالی ادخلہ النار ولا ابالی یعنی حدیث قدسی سے نقل کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ تمام مال میرا ہے۔ اور فقیر وغریب لوگ میرے عیال ہیں۔ تو جو شخص میرے مال سے میرے عیال پر بخل کرے گا اس کو جہنم میں داخل کروں گا اور مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اصولِ کافی باب فضل فقراء مومنین میں امام موسٰی کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے۔ فرمایا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے غنی کو اس لیے غنی نہیں کیا کہ وہ مجھے فقیر کی بہ نسبت زیادہ پیارا ہے۔ اور فقیر کو فقیر اس لیے نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل ہے۔ بلکہ اس تقسیم کو اغنیا کی آزمائش کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور اگر فقرا طبقہ نہ ہوتا تو اغنیا طبقہ جنّت کا حق دار نہ بنتا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ ہمارے خوش حال شیعہ امین قرار دیے گئے ہیں۔ غریب شیعوں کے لیے۔ لہٰذا ان کے بارے میں ہماری لاج رکھو۔ خدا تمھاری لاج رکھے گا۔ اسی طریقہ سے خمس کا وجوب انہی شرائط کے ماتحت مذہبِ شیعہ میں تمام علما کے نزدیک مسلّم ہے جن کا بیان آگے آجائے گا انشاء اللہ تعالٰی۔

پس اگر کسی شخص پر خمس واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو حقوقِ سادات کا غاصب ہوگا۔ لہٰذا شیعانِ علی جو حضرت علی و بتول علیہما السّلام کے حقوق کے غصب کو روتے اور غاصبین کو لعن وطعن کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گریبان میں بھی نگاہ ڈال لیا کریں کہ کہیں وہ بھی آلِ محمدؐ کے حقوق کے غاصب ہو کر غصب کرنے والے ٹولے میں نہ ملحق ہو جائیں۔ ان حقوقِ واجبہ کے علاوہ دیگر حقوق بعض واجب مثلاً فطرہ، کفارہ، نذر و عہد و یمین وغیرہ۔ اور بعض مستحب جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ خداوند کریم نے مالی دار اور

دولتمند طبقہ پر عاید کردیے ہیں تاکہ منافع دنیا دیہ صرف ایک طبقہ کی جاگیرداری بن کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ تمام بنی نوعِ انسان ان سے حسب منشا فائدہ اٹھا سکیں۔ اور دنیا ہرج مرج سے محفوظ رہے۔ ظلم و تعدی کا خاتمہ ہو جائے۔ اور امن و اطمینان اور انصاف و اعتدال کا دور دورہ رہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ پیسہ کی بے جا حبس اور متمول طبقہ کا بخل ہی دنیا کے تمام فسادات کی جڑ ہے۔ بنکوں میں اور خزانوں میں پیسہ جمع کر کے مرنے والوں کو قبر میں پتہ چلے گا کہ ہائے ہم نے اپنے نفسوں پر کیسا ظلم کیا۔ اور بروز محشر یہی ذخیرہ شدہ پیسہ جمع کر کے جانے والوں کے پہلوؤں اور پیشانیوں پر داغ دینے کے لیے استعمال ہوگا۔ تُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ۔ اور جب انسان چلائے گا اور چیخے گا تو آواز آئیگی۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ یہ تو وہی چیز ہے جس کو تم خود اپنے لیے جمع کر آئے تھے۔ اب گھبراتے کیوں ہو اور بروز محشر ایسے لوگ انتہائی حسرت و ندامت میں ہوں گے۔ اگر پس ماندگان نے کار خیر میں صرف کر کے جنّت کمائی تو ان کو اس لیے حسرت ہوگی کہ کاش ہم نے اگر خود خرچ کیا ہوتا تو ہم بھی جنّت کے حق دار ہوتے۔ پیسہ ہمارا اور اس سے جنّت دوسرے لے گئے اور اگر پس ماندگان نے اس کو کار شیطان میں صرف کر کے جہنم خریدا تو پیسہ چھوڑ کر آنے والے پر بھی تو وہ وبال ہوگا۔ پس وہ ارمان کرے گا کہ اگر میں اس کو نہ چھوڑ آتا تو کیوں برے کاموں پر خرچ ہوتا اور میرے لیے وبال بنتا۔ بہرکیف شیعانِ آلِ محمد کو اہلِ بیت کی سیرت پہ عمل کرنا چاہیئے۔ صرف زبانی مومن کہلانا کافی نہیں جب تک عمل سے اس کی تصدیق نہ ہو۔

شیعہ کون ہیں؟

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔ ان اوصاف مذکورہ کے بعد مالک ارشاد فرماتا ہے۔ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں تو وہ ہیں سچ مچ مومن اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر یہ صفات موجود نہ ہوں اور مومن کہلائے تو وہ زبانی مومن ہوگا۔ سچ مچ مومن نہ ہوگا۔ اسی طرح شیعہ کہلانا کافی نہیں۔ جب تک کہ اس میں شیعہ کے علائم نہ پائے جائیں۔

۱۔ اصول کافی، باب علامات مومن۔ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ یا علی! جس میں بیس علامتیں پوری نہ ہوں وہ مومن کامل نہیں بن سکتا۔

۱۔ نماز میں حاضر ہونا۔
۲۔ زکوٰۃ ادا کرنا
۳۔ مسکین کو کھانا کھلانا۔
۴۔ یتیم کے سر پر مہر و محبت کا ہاتھ پھیرنا۔
۵۔ لباس کو پاک رکھنا۔
۶۔ دامن کو اونچا رکھنا۔
۷۔ جھوٹ نہ بولنا۔
۸۔ خلافِ وعدہ نہ کرنا۔

maablib.org

۹- امانت میں خیانت نہ کرنا۔
۱۰- سچ بولنا
۱۱- راتوں کو راہب بن کر گھروں میں ٹھہر جانا یعنی ڈاکو بن کر راہ زنی نہ کرنا۔
۱۲- دن کو شیروں کی طرح نکل آنا یعنی کام کاج کر کے حلال روزی کمانا۔
۱۳- دن کو روزہ رکھنا
۱۴- رات کو عبادت میں بسر کرنا
۱۵- ہمسایہ کا خیال رکھنا کہ اس کو ان کی وجہ سے اذیت نہ ہو۔
۱۶- نہ خود اس کو اذیت دینا۔
۱۷- زمین پر تواضع سے چلنا
۱۸- بیواؤں کی خبر گیری کرنا۔
۱۹- تشییع جنازہ کرنا۔
۲۰- تقویٰ خدا میں اور تمہیں متقین کے زمرہ سے قرار دے۔

۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نیکی سے خوشی آئے اور برائی سے نفرت آئے تو وہ مومن ہے۔

۳- آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ اہل ہدیٰ ہیں۔ اہل تقویٰ ہیں اہل خیر ہیں اہل ایمان اور اہل فتح وظفر ہیں۔

۴- آپ نے فرمایا۔ کمینہ پن سے بچو۔ سوائے اس کے نہیں علی کے شیعہ تو وہی ہیں جن کا پیٹ اور شرمگاہ عفیف و پاکیزہ ہو۔ جہاد میں مضبوط ہو خالق کے لیے عمل کرے۔ اس کے ثواب کی امید اور اس کی گرفت سے خوف زدہ ہو۔ اگر ایسی صفات والے لوگ دیکھو تو سمجھ لو کہ علی کے شیعہ ہیں۔

۵- امام محمد باقر علیہ السلام نے سلیمان نامی ایک شخص کو خطاب کر کے فرمایا۔ تجھے معلوم ہے کہ مومن کسے کہتے ہیں۔ عرض کی میں فدا ہو جاؤں۔ آپ ہی فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔ پھر فرمایا۔ تجھے پتہ ہے مومن کسے کہتے ہیں تو میں نے حسب سابق جواب دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ المومن من ائتمنہ المسلمون علی اموالھم و انفسھم۔ مومن وہ ہے کہ مسلمان اس کو اپنی جانوں اور مالوں پر امین سمجھیں .... الخ

ایک روایت میں حضرت رسالت مآب سے آپ نے نقل کرتے ہوئے اسی قسم کی حدیث فرمائی۔ اور آخر میں فرمایا۔ مومن پر حرام ہے کہ دوسرے مومن پر ظلم کرے یا اس کو ذلیل کرے۔ یا اس کی غیبت کرے یا اس کو کہیں دھکا دیدے۔

۶- باب الطاف مومن میں آپ نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن بھائی کے ستر گناہوں پر پردہ ڈالے۔

۷- باب نصیحہ مومن میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن کی خیر خواہی

کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب۔

۸۔ علامات مومن میں آپ نے فرمایا جس کی پرہیزگاری زیادہ ہو خالق کا ڈر ہو اور اس کے ثواب کی امید اس کے دل میں ہو تو سمجھ لو کہ وہ میرے ہیں۔

۹۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری ولایت کی بدولت ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ ہماری مؤدت سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں اور ہمارے دین کی زندگی کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کریں۔ اگر ان کو ناراض کیا جائے تو ظالم نہ بنیں۔ اور اگر راضی کیا جائے تو حد سے نہ بڑھیں۔ اپنے ہمسایہ کے لیے باعث برکت ہوں ۔ اور اپنے دوست کے لیے باعث سلامتی ہوں۔

۱۰۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارا شیعہ وہ ہے جس کی آواز اپنے کان سے نہ بڑھے اور اس کا غصہ اس کے ہاتھ سے تجاوز نہ کرے۔ یہاں تک کہ فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتوں کی طرح بھونکیں نہیں۔ کوے کی طرح لالچی نہ ہوں۔ اور ہمارے دشمن سے سوال نہ کریں خواہ بھوک سے مر ہی جائیں۔ الخ

۱۱۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ کامل الایمان ہے۔

(۱) رضامندی اس کو باطل میں نہ داخل کرے۔

(۲) غصہ اس کو حق سے نہ نکال دے۔

(۳) قدرت و طاقت اس کو ایسے کاموں کی طرف نہ لے جائے جو اس کے شایان نہ ہوں۔

۱۲۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دینداروں کے لیے کچھ علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

(۱) سچ بولنا۔ (۲) امانت ادا کرنا۔

(۳) اپنے عہد کی وفا کرنا۔ (۴) صلہ رحمی کرنا

(۵) کمزوروں پر رحم کرنا۔ (۶) عورتوں سے میل جول کم کرنا۔

(۷) احسان عام کرنا۔ (۸) حُسنِ خلق

(۹) عام خلق (۱۰) علم کی اتباع

(۱۱) ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا موجب ہو۔ طُوبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَآب۔ ایسے لوگوں کے لیے طوبٰی ہے۔ اچھی بازگشت ہے۔ فرمایا۔ طوبٰی جنت میں ایک درخت ہے۔ جس کی اصل حضرت رسالت مآبؐ کے گھر میں ہو گی اور اس کی شاخ ہر مومن کے گھر میں پہنچے گی۔ اور مومن کے دل میں

maablib.org

جو بھی خواہش پیدا ہو گی اس شاخ سے وہی چیز پیدا ہو کر اس کے پیش ہو گی۔ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں ایک سو برس تیزی سے چلتا رہے تو اس کے سایہ کو عبور نہ کر سکے گا۔ اور اگر کوئی پرندہ نیچے سے اوپر کی طرف اس کی بلندی کے احاطہ کے لیے پرواز کرے تو وہ تھک کر گر جائے گا۔ آگاہ ہو ایسے انعام کی طرف رجوع کرو۔ الخبر۔

۱۳۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ عقل والوں کی چند نشانیاں ہیں :۔

(۱) اخلاق حسنہ (۲) دانشمندی

(۳) صلہ رحمی (۴) والدین کے ساتھ نیکی

(۵) فقراء ہمسایوں اور یتیموں کی خبر گیری (۶) روٹی کھلانا

(۷) سلام ہر چھوٹے بڑے کو کہنا (۸) لوگوں کی غفلت کے وقت نماز پڑھنا۔

۱۴۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ کسی مسلمان کے دین کامل ہونے کی علامتیں یہ ہیں۔

(۱) بے ہودہ گوئی سے بچتا ہو۔ (۲) جھگڑا نہ کرتا ہو۔

(۳) حلم و صبر رکھتا ہو اور خلیق ہو۔

۱۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن وہ ہے جو دوسرے مومن کی اعانت کرے۔ دوسرے پر اپنا بوجھ کم ڈالے۔ اپنی معاش کی خود اچھی تدبیر کرے۔ اور ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جائے۔ (یعنی جس کام میں اس کو نقصان ہے اسے بار بار نہ آزمائے)

۱۶۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ ہماری ولایت کا ہر دعویدار مومن نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے لوگ حقیقی مومنوں کے لیے باعث انس بنائے گئے ہیں۔

۱۷۔ باب ابتلاء مومن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ دین کی مقدار کے مطابق مومن دنیا میں مبتلائے مصیبت ہوا کرتا ہے۔

۱۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن ترازو کے پلڑے کی طرح ہے جس قدر اس کے ایمان میں زیادتی ہو گی اسی قدر دوسری طرف اس کی آزمائش میں زیادتی ہو گی۔

۱۹۔ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اپنے دردوں کی تکلیف کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر مومن کو ان تکالیف کے اجر کا پتہ ہوتا۔ (تو شکایت نہ کرتا) بلکہ وہ خواہش کرتا کہ میرا جسم قینچی سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔

۲۰۔ باب کبائر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج ہے جس

نے شراب پیا ایمان سے خارج اور جس نے ماہ رمضان کے ایک دن کا روزہ بھی چھوڑا ایمان سے خارج ہوا۔

۲۱۔ ابن قیس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ہم اپنے اہل مذہب کو اگرچہ وہ گناہ کریں۔ ایمان سے خارج نہیں کرتے تو امام نے فرمایا۔ اے ابن قیس! جناب رسالت مآب صلعم نے تو فرمایا۔ ایمان کے ہوتے ہوئے انسان زنا نہیں کر سکتا۔ مومن ہوتے ہوئے چوری نہیں کر سکتا۔ تو اور تیرے ساتھیوں کی جدھر مرضی ہو پھرتے ہیں۔

۲۲۔ باب الحیا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں

۲۳۔ حضرت رسالت مآب صلعم نے فرمایا۔ حیا دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک حیا دانائی کا۔ دوسرا حیا بے وقوفی کا۔ پس پہلا حیا علم ہے اور دوسرا جہالت ہے۔

۲۴۔ باب الورع میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کثیرا ما کنت اسمع ابی یقول لیس من شیعتنا من لا یتحدث المخدرات بورعہ فی خدورھن ولیس من اولیائنا من ھو فی قریۃ فیھا عشرۃ آلاف رجل فیھم من خلق اللہ اورع منہ۔ میں اپنے والد بزرگوار سے بسا اوقات سنتا تھا کہ آپ فرماتے تھے۔ وہ ہمارا شیعہ نہیں جس کے متعلق پردہ دار عورتیں گھروں میں بیٹھ کر اس کی پاک دامنی کی گواہی نہ دیں۔ اور ہمارے موالیوں میں سے وہ نہیں کہ جس بستی میں وہ رہتا ہو۔ اس میں دس ہزار کی آبادی ہو اور ان میں کوئی آدمی اس سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

۲۵۔ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو زبانی اپنی طرف دعوت نہ دو بلکہ پرہیزگاری کی کوشش نماز اور نیکی کر کے ان کو اپنی طرف جذب کرو۔

۲۶۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اس کو مومن اور اپنا مرید نہیں سمجھتے جو تمام امور میں ہماری اتباع نہ کرے۔

۲۷۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں کہ جس شہر میں اس کی لکھوکھا کی آبادی میں اس سے کوئی دوسرا زیادہ پرہیزگار ہو۔

۲۸۔ فرمایا لوگوں کو اپنی طرف صرف زبانی دعوت نہ دو، بلکہ کونوا زینا ولا تکونوا شینا۔ ہماری زینت بنو اور ہمارے لیے داغ نہ بنو۔

۲۹۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے گروہ شیعہ! اے شیعان آل محمد تم ایسی درمیانی جماعت بنو کہ غالی تمہاری طرف پلٹ آئے اور کوتاہی کرنے والا اور پیچھے رہا ہوا تمہیں تیز ہو کر مل جائے۔ سعد انصاری نے پوچھا۔ حضور غالی کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ قوم یقولون فینا مالا نقولہ

فی انفسنا فلیس اولئك منا ولسنا منهم۔ وہ لوگ جو ہمارے متعلق ایسے عقائد رکھتے ہیں جو ہم اپنے
متعلق نہیں رکھتے پس ایسے لوگ ہم میں سے نہیں ہیں۔ اور نہ ہم ان سے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ پیچھے
رہنے والے کون ہیں؟ تو فرمایا۔ وہ ہیں جو اچھائی کے امیدوار ہیں۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے
لگے واللہ ما معنا من اللہ براءۃ ولا بیننا وبین اللہِ قرابۃ ولا لنا علی اللہ حجۃ ولا نتقرب
الی اللہ الا بالطاعۃ فمن کان منکم مطیعا للہِ تنفعہ ولایتنا ومن کان منکم عاصیا
للہِ لم تنفعہ ولایتنا ویحکم لا تغتروا ویحکم لا تغتروا۔ خدا کی قسم ہمارے پاس اللہ کی جانب سے
کوئی براءت نامہ نہیں ہے اور نہ ہماری اللہ سے کوئی رشتہ داری ہے اور نہ ہماری اللہ پر کوئی حجت
ہے اور ہم نہیں قرب چاہتے اللہ سے مگر اطاعت کے ساتھ۔ بس تم میں سے جو اللہ کا اطاعت گزار
ہو گا اس کو ہماری ولایت نفع دے گی۔ اور تم میں سے جو اللہ کا نافرمان ہو گا۔ اس کو ہماری ولایت نفع
نہ دے گی۔ تم پر وائے ہو۔ دھوکا نہ کھاؤ۔ تم پر وائے ہو دھوکا نہ کھاؤ۔

۳۰۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے جابر! کیا یہ کافی ہے کہ کوئی شخص تشیع کی طرف منسوب
ہو کر ہم اہل بیت کی محبت کا دعوے کرتا ہے۔ خدا کی قسم ہمارا شیعہ نہیں جو اللہ سے نہ ڈرتا ہو۔ اور
اور اس کی اطاعت نہ کرتا ہو۔ اور شیعہ نہیں پہچانے جاتے۔ اے جابر! مگر ان باتوں سے۔ تواضع،
فروتنی، امانت، ذکر خدا، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ نیکی، فقیر، مسکین، مقروض اور یتیم ہمسایوں
کی خبر گیری، سچائی، تلاوتِ قرآن، زبان پر کنٹرول .... الخ

جابر نے عرض کی۔ اے فرزند رسول! پھر آج کل ان صفتوں والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔
آپ نے فرمایا۔ اے جابر! تمہارا کس طرف خیال ہے؟ کیا یہ کافی ہے کہ ایک آدمی کہے میں علیؑ سے
محبت رکھتا ہوں۔ اور اس کی ولا کا قائل ہوں۔ پھر عمل کوئی نہ کرے۔ اگر اس کی بجائے یہ کہتا پھرے
کہ جناب رسول خدا سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ تو علی سے بھی افضل تھے۔ پھر نہ ان کی سیرت پر چلے
اور نہ ان کی سنت پر عمل کرے تو ان کی محبت ان کو کچھ نفع دے گی؟ خدا سے ڈرو اور اللہ کے لیے عمل
کرو۔ خدا کی قسم! خدا کا قرب نہیں حاصل ہو سکتا، مگر اطاعت کے ساتھ اور ہمارے پاس آتشِ جہنم
کا کوئی براءت نامہ نہیں ہے اور نہ کسی کی اللہ پر کوئی حجت ہے۔ بس جو اللہ کا فرمان بردار ہو گا تو وہ ہمارا دوست
ہے۔ اور جو اللہ کا نافرمان ہو گا وہ ہمارا دشمن ہے۔ اور ہماری ولایت حاصل نہیں ہو سکتی مگر نیک اعمال
کے ساتھ۔

۳۱۔ بابُ الصمت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان شیعتنا الخرس۔ ہمارے شیعہ گونگے ہوا

کرتے ہیں۔ (بدزبان نہیں ہوتے)

۳۲۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت ابوذر کا مقولہ تھا۔ اے طالب علم! زبان نیکی اور بدی کی کنجی ہے۔ لہذا سونے وچاندی کی طرح اس پہ مہر لگاؤ۔

۳۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تک مومن خاموش ہو تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب بولیگا تو پھر نیکی یا بدی لکھی جائے گی۔

۳۴۔ باب۔ زیارۃ الاخوان میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے خیثمہ! میرے تمام شیعوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور ان کو یہ وصیت کرنا کہ اللہ سے ڈرو، دولتمند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے، طاقتور کمزور کی مدد کرے۔ زندہ مُردوں کے جنازے پر حاضر ہو۔ اور ایک دوسرے کی گھروں میں جاکر زیارت کریں کیونکہ ایک دوسرے کو ملنا ہمارے دین کی زندگی کا باعث ہے۔ اور خدا اس شخص پر رحم کرے، جو ہمارے طریقہ کو زندہ کرے۔ اے خیثمہ! ہمارے موالیوں کو کہہ دینا۔ ہم تمہارے اللہ سے کوئی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ مگر نیک اعمال کے ساتھ اور ہماری ولایت کو نہیں پاؤ گے۔ مگر پرہیزگاری کے ساتھ اور بروز محشر زیادہ حسرت ان لوگوں کو ہوگی جو عدل کی تعریف جانتا ہو اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔

۳۵۔ باب المعاشرہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں زید شحام سے فرمایا کہ جو بھی میری اطاعت کا دم بھرتے ہیں۔ اور میری بات مانتے ہیں ان کو سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں تمہیں تقویٰ پرہیزگاری، کوشش، صدق، امانت، طول سجدہ، حقوق ہمسایہ کی پاسداری کی وصیت کرتا ہوں کہ رسولِ خدا کا یہ دین ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ امانت ادا کرو۔ خواہ نیک کی ہو یا فاجر کی ہو۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ سوئی یا تاگا کی امانت ہو تو وہ بھی واپس کرو۔ نیز صلہ رحمی، تشییع جنازہ، بیمار پرسی اور حقوق الناس کی ادائیگی بھی کیا کرو۔ کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر دین میں پرہیزگار، بات میں سچا، امانت کا ادا کرنیوالا اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کرنے والا ہوگا۔ اور ایسے شخص کے متعلق جب کہا جائے گا ھذا جعفری۔ یہ جعفری ہے۔ تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اور میں مسرور ہوتا ہوں کہ لوگ کہیں یہ جعفر کی تعلیم وتربیت کا اثر ہے۔ اور جب یہ صفتیں نہ ہوں تو اس کی مصیبت میرے اوپر آجاتی ہے۔ اور میں شرمسار ہوتا ہوں۔ جب لوگ کہیں کہ یہ جعفر کی تعلیم کا اثر ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا۔ کہ پورے قبیلے میں اگر ایک ہی علی کا شیعہ ہو تو وہ اس قبیلے کی زینت ہو۔ امانت کے ادا کرنے والا حقوق کو پورا کرنے والا، بات کا سچا اور ان کی وصیتوں اور امانتوں کا معتمد ہو کہ اگر اس قبیلے سے اس کے متعلق پوچھا جائے تو وہ (یک زبان) بول اٹھیں کہ باتوں کی سچائی اور ادائے امانت میں وہ اپنی آپ مثال ہے۔

maablib.org

۳۶- ابو الربیع شامی سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں جو غصہ کے وقت طبیعت کو قابو نہ کر سکے۔ الخبر

۳۷- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنوں کی عزت و توقیر کرو۔ ایک دوسرے سے لڑو مت۔ ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور بخل سے بچو اور اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ۔

۳۸- حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص والدین کی طرف ناراضگی کی نگاہ اٹھائے خواہ انھوں نے اس پر ظلم بھی کیا ہو تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

۳۹- آپ نے فرمایا۔ دینی بھائی کی لغزشیں اور عیوب ڈھونڈھنا تاکہ اس کو ان کا طعنہ دیا جائے۔ یہ انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

۴۰- آپ نے فرمایا۔ جو شخص کسی مومن کی دوسروں کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا وقار ختم ہو جائے اور اس کی نیت بھی یہی ہو تو وہ خدا کی ولایت (محبت) سے خارج ہوگا۔ اور شیطان کی ولایت میں داخل ہوگا

۴۱- آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن اپنے برادر ایمانی کی طرف اپنی کوئی حاجت لے جائے اور وہ اس کی خیر خواہی کو ~~بکرے~~ تو اس نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔

۴۲- آپ نے فرمایا۔ اگر کوئی مومن دوسرے مومن کی طرف اپنی حاجت لے جائے اور وہ اس کے لیے اس میں اپنی پوری کوشش نہ کرے، تو اس نے خدا اور رسول و مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔

۴۳- فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے کوئی اگر اپنے شیعہ بھائی کی طرف حاجت لے جائے اور وہ باوجود کر سکنے کے نہ کرے تو خدا اس کو حوائج میں مبتلا کرے گا۔

۴۴- آپ نے فرمایا۔ اگر کوئی مومن کسی چیز کی حاجت رکھتا ہو اور دوسرا مومن باوجود پورا کر سکنے یا کرا سکنے کے اس کو اس سے محروم کرے تو بروز قیامت اس کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ آنکھیں ترچھی ہوں گی۔ اور ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے۔ اور اسی حالت میں میدان محشر میں پیش ہوگا۔ اور اعلان کیا جائے گا یہ وہ شخص ہے۔ جس نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ پھر جہنم میں اس کو بھیجا جائے گا۔

۴۵- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کے پاس مومن کوئی حاجت لے کر آئے تو وہ سمجھے خدا کی رحمت آئی ہے جو خدا نے بھیجی ہے۔ اگر وہ اس کو قبول کر لے تو ہماری ولایت سے وہ مل گیا اور ہماری ولایت اللہ کی ولایت سے ملی ہوئی ہے۔ اور اگر اس کو اپنی حاجت سے محروم کرے، حالانکہ پوری کر سکتا ہو تو خدا اس پر اس کی قبر میں ایک اژدہا مسلط کرے گا۔ جو تا روز قیامت اس کو نوچتا رہے گا خواہ

آئندہ کے لیے وہ شخص مغفور ہو یا معذب ہو۔

۴۶- روی السید الرضی (رضی اللہ عنہ) فی الغرر و الدرر عن علی (علیہ السلام) انہ رأی قوما علی بابہ فقال یا قنبر! من ھؤلاء؟ فقال قنبر۔ ھؤلاء شیعتک۔ فقال مالی لا اری فیھم من سیماء الشیعۃ قال وما سیماء الشیعۃ۔ قال خمص البطون من الطوی ذبل الشفاہ من الظماء عمش العیون من البکاء۔

(مرأۃ العقول، باب علامات مومن، جلد ۳، صفحہ ۲۰۹)

سید رضی (رضی اللہ عنہ) نے الغرر والدرر میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے دروازہ پر کچھ لوگ دیکھے۔ قنبر سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے شیعہ ہیں آپ نے فرمایا۔ مجھے تعجب ہے کہ ان میں شیعہ کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ اس نے پوچھا کہ حضور! شیعہ کی نشانیاں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

۱- بھوک سے پیٹ کا پشت سے ملا ہوا ہونا۔ یعنی پیٹ بھرنے کے بعد چونکہ انسان کی طبیعت سست اور بوجھل ہو جاتی ہے۔ پس وہ عبادت سے جی چرانے لگتا ہے۔ پس اتنا کھاتے جو تدبیر بدن کے لیے کافی ہو اور خدا کا شکر ادا کرے۔ اور یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ رزقِ حلال پر اکتفا کرتے ہیں اور حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

۲- پیاس سے ہونٹ خشک ہونا اس سے مراد روزہ دار ہونا ہے۔

۳- خوف خدا میں رو رو کر بینائی کا کمزور ہو جانا۔

اگرچہ اس مطلب سے طول کافی ہو گیا ہے۔ لیکن افادہ کے لیے مومنین کی صفات بیان کی ہیں جو ائمہ کے فرامین میں سے مشتے نمونہ از خروار اور یک دانہ از انبار بلکہ یک ذرہ از ریگ زار اور یک قطرۂ از بحر زخار کی حیثیت سے ہے۔ خداوند کریم ہمیں ان صفات سے متصف ہونے کی توفیق مرحمت فرماوے۔

تذکرہ

عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ قوموں کی طرح شیعہ یا مومن بھی ایک قوم ہے۔ جس طرح سید، پٹھان، بلوچ وغیرہ قومیں ہیں۔ سید کے گھر پیدا ہونے والا سید ہی ہے۔ اسی طرح بلوچ، پٹھان کے گھر پیدا ہونے والا بلوچ، پٹھان ہی بنتا ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ یہاں بھی یہ سمجھ لیا گیا کہ شیعہ یا مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہونے والا ہر بچہ شیعہ یا مومن ہوا کرتا ہے خواہ اس کے کردار کفر کے آئینہ دار ہی کیوں نہ ہوں؟ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف علی علی کرنا شیعۂ علی بننے کا معیار ہے، اور بس۔ اس غلط فہمی کی اصل بنیاد تو ہے جہالت۔ لیکن جبّہ و عبا و قبا و عمامہ پہننے والے بعض مدعیان علم اس بے ہودہ خیال کو مسلّمہ حقیقت ثابت کرتے سنائی دیتے ہیں۔ اس لیے اس غلطی کے ازالے کو ضروری سمجھ کر احادیث ائمہ نقل کی ہیں تاکہ یہ بات

maablib.org

خوب ذہن نشین ہو جائے کہ خاندانوں کی طرح شیعہ ایک خاندان کا نام نہیں کہ اس میں پیدا ہونے والا شیعہ ہوگا اور صرف نام جپنا شیعہ ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ شیعہ مذہب عقائد اور اعمال و کردار کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں یہ پائے جائیں گے وہی شیعہ کہلانے کا حق دار ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ صرف اعمال و کردار کی اصلاح ہی نجاتِ اخروی کے لیے کافی نہیں۔ جس طرح کہ صرف نام سے محبت اور کام سے نفرت ناکافی ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ کوشش جاری رکھے اور حتی الامکان حرام سے بچے۔ اور واجبات کو ترک نہ کرے۔ نیکی کو نیکی سمجھے اور برائی کو برائی سمجھے۔ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو۔ پھر اگر کچھ لغزشیں نامۂ اعمال میں رہ جائیں گی تو محبت علی وہ کمی پوری کردے گی اور ولاء علی کی بدولت انسان جہنم سے نجات پاکر جنت خلد میں جا پہنچے گا۔

قبر میں ولاء علی، پل صراط پر ولاء علی، محشر میں ولاء علی اور ہر مشکل مقام پر ولاء علی حقیقت میں نجات کا باعث ہو سکتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ انسان کی زبان صرف ولاء علی کا دم بھرے اور جسم کے باقی اعضا یزیدیت کی ترجمانی کریں تو اس کا نام شیعہ ہونا نہیں بلکہ شیعہ علی وہ ہے جس کا ہر بند بدن کا جوڑ جوڑ، عضو عضو، رگ رگ، پٹھہ پٹھہ، ہڈی ہڈی، بال بال اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ علی علی پکارے۔ یعنی اس کا کردار سیرت علی کا آئینہ دار ہو۔

نورانی لطیفہ: اصول کافی، باب مولد امیر المومنینؑ میں منقول ہے کہ والدہ ماجدہ جناب امیر علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد جس نے مکہ سے مدینہ تک پیادہ ہجرت فرمائی۔ اور جناب ابو طالب کے بعد تمام لوگوں سے حضرت رسالت مآبؐ کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دی۔ حضورؐ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ بروز محشر لوگ برہنہ محشور ہوں گے تو بی بی غمناک ہوئی۔ واسوأتاہ حضورؐ نے وعدہ فرمایا کہ تیرے پاس لباس ہوگا اور میں اللہ سے سفارش کرونگا۔ پھر ایک دن آپ نے فشار قبر کا ذکر کیا تو بی بی نے فریاد کی واضعفاہ آپ نے اس کی بھی ضمانت دی۔ اچھا وقت گزرتا رہا۔ ایک دن حضورؐ تشریف فرما تھے کہ حضرت علی روتے ہوئے آئے۔ آپ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میری والدہ ماجدہ کا دنیا سے انتقال ہو گیا ہے۔ حضور بنفس نفیس فوراً تشریف لے گئے۔ اور عورتوں کو غسل پر مامور کیا۔ اور فرمایا جب غسل سے فارغ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ عورتوں نے غسل کی تمامیت کی اطلاع دی۔ آپ نے اپنی قمیص اتار کر ان کے حوالہ فرمائی کہ یہ ان کو بطور کفن پہنائی جائے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ آج مجھ سے جو نیا کام صادر ہو اس کی وجہ پوچھ لینا۔ بس جب کفن پہنایا جا چکا تو حضورؐ نے بنفس نفیس جنازہ کو کندھا دیا اور قبر تک جنازہ کے نیچے رہے۔ قبر کے کنارے اتار کر پہلے خود قبر میں اترے اور باہر آکر خود میت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اتارا۔ میت کے کانوں سے اپنے منہ مبارک کو قریب کرکے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور آخر میں کہا۔ اِبْنُکِ۔ اِبْنُکِ یعنی تیرا فرزند۔ تیرا فرزند۔ بس باہر تشریف لائے اور قبر کو بند کیا گیا۔ پھر قبر پر بہت دیر تک روتے رہے اور یہ

کہا لا الٰہ الا اللہ۔ اللّٰھم انی استودعھا ایاك اور قبر کو وداع کیا۔ واپسی پر مسلمانوں نے پوچھا کہ آج آپ نے وہ کام کیے جو آج سے پہلے کبھی نہ کیے تھے تو آپ نے فرمایا۔ آج ابو طالب کے احسانات سے میں بالکل محروم ہو گیا ہوں۔ یہ مجھے ہر چیز میں اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر ترجیح دیا کرتی تھی۔ میں نے ایک روز قیامت کا ذکر کیا تھا تو اس نے اضطراب ظاہر کیا تھا اور میں نے اس کی ضمانت دی تھی کہ تم ملبوس ہو گی اور میں نے فشار قبر کا ذکر کیا تو یہ گھبرا گئی تھی تو میں نے ضمانت دی تھی کہ خدا کفایت فرمائے گا۔ انہی دو باتوں کے لیے میں نے کفن کے طور پر قمیص دی اور فشار قبر کے لیے قبر میں خود لیٹا۔ اور جب سوال وجواب کا وقت آیا تو میں نے اور قریب جا کر اس کو تلقین کی۔ چنانچہ رب اور رسول کے متعلق اس نے جوابات دیے۔ جب ولی و امام کا سوال ہوا تو گھبرا گئی۔ اس لیے میں نے کہا۔ اِبْنُكِ، اِبْنُكِ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد پہلی منزل قبر بھی ولائے علی کے بغیر نہایت مشکل ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا

جس طرح تجھے نکالا تیرے رب نے تیرے گھر سے ساتھ حق کے اور تحقیق ایک گروہ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

مومنوں کا ناپسند کرنے والا تھا۔ جھگڑتے ہیں تجھ سے حق میں بعد اس کے کہ واضح

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ

ہو چکی بات گویا کہ وہ چلائے جاتے ہیں طرف موت کے کہ اسے دیکھ رہے

يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

ہیں۔ اور جب وعدہ کرتا تھا تم سے اللہ ایک گروہ کا

كَمَآ اَخْرَجَكَ۔ اس کاف حرف جار کے متعلق اختلاف ہے۔ (۱) بعض کہتے ہیں قُلِ الْاَنْفَالُ الآیہ کے مدلول پر عطف ہے۔ یعنی نزعھا من ایدیھم بالحق کما اخرجک من بیتک بالحق یا اسی طرح الانفال ثابت للہ مثل ما اخرجک۔ (۲) يُجَادِلُوْنَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی يُجَادِلُوْنَكَ بِالْحَقِّ كما کرھوا اخراجک

اور ہر صورت میں معنی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا۔ انفال کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا ساتھ حق کے۔ جس طرح تمہیں گھر سے یعنی مدینہ سے جنگ بدر کے لیے نکالا ساتھ حق کے یعنی اس کو بھی وہ ناپسند کرتے تھے اور اس کو بھی۔ لیکن خدا ان کا پابند نہیں ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو زیادہ مناسب اور اچھا ہوتا ہے

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ سے جھگڑتے ہیں حق بات میں جس طرح کہ مدینے سے نکلتے وقت جھگڑا کرتے تھے

بِالْحَقِّ ۔ یعنی وحی کے ماتحت ہی خروج تھا جس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔

يُجَادِلُوْنَكَ ۔ حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ آپ اپنی مرضی سے کام نہیں کرتے بلکہ وحی خدا ہوتی ہے۔ نیز معجزات دیکھ کر بھی وہ آپ کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ سختیوں سے گھبرا کر گھر میں پلٹنے کے بہانے بناتے ہیں اور آگے جانا اس طرح سمجھتے ہیں گویا موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں۔

جنگِ بدر کا قصّہ

واقعہ یہ ہوا کہ ابوسفیان چالیس اونٹ کا قافلہ لے کر شام سے واپس پلٹ رہا تھا اور اونٹوں پر قریش کا کافی مال بار تھا۔ حضورؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان سے جاکر وہ مال زبردستی لے لو۔ بعضوں نے تو کھلے دل سے لبّیک کہی اور بعض نے بوجہ محسوس کیا۔ پس وہ چاروناچار نکلے ان کا ارادہ صرف ابوسفیان کے قافلے کا مال لینا ہی تھا۔ اُدھر ابوسفیان کو خبر ہوگئی تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکّہ روانہ کیا تاکہ قریش کو حقیقتِ حال کی خبر دیے۔ ادھر عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کے پہنچنے سے تین دن پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شتر سوار آلِ غالب کو پکارتا ہے کہ موت کی طرف تیاری کرو۔ پھر وہ کوہ ابوقبیس پر پہنچا اور وہاں سے ایک پتھر اٹھا کر توڑا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور تمام مکّے کے گھروں میں اس کا ایک نہ ایک کنکرہ پہنچا۔ اور وادیٔ مکّہ خون سے پر ہوگئی۔ پس وہ گھبرا کر بیدار ہوئی اور عبّاس کو خبر دی۔ عبّاس نے عتبہ بن ربیعہ سے تعبیر دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ شاید قریش پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ اور یہ خواب تمام قریشیوں میں عام شایع ہوا۔ ابوجہل نے از راہِ عناد کہا کہ بنی ہاشم میں یہ ایک دوسری نبیّہ پیدا ہوئی ہے۔ لات و عزّیٰ کی قسم اگر تین دن تک اس کے خواب

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

کہ وہ تمھارے لیے ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ غیر صاحب مشقت ہو تمہارے

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ

لیے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق ثابت کرے ساتھ اپنے کلمات کے اور کاٹ

يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

دے جڑ کافروں کی تاکہ ثابت کرے حق کو اور مٹادے باطل کو اگرچہ

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ

ناپسند کریں مجرم۔ جب تم فریاد کرتے تھے۔

٭ اس کی تفسیر صفحہ ۱۸۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

کی صداقت نہ معلوم ہوئی تو ہم ایک عہد نامہ لکھیں گے کہ بنی ہاشم کے مردوں اور عورتوں سے عرب بھر میں کوئی زیادہ جھوٹا نہیں ہے۔

جب تیسرا دن ہوا تو ضمضم آن پہنچا اور اس نے باآواز بلند صدا دی۔ اے آلِ غالب! اپنے قافلے کی خبر لو کہ محمدؐ اور یثرب کے لوگ جو تمہارے دین کے دشمن ہیں مل کر ان سے مال و زر لوٹنا چاہتے ہیں۔ پس تمام اکابر قریش تیار ہوئے اور اعلان کر دیا کہ جو نہ جائے گا اس کا گھر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ بنی ہاشم میں سے حضرت عباس بن عبد المطلب، نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بھی ان کے ہمراہ تھے پس قریش پوری تیاری کر کے گویا عورتوں کو ہمراہ لے کر شراب پیتے اور دفیں بجاتے ہوئے مکّہ سے روانہ ہوئے۔

ادھر جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ کل تین سو تیرہ آدمی تھے۔ جبریل نے آکر قریش کی روانگی کی اطلاع بھی دیدی تو حضور نے اپنے صحابہ سے دو میں سے ایک کے اختیار کرنے کا مشورہ طلب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ۔ ترکیب کے لحاظ سے اَنَّهَا لَکُمْ محلاً منصوب ہے۔ کیونکہ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ سے بدل ہے۔ یعنی، اِنَّ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ لَکُمْ۔ کر وعدہ ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے۔

ایک گروہ ابو سفیان والا جن کے پاس قیمتی مال و متاع تھا۔ اور دوسرا گروہ مکّہ سے آنیوالوں کا تاریخوں میں پہلے گروہ کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسرے گروہ کو نفیر یعنی کوچ کرنیوا‌لا کہا گیا ہے۔ (احد ۱۸۱)

رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ
اپنے رب سے تو قبول کی۔ اس نے تمہاری دعا کہ میں مدد کرونگا تمہاری
مُرْدِفِیْنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ
ایک ہزار فرشتوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالے اور نہیں کیا اس کو
بِهٖ قُلُوْبُکُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ
اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس پر تمہارے دل حالانکہ نہیں ہوتی مدد مگر جانب خدا سے بیشک اللہ غالب حکمت والا

ع ۱۵

وَتَوَدُّوْنَ مسلمان پہلے گروہ کو چاہتے تھے یعنی عیر کو کہ وہ آسان تھا اور اس میں غنیمت کی کافی توقع تھی فائدہ ہی فائدہ تھا۔ کیونکہ وہ تھوڑے تھے اگر لڑنے کی ضرورت ہوتی تو بھی وہ آسان تھا۔ اور دوسرا گروہ تکلیف دہ تھا اور وہ صاحبِ شوکت تھا اس لیے باعثِ مشقت تھا۔ اب مسلمانوں کی مرضی عیر کی طرف تھی اور حضورؐ کی خواہش نفیر کی طرف تھی کیونکہ یہ ذرا مشکل تھا اور حضور دو کاموں میں سے مشکل کو ہی اختیار فرمایا کرتے تھے۔

وَیُرِیْدُ اللّٰہُ۔ یعنی، خدا وہ چاہتا ہے جس میں تمہاری بہتری ہو۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اسلام کا بول بالا

اہل اسلام کے پاس شوکت وحشمت ہو۔ پس حق حق ہو اور باطل باطل ہو۔

چنانچہ آپ نے جب صحابہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابو بکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی حضورؐ! یہ قریش متکبر لوگ ہیں۔ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یہ کسی کے سامنے مطیع ہونا پسند نہیں کرتے۔ آپ لڑائی کے لیے تیار ہو کر تو نکلے نہیں ہیں۔ (تاکہ کفار مکہ کا مقابلہ کر سکیں۔) میں ابو سفیان کے قافلہ والوں کا راستہ خوب جانتا ہوں۔ یعنی انہی کا تعاقب کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھا تو حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور انھوں نے بھی اسی پہلے کی طرح مشورہ پیش کیا کہ عیر کی طرف ہی جایا جائے۔ اور نفیر یعنی قریش مکہ سے لڑنے کا خیال ترک کر دیں۔ کیونکہ ہماری تیاری نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بھی بیٹھ گیا۔ بس مقداد بن اسود کھڑا ہوا اور عرض کی۔ حضورؐ! ہم سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ کی ہر بات حق ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں غضا کے انگاروں میں اور ببول کے خاروں میں پا برہنہ گھسنے کا حکم دیں تو آپ کے ساتھ گھسنے کو تیار ہیں ہم آپ کو وہ الفاظ ہرگز کہنے کو تیار نہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں اِمْضِ لِاَمْرِ رَبِّكَ اِنَّا مَعَكَ مُقَاتِلُوْنَ۔ آپ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کریں۔ اور ہم آپ کے ہمراہ جان توڑ کر لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ حضورؐ نے مقداد کی ایمان افروز تقریر سن کر اس کو جزائے خیر دی۔ پھر انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم بھی کچھ تو کہو۔ کیونکہ انصار نے بیعت عقبہ کے وقت پہلے سے کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے گھر آئیں گے تو آپ کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ اور اپنے بچے عورتیں دیگر بھی آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ کی منشا یہ تھی کہ مبادا یہ نہ کہہ دیں کہ ہمارا تو مدینہ شہر کے اندر اندر آپ کی نصرت کا وعدہ تھا۔ اس لیے ان سے مشورہ طلب کیا تو سعد بن معاذ کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔ آپ کا پہلے ارادہ کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے اگر پہلے سے ہوتا تو مدینہ میں ہم ایسے لوگ چھوڑ آئے ہیں جو ہم سے زیادہ جنگجو تھے ہم اس سے پہلے کبھی لڑائی کے لیے میدان میں نہیں اترے اور نہ اس کا طریقہ جانتے ہیں۔ لیکن اب آپ جو حکم دیں ہم اس کے لیے حاضر ہیں کی امداد چاہیں تو ہمیں عذر نہیں اور اگر حکم دیں کہ سمندر کی موجوں میں اترنا ہے تو انکار نہ کریں گے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے وہ کام سرزد ہو جس سے حضورؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اللہ کی برکت سے چلیے ہم آپ کے ہم رکاب ہیں۔ پس آپ روانہ ہوئے اور فرمایا کہ خدا نے ان دو گروہوں میں سے ایک کا ہمیں وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارا ہو گا

یعنی ہم اس پر غالب ہوں گے اور خدا اپنے کیے ہوئے وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ اور مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور فلاں فلاں آدمی مارے جائیں گے۔ بس کوچ کا حکم دیا۔ اور بدر کا رخ کیا اور ابوحمزہ ثمالی کی روایت میں ہے۔ بدر ایک شخص کا نام تھا اور اس کا وہاں کنواں تھا جو اسی کے نام کے ساتھ مشہور تھا۔

اُس طرف قریش بھی قریب آن پہنچے۔ انھوں نے اپنے غلام پانی بھرنے کے لیے بھیجے۔ صحابہ نے ان کو پکڑ لیا اور پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہم قریشیوں کے غلام ہیں۔ انھوں نے پوچھا۔ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں کیا پتہ؟ پھر صحابہ نے ان کو مارنا شروع کیا۔ حضور نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔ چونکہ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ اس لیے ان کو مارتے ہو اور اگر جھوٹ کہہ دیں تو ان کو چھوڑ دو گے۔ پس وہ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ تم کون ہو تو انھوں نے صاف صاف بتایا کہ ہم قریشیوں کے غلام ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کی تعداد کس قدر ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہمیں صحیح معلوم نہیں۔ آپ نے پوچھا ہر روز کتنے اونٹ نحر کیے جاتے ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا نو یا دس تو آپ نے فرمایا کہ نو سو ۹۰۰ سے ایک ہزار ۱۰۰۰ تک ان کی تعداد ہے۔ پس آپ کے حکم سے ان کو قید کر لیا گیا۔ قریشیوں کو یہ اطلاع پہنچی تو گھبرا گئے اور بہت خوفزدہ ہوئے۔

بدر سے ابھی ایک شب کا سفر باقی تھا کہ حضور نے دو آدمی بھیجے تاکہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں تو وہ دونوں بدر کے پانی پر پہنچے۔ پانی خوب شیریں تھا۔ وہاں دو عورتوں کو دیکھا کہ ایک دوسری کے دامن کو پکڑ کر اس سے ایک درہم کا مطالبہ کرتی تھی۔ جو اس نے دینا تھا تو اس نے جواب دیا کہ کل قریش کا قافلہ فلاں مقام پر فروکش تھا۔ اور کل تک یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ان کی مزدوری کر کے تجھے اپنا قرضہ چکا دوں گی۔ پس ان دونوں نے یہ بات سن کر واپس حضور کو بیان کی۔

ادھر ابوسفیان جب بدر کے قریب پہنچا تو قافلہ کو روک کر اکیلا خود بدر پر آیا اور وہاں کے مقیم ایک قبیلہ جہینہ کے آدمی کسب نامی سے محمد مصطفیؐ کی خبر پوچھی اس نے لاعلمی ظاہر کی، ابوسفیان نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر تو نے سچ نہ بتایا تو قریشیوں کی تیرے ساتھ ہمیشہ کی دشمنی ہو جائیگی کیوں کہ اس قافلہ میں تمام قریش کا تھوڑا بہت حصہ موجود ہے تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمدؐ کی کوئی خبر نہیں البتہ آج یہاں دو شتر سوار میں نے دیکھے ہیں جو کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے ہیں۔ ابوسفیان نے اونٹوں کی بیٹھنے کی جگہ سے مینگنیاں اٹھائیں اور ہاتھ میں ملا تو کھجور کی گٹھلی نکلی۔ کہنے لگا۔ کہ یثرب کے گھاس کی نشانی ہے۔ یہ لوگ محمدؐ کے جاسوس ہی ہوں گے۔ واپس آکر قافلہ کو ساحل سمندر کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ راستہ چھوڑ کر تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر جبریلؑ نے خبر دے دی کہ قافلہ تو ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ اور قریش ابھی پہنچنے والے ہیں۔ آپ جہاد کریں اور خدا کا وعدۂ نصرت ہے پس صحابہ کی آزمائش

کے لیے ان کو واقعہ کی خبر دی اس وقت ماء الصفرا پر آپ کا نزول تھا۔

ادھر قریش میں خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا چنانچہ عتبہ بن ربیعہ ابوالبختری کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ہم نے بڑی زبردست غلطی کی۔ ہم صرف اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے آئے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکل گیا ہے اور ہم از راہ بغاوت و سرکشی یہاں کو دپڑے ہیں۔ اور خدا کی قسم بغاوت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ قافلہ میں اولاد عبد المناف کا جس قدر مال ہے۔ سب کا چلا جانا منظور ہے۔ لیکن یہ اقدام نا منظور ہے۔ ابوالبختری نے جواب دیا۔ تو قریش کے سرداروں میں سے ہے۔ قافلہ کے مال کی ضمانت دے دو۔ عتبہ نے کہا۔ ابوجہل سے جا کر اس کا ذکر کرو۔ چنانچہ ابوالبختری ابوجہل کے پاس آیا۔ اور کہا مجھے عتبہ نے بھیجا ہے۔ ابوجہل نے غصہ سے کہا کہ اس کو تیرے علاوہ کوئی آدمی نہیں ملتا تھا۔ ابوالبختری نے جواب دیا۔ اگر کوئی دوسرا آدمی مجھے بھیجتا تو میں نہ آتا۔ لیکن عتبہ قریش کا سردار ہے اس کا کہنا کس طرح ٹھکراتا؟ ابوجہل کو دوبارہ غصہ آیا۔ کہ ہائیں! وہ قریش کا سردار ہے؟ ابوالبختری نے کہا۔ صرف میں تو نہیں کہتا۔ سارے قریشی اس کو سردار جانتے ہیں۔ اور وہ قافلے کے مال کی ضمانت دیتا ہے۔ ابوجہل نے جواب دیا۔ عتبہ زبان دراز آدمی ہے اور وہ عبد المناف کی اولاد سے ہے۔ یہ محمدؐ کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کا بیٹا اس کے ہمراہ ہے۔ لات و عزا کی قسم! ہم یثرب میں جا کر ان پر حملہ کریں گے۔ اور ان کو قید کر کے مکہ لے جائیں گے۔ تاکہ تمام عرب میں اس بات کا چرچا ہو۔ عتبہ کا بیٹا ابوحذیفہ جناب رسالت مآبؐ کے ہمراہ تھا اور ابوجہل نے کہا میں اس کے خلاف کوئی دوسرا مشورہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

مسلمانوں کو جب یہ اطلاع پہنچی تو نہایت گھبرائے اور روئے۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ: یعنی، تم خدا سے فریاد کرتے تھے اور طلب نصرت کرتے تھے تو خدا نے تمہاری دعا کو مستجاب فرمایا۔ کہ میں ایک ہزار فرشتے سے تمہاری مدد کروں گا کہ ان کے پیچھے ایک ہزار دوسرا ہوگا اور مُرْدِفِيْنَ کا یہی مطلب بتایا گیا ہے۔ اور فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ اور فرشتوں کی امداد صرف تمہاری خوشنودی کے لیے تھی۔ اور تمہاری تسکین قلب کی خاطر ہی تھی۔ ورنہ کافروں کی تباہی کے لیے تو صرف ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔ جس طرح پوری قوم لوط کو فرشتہ کا ایک پر ہی الٹنے کے لیے کافی ہوا تھا۔ اور سورہ آل عمران میں جو تین ہزار یا پانچ ہزار کی تعداد کا بیان ہے۔ اس کی اس جگہ سے کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ یہاں بھی مُرْدِفِيْنَ کا معنی ہے۔ ہزار کے پیچھے ہزار خواہ جتنے ہزار بھی ہوں۔ تو یہ الفاظ ان پر صادق آ سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ہزار کا لفظ کثرت مطلقہ کے بیان کے لیے ہو جس طرح کہا جاتا ہے۔ میں نے ہزار بار تمہیں یہ کہا۔ یعنی، بہت دفعہ کہا۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ یہ آیت صفحات ۱۸۱/۱۸۲ پر لکھی گئی اور یہاں اس کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

رکوع ۱۶

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ

جب غالب کرتا تھا تم پر اونگھ کو آرام کے لیے اور اتارتا تھا تم پر آسمان

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ

سے بارش تاکہ تم کو پاک کرے ساتھ اس کے اور دور کرے

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ

تم سے شیطانی وسوسہ اور مضبوط کرے تمہارے دلوں کو

بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

اور ثابت کرے قدموں کو جب کہ وحی کی تھی تیرے رب نے فرشتوں کو

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ۔ اس کی وضاحت چوتھی جلد میں ہوچکی ہے۔ یہ نیند صرف امن واطمینان حاصل کرنے کے لیے تھی۔ کیونکہ خوفزدہ آدمی کو تو نیند آہی نہیں سکتی۔ اور نیند نہ آنے سے طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ خدا نے نیند کو غالب کردیا۔ تاکہ پچھلی سفر کی تکان ختم ہوجائے۔ لڑنے کے لیے طبیعتوں پر بوجھ نہ رہے۔ اور دشمنوں پر ایک قسم کا رعب طاری ہوجائے۔

یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ چونکہ کفار لوگ پانی پر پہنچ کر قبضہ جما چکے تھے۔ مسلمان بعد میں پہنچے تو ان کو پانی سے دور ریگ کے ٹیلوں پر ٹھیرنا پڑا۔ ان کو دو تکلیفیں درپیش ہوگئیں۔ ایک پانی کی کمی۔ اور دوسری ریگ میں ان کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور لڑائی کے لیے یہ چیز ان کے لیے بزدلی کا باعث تھی۔ پس خداوند کریم نے بارش نازل فرمائی جہاں ایک طرف پانی کی کمی کی شکایت رفع ہوگئی۔ دوسری طرف زمین پیر جمانے کے قابل ہوگئی اور کفار کی طرف دلدل ہوجانے سے ان کی کمزوری میں بارش اضافہ کا باعث ہوگئی۔

لِیُطَهِّرَکُمْ بعض صحابہ کو احتلام ہوگیا تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے شروع کردیے۔ پس بارش نے جہاں ان کو غسل کرنے کا موقع دے کر پاک وصاف کردیا۔ وہاں وساوس شیطانیہ سے بھی نجات دلوادی۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بارش کا پانی پیا کرو یہ بدن کو پاک کرتا ہے اور بیماری کو دور کرتا ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ یعنی فرشتوں کو حکم خدا ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب تم مومنوں کو ثابت کرو۔ یعنی ان کو امداد ونصرت کی خوشخبری دو تاکہ وہ ثابت قدم رہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں فرشتہ صف کے سامنے آکر کھڑا ہوجاتا تھا اور با آواز بلند مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

maablib.org

فَاضْرِبُوْا - یہ خطاب ممکن ہے فرشتوں سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومنوں کو حکم ہو - یعنی تم کو ان پر پورا غلبہ حاصل ہو گا - چاہے سروں پر مارو - ان کو یا ان کے ہاتھ پیر کاٹتے جاؤ - بنان انگلیوں کے پوروں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہاتھوں اور پاؤں سے کنایہ کیا گیا ہے -

آغاز جنگ

صبح سویرے حضورؐ نے صحابہ کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دے دیا - کل تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی جن میں صرف دو گھوڑے تھے ایک زبیرؓ کے پاس یا بہ اختلاف روایت مرثد بن ابی مرثد کے پاس دوسرا مقداد کے پاس اور لشکر میں کلیۃً ستر اونٹ تھے - کہ دو دو یا تین تین آدمی باری باری ان پر سوار ہوتے تھے - ادھر قریشیوں کے پاس چار سو گھوڑے تھے یا باختلاف روایت ایک سو گھوڑے تھے - جب انھوں نے صحابہ رسول کی قلت دیکھی تو ابو جہل کہنے لگا - یہ تو ایک لقمہ ہے اگر ہم اپنے غلاموں کو حکم دیں تو وہ بھی ان کو زندہ گرفتار کر کے لے آئیں گے - عتبہ نے کہا ممکن ہے انھوں نے کچھ فوج کمین گاہ میں بٹھا رکھی ہو - چنانچہ عمرو بن وہب جمی جو بڑا بہادر اور شہ سوار تھا - اس نے گھوڑا دوڑا کر فوج اسلام کا جائزہ لیا - اور قریش کو آکر اطلاع دی کہ ان کی کمین گاہ میں تو کوئی فوج ووج نہیں - لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یثرب کے اونٹ ہماری طرف موت تلخ کو اٹھا کر لائے ہیں - دیکھو تو سہی کس طرح گونگوں کی طرح خاموش ہونٹوں پر اژدہاؤں کی طرح زبان پھیر رہے ہیں - اور تلواروں پر تکیہ جمائے ہوئے ہیں - اور یہ بھاگنے والے معلوم نہیں ہوتے - اب تم خود ہی سوچ لو - ابو جہل نے ڈانٹ کر کہا کہ جھوٹ کہتا ہے اور بزدل ہے - ادھر صحابہ رسول کی دل جوئی کی خاطر خداوند کریم - نے آیت بھیجی - وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا - یعنی اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم جھک جاؤ - پس حضورؐ نے قریش کی طرف

اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ

کہ میں تمھارے ساتھ ہوں - پس ثابت کرو - ان کو جو ایمان لائے - عنقریب

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

ہم ڈالیں گے ان کے دلوں میں جو کافر ہیں - رعب کو پس مارو گردنوں

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

پر اور مارو ان کے ہاتھوں پاؤں پر کیونکہ انھوں نے مخالفت

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

کی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ اور رسول کی

پیغام بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کروں۔ مجھے باقی عربوں کے حقّے میں چھوڑ دو۔ اور واپس چلے جاؤ۔ جس پر عتبہ نے کہا کہ جس قوم نے اس تجویز کو ٹھکرایا۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنے سُرخ رنگ کے اُونٹ پر سوار ہوا۔ حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ سرخ رنگ کے اونٹ کا سوار اپنی قوم سے اچھی بات ہی کہے گا۔ اگر انھوں نے اس کی بات مان لی۔ تو نفع میں رہیں گے۔ پس عتبہ نے بآواز بلند خطبہ دیا اے گروہ قریش آج میری بات ضرور مان لو جا ہے اس کے بعد ہمیشہ میری مخالفت کرتے رہو۔ مکہ واپس چلے جاؤ۔ اور عورتوں سے لذت اٹھاؤ۔ محمدؐ تمہارا اپنا ہی ہے میری رائے کو ٹھکراؤ اور محمدؐ سے جو تم قافلے والوں کے نقصان کا مطالبہ کر رہے ہو اس کا بدلہ میں دونگا۔ ابو جہل کو یہ سن کر بڑا غصّہ آیا۔ کہنے لگا عتبہ بنی عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈرتا ہے۔ عتبہ نے جب سُنا تو برداشت نہ کر سکا۔ اونٹ سے چھلانگ لگا کر اترا اور ابو جہل کی ڈاڑھی سے پکڑ کر اس کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے لوگوں نے سمجھا کہ اب ابو جہل کی بھی خیر نہیں۔ عتبہ نے للکار کر کہا کہ ابھی قریش کو پتہ چل جائے گا کہ بزدل کون ہے اور فسادی کون ہے؟ اور پھر خوب اس کی ڈاڑھی کو جھنجوڑا آخر لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا لیا۔

پس عتبہ نے اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو ساتھ لیا۔ اور خود زرہ پہن کر آگے بڑھا۔ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ اس لیے کوئی خود اس کے سر پر فٹ نہ آسکا۔ پس دو عمامے سر پر باندھ لیے۔ میدان میں آکر پکارا۔ اے محمدؐ! ہمارے ہم سر ہمارے مقابلے پر بھیجئے۔ پس ادھر سے عوذ، معوذ اور عون تین انصاری جوان نکلے لیکن عتبہ نے ان کو واپس پلٹا دیا اور کہا ہم اپنے ہم سروں یعنی قریشیوں سے ہی لڑیں گے۔ چنانچہ وہ واپس بلا لیے گئے۔ اور ان کی بجائے آپ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب جس کی عمر ستر سال تھی۔ اور حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا تم جاؤ۔ کفار نورِ خدا کو بجھانے کے لیے درپے ہیں۔ لیکن خدا اس نور کو پورا کر کے رہے گا۔ اور فرمایا۔ اے عبیدہؓ تو عتبہ سے لڑنا اور حمزہؓ سے فرمایا کہ تو شیبہ سے لڑنا اور حضرت علیؑ کو ولید سے لڑنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ یہ تینوں میدان میں آئے۔ عتبہ نے عبیدہ سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب۔ اس نے کہا تو کفو کریم ہے۔ وہ دو کون ہیں؟ تو کہا۔ ایک حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسرا علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہے۔ تو کہنے لگا وہ بھی دونوں کفو کریم ہیں۔

پس لڑائی شروع ہوئی۔ عبیدہ نے عتبہ کے سر پر تلوار ماری کہ وہ شگافتہ ہوگیا۔ اور اس نے عبیدہ کے پنڈلی پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور دونوں خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ادھر حمزہ کے اور شیبہ کے درمیان دو طرفہ تلواریں چلنے لگیں۔ حتی کہ کند ہوگئیں اور دونوں ڈھالوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے حملے کو روکتے رہے۔ اور حضرت علیؑ نے ولید کے شانے پر تلوار ماری کہ اس کا دایاں بازو کٹ گیا۔ حضرت علیؑ

فرماتے ہیں کہ اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو اٹھا کر میرے سر پر اس زور سے مارا کہ معلوم ہوا۔ آسمان زمین پر گرا ہے۔ حمزہؓ اور شیبہ ہاتھا پائی پر اتر آئے۔ اور ایک دوسرے سے گھتم گھتا ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں نے شور مچایا یا علیؑ! اپنے چچا حمزہؓ کی خبر لو کہ کتا اس پر حملہ آور ہے۔ چنانچہ علی نے تلوار تول کر فرمایا۔ چچا جان! اپنا سر ذرا نیچے کیجئے۔ تو چونکہ حضرت حمزہؓ کی قد بڑی تھی۔ آپ نے شیبہ کے سینے کے ساتھ اپنا سر ملا لیا۔ پس علی نے شیبہ کا سر تلوار سے قلم کر دیا۔ پھر عتبہ کی طرف پلٹے کہ اس میں رمق جان باقی تھی۔ پس جنبش تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور حضرت علیؑ و حمزہ و عبید کو اٹھا کر خدمت نبوی میں لائے۔ عبیدہ کو دیکھ کر حضور رو دیئے۔ عبیدہ نے عرض کی۔ حضور میں شہید ہوا ہوں یا نہ؟ آپؐ نے فرمایا۔ تو پہلا شہید ہے۔

ابو جہل نے قریشیوں سے کہا کہ تم جلد بازی سے کام نہ لو۔ جس طرح عتبہ و شیبہ نے کیا۔ بلکہ حوصلہ سے لڑو۔ اہل یثرب کو مارو اور قریش کو زندہ گرفتار کرو۔ اسی اثنا میں ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور قریش سے کہا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ اور علم فوج مجھے دے دو۔ چنانچہ علم اس کو دے کر قریشی آگے بڑھے ادھر جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی تو خداوند کریم نے فرشتوں کی جماعت نازل کی۔ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کا بادل تھا۔ جس میں بجلی کی چمک تھی۔ اس میں ہتھیاروں کے جھنکار کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ابلیس نے جب جبریل کو دیکھا تو علم ڈال کر دوڑ گیا۔ پس علم فوج منبہ بن حجاج نے اٹھا لیا۔ اور کہا اے سُراقہ تیرے اوپر وائے ہو تو بزدلی کا سبق دے رہا ہے تو اس نے اس کے سینہ پر دھکا دیا۔ اور کہا میں تم لوگوں سے بیزار ہوں۔ کیونکہ وہ چیز نظر آ رہی ہے جس کو تم لوگ نہیں دیکھتے۔

ابو امامہ بن سہل روایت کرتا ہے بروز بدر ہم تلوار مارتے تھے تو تلوار پہنچنے سے قبل مشرک کا سر بدن سے جدا ہو کر زمین پر جا پہنچتا تھا۔ جناب رسالتمآبؐ نے سنگریزوں کی مٹھی اٹھائی اور قریش کی طرف پھینک کر فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ۔ خداوند کریم نے ہوا بھیجی کہ وہ کنکریں ہر کافر کی آنکھ میں لگے کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پس کفار کے ستر ۷۰ آدمی قتل ہوئے۔ اور ستر ۷۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ عمرو بن جموح اور ابو جہل کا مقابلہ ہوا۔ عمرو نے ابو جہل کی ران پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور ابو جہل نے عمرو کے بازو پر تلوار ماری کہ کٹ گیا۔ لیکن تھوڑا سا چمڑا بچ گیا۔ جس سے وہ لٹک رہا تھا۔ تو اس نے لٹکتے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں زمین پر رکھ کر اوپر پاؤں دبایا۔ اور جسم کی اوپر انگڑائی لی پس وہ چمڑا ٹوٹ گیا۔ اور بازو جدا ہو کر زمین پر گر گیا۔ مقتولین میں سے تقریباً نصف آدمیوں کو صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اور باقیوں کو باقی مسلمانوں نے قتل کیا۔

عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ میں ابو جہل کے پاس پہنچا وہ خون میں لت پت تھا۔ پس میں نے اس کی گردن پر پیر رکھ کر کہا کہ میں تجھے قتل کرتا ہوں۔ تو اس نے دیکھ کر کہا۔ اے بکریوں کے چرواہے تم نے بڑی بلند جگہ پر قدم

رکھا ہے۔ تیرا قتل کرنا میرے اوپر دشوار تر ہے۔ کاش اولاد مطلب میں سے میرا کوئی قاتل ہوتا۔ پس میں نے اس کے سر سے خود کو اتار پھینکا۔ اور سر کو کاٹ کر خدمت نبوی میں لایا۔ آپ نے اس بشارت کو سنتے ہی سجدہ شکر ادا کیا۔ اور بعض روایات میں ہے۔ ابو جہل نے کہا۔ میں قوم کا سردار ہوں۔ اس لیے میرا سر بلند کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے سروں سے بلند رہے۔ عباس بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب من جملہ اسیروں کے گرفتار ہو کر پیش ہوئے۔ حضورؐ نے عباس سے فرمایا کہ اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ دو۔ اس نے عرض کی حضور میں تو پہلے سے مسلمان تھا۔ لیکن کفار کے خوف میں مجبور تھا۔ آپ نے فرمایا۔ خدا ہی خود بہتر جانتا ہے۔ اگر سچ کہتا ہے تو خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ اب ظاہر کے لحاظ سے تو اسلام کا دشمن بن کر آیا ہے اس لیے فدیہ دینا پڑیگا۔ عباس کے مال میں چالیس اوقیہ سونا تھا جو مالِ غنیمت میں مسلمانوں نے لے لیا تھا۔ کہنے لگا وہی میرا مال فدیہ میں شمار کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ تو غنیمت ہے۔ جو خدا نے ہمیں مرحمت فرمائی ہے۔ فدیہ اس کے علاوہ دینا پڑیگا۔ وہ عرض کرنے لگا حضور! میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس نے عرض کی حضور اگر حکم دیں تو گداگری کر کے اپنا فدیہ پورا کروں۔ پس ان کو معاف کر دیا گیا۔ قریش میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی اسیر تھے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر لو۔ چنانچہ ان کو بدر سے واپسی پر راستہ میں قتل کر دیا گیا۔ باقی اسیروں کے متعلق انصار نے سفارش کی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ فدیہ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا جتنوں کا فدیہ لوگے۔ اتنے آدمی تمہارے اگلے سال قتل ہوں گے۔ اب خود چن لو کہ اپنا

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ

تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ چکھو اس کو اور تحقیق کافروں

وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کے لیے ہے دوزخ کا عذاب۔ (اس کے علاوہ) ۔ اے ایمان والو جب

اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ

ملو کافروں سے نزدیک (بحالتِ لڑائی) تو نہ بھاگو پیچھے اور جو بھاگے گا اس دن

الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا

پیچھے سوائے لڑائی کا موقع تلاش کرنے والے کے یا اپنے گروہ سے ملنے والے

لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ

کے تو تحقیق وہ پلٹا غضب خدا میں اور اس کا

قتل ہونا منظور ہے۔ یا ان کا قتل کرنا منظور ہے تو انھوں نے کہا۔ حضور ان کو قتل نہ کرو۔ فدیہ لے لو اور ہمیں اپنا قتل منظور ہے۔ چنانچہ فدیہ لیا گیا۔ اور انصار کو جنگِ اُحد میں بدلہ دینا پڑ گیا۔ چنانچہ دسویں پارہ کے پانچویں رکوع میں اس کا ذکر ہوگا۔ بتّ ۲۵ ملاحظہ ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ مسلمانوں سے قتل کی نفی کر کے اپنی طرف نسبت اس لیے دی کہ درحقیقت فتح کے اسباب بنانے والا تو وہی ہے اور اسی کی مہربانی سے مسلمان باوجود کم تعداد ہونے کے مشرکین کی کافی جمعیت پر غالب آ گئے تھے۔

اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯ فَلَمْ

ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بُری بازگشت ہے تم نے

تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ

ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔ اور تو نے نہیں

رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ

سنگریزے مارے تھے۔ جب مارے تھے۔ بلکہ اللہ نے مارے تھے تاکہ

مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

احسان کرے مومنوں پر اس کی وجہ سے احسان بڑا۔ تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

یہ۔ اور تحقیق اللہ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی تجویز کو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ

اگر تم نے فتح طلب کی تو آ چکی تمھارے پاس فتح اور اگر باز آ جاؤ تو

فَمَا رَمَيْتَ: حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر دو چنانچہ حضرت علی نے ایک مٹھی اٹھا کر دی جس میں مٹی اور سنگریزے ملے جلے تھے۔ پس شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر کفار کی طرف پھینکی تو کوئی مشرک نہ بچا جس کی آنکھ ناک یا منہ میں وہ نہ پڑی ہو۔

لِيُبْلِيَ بلا سے ہے اس کا معنی مصیبت بھی ہوتا ہے۔ اور احسان بھی اور یہاں اس کا معنی احسان ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا: کہتے ہیں یہ اہلِ مکہ کو خطاب ہے کیونکہ ابوجہل نے دعا مانگی تھی اے اللہ ہمارا دین پرانا اور محمد کا دین نیا ہے۔ پس جو دین ان دونوں میں سے اچھا ہے تو اس کو فتح دے۔ پس ارشاد فرما رہا ہے کہ تم نے اچھے دین

کی نصرت مانگی تھی۔ تو خدا نے فتح بھیجدی۔ اب اگر باز آجاؤ تو ٹھیک ورنہ اگر پھر تم شرارت کروگے تو ہم پھر تمہیں ذلیل کریں گے۔ اور یہاں تمہاری جمعیت کام نہ آئے گی۔

رکوع ۱۷

وَلَا تَكُونُوا: سماع سے مراد صرف سننا نہیں بلکہ مراد قبول کرنا ہے۔ یعنی وہ ظاہر تو اس بات کو کرتے ہیں کہ ہم نے سُنا یعنی قبول کیا اور درحقیقت ان کا سماع ظاہری ہوتا ہے اور قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کا عمل اس کے موافق نہیں ہوتا۔ تو تنبیہ فرمارہا ہے کہ اے ایمان والو! تم ایسا نہ کرنا۔ بلکہ تم رسول کی جو بات سنو اس کو واجب العمل سمجھو اور اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔

الدَّوَابِّ: دابّہ کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے زمین پر چلنے والا جانور۔ اور اس جگہ کفار قریش کو سرزنش کی گئی ہے کہ یہ وہ بدترین جانور ہیں۔ جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ یعنی حق کی بات سنتے نہیں اور حق کا کلمہ بولتے نہیں ہیں۔ تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا مصداق نضر بن حارث بن کلدہ ہے بارہا اس امر کو دہرایا جاچکا ہے۔ کہ آیات مجیدہ ظاہری مصداق اگرچہ کوئی خاص بھی ہو تاہم آیت کا مفہوم اس تک محدود نہیں ہوا کرتا بلکہ آیات قیامت تک زندہ ہیں اور ان کے مصداق قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا جو لوگ بھی کفار قریش کی صفات رکھتے ہوں گے تا قیامت انہی آیات کے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَن تُغْنِيَ

وہ اچھا ہے تمہیں اور اگر عود کروگے تو ہم بھی عود کریں گے۔ اور ہرگز

عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ

نہ کافی ہوگی تم کو تمہاری جماعت کچھ بھی اگرچہ کتنی زیادہ ہو اور تحقیق

مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ ع ١٤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا

اللہ ساتھ مومنوں کے ہے۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾

اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو اس سے حالانکہ تم سنتے ہو۔ اور

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا

نہ ہو جاؤ مثل ان کے جنھوں نے کہا ہم نے سُن لیا۔ حالانکہ انھوں نے

يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ

نہیں سنا تحقیق بُرے حیوان اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور

maablib.org

مصداق ہوں گے۔ فرق یہ ہوگا کہ وہ تنزیلی مصداق تھے اور بعد والے تاویلی مصداق ہوں گے۔ گویا وہ مصداق ظاہری تھے اور بعد والے مصداق باطنی ہوں گے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ: کہتے ہیں کفار نے عذر پیش کیا تھا کہ اگر قصی بن کلاب کو آپ زندہ کر دیں اور وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دے اور ہم سنیں تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ خداوند کریم ان کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ان کی نیت بخیر ہوتی تو ہیں ان کو اس کی تصدیق سنوا دیتا۔ لیکن یہ لوگ تو ضدی ہیں ویسے کے ویسے ہی رہیں گے۔

الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ

گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی بھلائی

خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ

تو ان کو سناتا اور اگر ان کو سنواتا تاہم وہ پھر جاتے اور اعراض

مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا

کر لیتے۔ اے ایمان والو! قبول کرو اللہ اور

لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

اس کے رسول (کی دعوت کو) جب وہ تمہیں بلائیں ایسی چیز کے لیے جو تم کو زندہ کرے۔

لِمَا يُحْيِيكُمْ: یعنی وہ چیز جو تمہاری زندگی کا باعث ہو۔ اگر خدا اور رسول تم کو اس کی طرف دعوت دیں تو فوراً قبول کرو۔ وہ خواہ جہاد ہو، خواہ قرآن مجید ہو اور خواہ دعوت ایمان ہو۔ باختلاف اقوال مفسرین کیونکہ ان سب میں زندگی روحانی ہے اور وہی حقیقی زندگی ہے۔

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ:- تہدید ہے کہ رسول کی بات کو تسلیم کرنے میں دیر نہ کیا کرو۔ مبادا موت آجائے اور بعد میں افسوس کرو۔ چونکہ دل تمام اعضائے بدن میں رئیس ہے اگر وہ رک جائے تو موت ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے کہ جب تک دل کام کر رہا ہے۔ وقت کو غنیمت سمجھو۔

وَاتَّقُوا: یعنی، ڈرو فتنہ سے ورنہ یہ فتنہ انہی لوگوں کو پہنچے گا۔ جو ظالم ہوں گے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ لَا تَقْرَبُوا فِتْنَةً تُصِيبَنَّكُمْ۔

علی صراط حق ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابو ایوب انصاری رض سے مروی ہے کہ حضور نے عمار کو فرمایا۔ میرے بعد فتنے ہوں گے خون ریزیاں ہوں گی۔

اور تلوار چلے گی ۔ پس ایسے حالات میں علی کا دامن تھام لینا ۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں جا رہے ہوں ۔ اور علی دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر اسی وادی میں جاؤ جس میں علی ہو ۔ اے عمار ! علی تجھے ہدایت سے نہ ہٹائے گا اور گمراہی میں نہ ڈالے گا ۔ اے عمار ! علی کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ۔

اور حاکم ابو القاسم حسکانی کی کتاب " شواہد التنزیل " میں ہے ۔ اسی آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا مَنْ ظَلَمَ عَلِيًّا مَقْعَدِي هٰذَا بَعْدَ وَفَاتِي فَكَاَنَّمَا جَحَدَ بِنُبُوَّتِي وَنُبُوَّةِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِي ۔ جس نے میری اس مسند کے متعلق میری وفات کے بعد علی پر ظلم کیا تو گویا اس نے میری نبوت اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کیا ۔

تفسیر صافی اور برہان میں ائمہ طاہرین سے بھی اسی فتنہ سے مراد حضرت علی کی خلافت کا غصب ہے اور غاصبین کو ہی ظالم کہا گیا ہے ۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بطریق مخالفین ابن مسعود سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت حضرت رسالتمآب سے نقل کی ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو فرمایا ۔ جس نے میری مسند کے بارے میں علی پر ظلم کیا گویا وہ میری اور تمام انبیا کی نبوت کا انکاری ہے ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ

اور جانو تحقیق اللہ حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل کے درمیان اور

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ

اسی کی طرف ہی تم جمع کیے جاؤ گے ۔ اور ڈرو فتنہ سے مبادا لپیٹ میں لے لے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

ان کو جو ظلم کریں تم میں سے خاص طور پر اور جانو تحقیق

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ

اللہ سخت گرفت والا ہے ۔ اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے ۔

تفسیر ۱۹۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ :

مجمع البیان " میں اس کا شان نزول یہ مذکور ہے کہ ابو لبابہ انصاری کے بارے میں اتری ۔ جب جناب رسالتمآب نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا ۔ اکیس دن گزر گئے تو انھوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی طرح صلح کریں جس طرح بنو نضیر کے ساتھ کی ہے اور ہم یہاں سے کوچ کر کے علاقہ شام میں اذرعات یا ریحا کی طرف اپنے قومی بھائیوں میں جا آباد ہوں گے ۔ حضور نے یہ بات نامنظور فرمائی ۔ اور ان کو سعد بن معاذ کے فیصلے کی طرف دعوت

دی۔ انھوں نے کہا ابولبابہ انصاری کو بھیجئے کہ ہم اس سے پوچھیں۔ یہ چونکہ ان کا خیر خواہ تھا اور اس کے بال بچے
اور مال متاع انہی کے ہاں تھا۔ حضور کی اجازت سے جب یہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے اس سے مشورہ چاہا کہ
کیا سعد بن معاذ کا فیصلہ ہم کو منظور کرنا چاہئے۔ تو اس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے ان کو بتلایا کہ
قتل کا ہی فیصلہ ہونا ہے۔ لہٰذا منظور نہ کرو۔ پس جبریل نے جناب رسالت مآبؐ کو اطلاع دے دی۔ ابولبابہ کہتا
ہے کہ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اور میں سمجھ گیا کہ خدا اور رسول کی

مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ

کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں ڈرتے تھے کہ کہیں اُچک لیں تم کو

النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ

لوگ پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور تائید کی اپنی نصرت سے اور

الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو! نہ

لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ

خیانت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں کی

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ

حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور جانو سوائے اس کے نہیں کہ تمھارے مال و

وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾

اولاد آزمائش میں اور تحقیق اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

میں نے خیانت کی ہے۔ اُدھر آیت بھی نازل ہو گئی۔ تو ابولبابہ نے مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ اور کہا: کہ میں کچھ بھی نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ یا تو مر جاؤں گا اور یا توبہ قبول ہو گی چنانچہ اس کے اوپر بغیر کھائے پیے ساٹھ دن گزر گئے تو وہ بے ہوش ہو کر گر گیا پس خدا نے اس کی توبہ منظور کی۔ لوگوں نے اس کو اطلاع دی تو کہنے لگا۔ میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا جب تک خود جناب رسول خدا نہ کھولیں۔ چنانچہ آپ بہ نفسِ نفیس تشریف لائے اور اس کو کھول دیا۔ پھر اس نے اپنا تمام مال خرچ کر دینے کا ارادہ
کیا تو آپ نے فرمایا بس ایک تہائی صدقہ کافی ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی

رکوع ۱۸

فُرْقَانًا : یعنی اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں خدا ایسی روحانی طاقت اور ایمانی قوت دے گا کہ حق و باطل کے درمیان خود بخود فرق معلوم ہو گا۔ ممکن ہے فرقان کے معنی فتح یا نجات یا تسلی و ثواب ہو جیسا کہ مفسّرین نے بیان کیا ہے۔

واقعہ ہجرت

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ : تفسیر "مجمع البیان" میں ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور حضرت رسالت مآبؐ کے معاملہ میں سوچنے لگے۔ کسی نے کہا جلا وطن کر دو۔ کسی نے کہا اس کو ایک مکان میں قید کر لو اور وہاں کھانا لے جاتے رہو۔ ابو جہل نے مشورہ دیا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی مل کر اس کو قتل کر لیں پس بنو ہاشم کو خوں بہا پر راضی ہونا پڑے گا۔ ابلیس جو اہل نجد کے بزرگ کی شکل میں حاضر تھا اس نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور تائید کی ادھر جبریل نے اطلاع دے دی اور حضور غار کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور حضرت علی کو بستر پر سُلا گئے جب کفار پہنچے تو علی کو پایا۔ تعاقب کر کے غار کے قریب گئے تو دیکھا عنکبوت نے جالا تنا ہوا ہے پس مایوس ہو کر واپس گئے اور حضور تین روز وہاں ٹھیر کر مدینے کو چلے گئے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم ڈرو گے اللہ سے تو بنائے گا تمہارے لیے

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

معیار فرق اور دور کرے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخشے گا تم کو

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ

اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔ اور جب تجویزیں کرتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

تھے تیرے متعلق کافر لوگ کہ قید کر لیں تم کو یا قتل کر ڈالیں تم کو یا نکال

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

دیں تم کو اور وہ تجویزیں کرتے ہیں اور اللہ بھی تجویز کرتا ہے اور خدا بہترین تجویز کرنے والا ہے

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضور نے مکّہ میں اعلانِ رسالت فرمایا تو مدینے سے آکر قبیلہ اوس اور خزرج نے اسلام کو قبول کیا آپ نے فرمایا۔ تشریق کی راتوں میں سے درمیانی شب ہمارا اور تمہارا مقام عقبہ پر اجتماع ہو گا۔ چنانچہ لوگوں نے مناسک حج ادا کیے۔ آپ نے تشریق کے دوسرے روز ان سے فرمایا۔ آج رات کو عقبہ کے اوپر عبد المطلب کے

گھر میں تم پہنچ جانا، لیکن چپکے چپکے آنا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ اور کوئی سویا ہوا جاگ نہ جائے۔ چنانچہ رات کو وہ ایک ایک ہو کر ستر تک وہاں جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تم سے اللہ کیلئے یہ چاہتا ہوں کہ اس کے غیر کی عبادت نہ کرنا اور شرک نہ کرنا۔ اور اپنے لیے یہ چاہتا ہوں کہ میری جان مال اور عزت کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح اپنی کرتے ہو۔ انھوں نے پوچھا ہمیں کیا ملے گا تو آپ نے فرمایا آخرت میں جنت اور دنیا میں حکومت انھوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ پس بارہ آدمی انہی میں سے اس امر کے گواہ ٹھیرائے گئے۔ نو آدمی قبیلہ خزرج سے اور تین آدمی قبیلہ اوس سے۔ سب نے حضورؐ کی بیعت کر لی اور یہی بیعتِ عقبہ کہلاتی ہے

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ

اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری آیات تو کہتے ہیں تحقیق ہم نے سنی ہیں اگر چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾

تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس جیسی نہیں یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی۔ اور جب کہا

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ

انھوں نے اسے اللہ اگر یہ ہے حق تیری طرف سے تو برسا ہمارے

عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ

اوپر پتھر آسمان سے یا دے ہم کو عذاب

ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

دردناک اور نہیں اللہ ان کو عذاب دیتا

بالاختصار کسی نے قریش تک خبر پہنچا دی۔ چنانچہ انھوں نے دار الندوہ میں اجتماع کیا۔ تو ابلیس ایک بزرگ کی شکل میں آن پہنچا۔ دروازہ پر دربان نے پوچھا تو کون ہے؟ تو جواب دیا۔ میں نجد کے شیوخ میں سے ہوں۔ چنانچہ یہ بھی صلاح و مشورہ میں داخل ہو گیا۔ پہلے پہل ابو جہل نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور دین محمدؐ کی خوب باچھیں کھول کھول کر مذمت کی۔ اور ان کو ختم کرنے کی تجاویز پیش ہوئیں۔ ابو جہل نے سب سے پہلے یہ تجویز بنائی کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور بنی ہاشم کو خون بہا دیا جائے۔ ابلیس شیخ نجدی نے کہا۔ یہ تجویز نامعقول ہے کیونکہ محمدؐ کا قاتل بنی ہاشم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہذا کون ہے؟ جو موت کو منظور کرے۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ اس کو کسی مکان میں قید کر لیا جائے اور وہیں اس کا خاتمہ ہو جائے تو ابلیس نے کہا یہ پہلی رائے سے بھی کمزور ہے۔ کیونکہ بنو ہاشم قید نہ کرنے دیں گے پھر آپس میں لڑائی فساد

تک نوبت پہنچے گی۔ ایک نے کہا جلاوطن کر دو۔ ابلیس نے کہا۔ پہلی دونوں تجویزوں سے یہ زیادہ خراب ہے کیونکہ ایک خوبصورت قادر الکلام، فصیح و بلیغ انسان کو جلاوطن کرتے ہو جو قبائل عرب میں تھوڑے عرصہ کے اندر اپنا سکہ جمالے اور تمام عرب قبائل کو جمع کر کے ہمیں گھر میں آکر ختم کر دے۔ اب اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ بہتر یہ ہے کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی لے لو تاکہ وہ ایک تیز دھار ہتھیار لے کر ایک ہی مرتبہ اس پر حملہ کریں اور مار ڈالیں تاکہ تمام قبیلے اس کے خون میں شریک ہوں اور بنو ہاشم کو خون بہا پر مجبور ہونا پڑے۔ انھوں نے یہ تجویز پاس کی۔ پس ہجرت کا حکم ہوا اور حضرت علی کو بستر پر سلا کر وہ ثور کی طرف راتوں رات روانہ ہو گئے کفار رات کو جمع ہو چکے تھے۔ لیکن ابولہب نے حملہ نہ کرنے دیا کہ رات کا وقت ہے۔ عورتیں اور بچے بے آرام نہ ہوں۔ جب صبح ہوئی تو آپ موجود نہ تھے۔ پس سب نے اس کو ملامت کی۔ قدم کا نشان لے کر غار تک گئے۔ ابوکرز نامی ایک شخص جو نشانِ قدم کا ماہر تھا۔ اس نے کہا اس مقام سے آگے نہیں گئے یا زمین میں چلے گئے ہیں یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ وہاں عنکبوت نے جالا تن دیا تھا۔ پس وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

وَاِذَا تُتْلٰی: یہ نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں اتری کہ کہتا تھا میں بھی اس جیسی کلام کہہ سکتا ہوں۔ جنگِ بدر میں اسیر ہوا تھا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ حضرت رسالتمآبؐ کے حکم سے حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

وَاِذْ قَالُوْا: نضر بن حارث یا ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر دین اسلام دین حق ہے تو ہم پر اے اللہ پتھر نازل کر یا عذاب دردناک دے۔ تو یوم بدر ان پر عذاب آگیا۔ اور پھر فتح مکہ کے بعد قریش کا اقتدار سارا ختم ہو گیا۔

تفسیر برہان" میں ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علی کے فضائل بیان کئے تو بدوی سیخ پا ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ حارث بن عمرو فہری کہنے لگا اگر محمدؐ کی بات درست ہے تو اے اللہ! مجھ پر پتھر نازل کر یا عذاب بھیج۔ پس آیت نازل ہوئی کہ کافر اس طرح کہتے ہیں لیکن میرا قانون ہے۔ جب تک آپ ان میں موجود ہوں یا استغفار کرنے والے موجود ہوں تو میں عذاب نہیں بھیجتا۔ حضورؐ نے حارث کو فرمایا کہ یا توبہ کرو یا چلے جاؤ۔ تو اس نے کہا۔ توبہ تو نہیں کرتا۔ البتہ چلا جاتا ہوں۔ پس سواری پر سوار ہوا۔ شہر سے باہر پہنچا تو ایک پتھر آسمان سے نازل ہوا اور علی کے دشمن کو اس نے جہنم میں پہنچا دیا۔ پس خداوند کریم نے آیت بھیجی سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ الآیۃ۔

اصول کافی سے بھی منقول ہے کہ اپنے حق میں بددعا حارث بن عمرو فہری نے کی تھی۔ اور "مجمع البیان" سے منقول ہے کہ نعمان بن حارث اس کا نام تھا۔

"مجمع البیان" میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ عذاب خدا سے بچاؤ کیلئے دو امانیں تھیں ایک رسول خدا اور دوسرے استغفار۔

اے لوگو! ایک امان چلی گئی ہے۔ اب دوسری کو ہاتھ سے مت جانے دو۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ: یعنی بیت اللہ کے پاس ان کی عبادت سیٹی اور تالی بجانا ہی تھی۔ وہ بیت اللہ کا ننگے ہو کر سیٹیاں تالیاں بجاتے، طواف کرتے تھے۔ اور مروی ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تھے تو دو مشرک ایک طرف سیٹی بجاتے تھے اور دو مشرک دوسری طرف تالیاں بجاتے تھے تاکہ آپ نماز سے بھول جائیں۔ اور بدر میں وہ سبب کے سبب عذاب خدا میں مبتلا ہو گئے۔

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

در حالیکہ تو ان کے درمیان موجود ہو اور نہیں اللہ ان کو عذاب دینے والا جبکہ وہ

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ

استغفار کرنے والے ہوں اور کیا ہے ان کو کہ نہ عذاب دے ان کو اللہ حالانکہ روکتے ہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

مسجد حرام سے اور نہیں وہ اس کے ولی خاص کے ولی تو صرف متقی ہی ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ

لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے۔ اور نہیں تھی نماز ان کی

عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

بیت اللہ کے نزدیک مگر سیٹی بجانا اور تالی بجانا پس چکھو عذاب کو

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ

بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے۔ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ خرچ کرتے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اس کے شان نزول کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ابو سفیان کے متعلق ہے کہ یہ جنگ اُحد میں دو ہزار آدمی کرایہ پر لایا تھا۔

(۲) سرداران قریش کے متعلق ہے جو جنگ بدر میں باری باری خرچ کرتے تھے اور وہ بارہ تھے جن میں ایک عباس بھی تھے۔

(۳) جب جنگ بدر میں قریش کی شکست خوردہ جماعت مکہ میں پہنچی تو جن جن کے رشتہ دار یا اکابر وہاں مارے گئے تھے۔ ابو سفیان کے پاس آئے اور جن جن لوگوں کا مال شام سے ابو سفیان لایا تھا ان کو بھی جمع کیا گیا تو بدر کے مقتولین کے وارثوں نے کہا کہ اسی مال کی حفاظت کی خاطر جنگ بدر ہوا ہے۔ اور ہمارے اکابر مارے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ مال ہمیں دے دیا جائے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بدر کے مقتولین کا انتقام لیں۔ چنانچہ وہ سارا مال اس مطلب کے لیے دے دیا گیا اور خدا ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور پیش گوئی ہے کہ یہ خرچ ان کے لیے باعث حسرت ہی بنے گا

اور قیامت تک جو لوگ دین حق کے خلاف پیسہ روپیہ خرچ کرتے رہیں گے۔ یہ آیت سب کو تنبیہ کر رہی ہے۔ اور غلط کاموں پہ خرچ ہونے والا روپیہ مثلاً زنا کے لیے، شراب کے لیے، سینماؤں، کلبوں، ناچ گانوں اور اس قسم کی بے ہودہ مجلسوں پر جس قدر روپیہ اڑایا جاتا ہے وہ سب دین حق پر بغاوت کے لیے ہے۔ اسی طرح نکاح و شادیوں کے مواقع پر جو غلط رسوم اور خلاف شرع رواجات کے لیے رقم خرچ کی جاتی ہے، سب اسی عنوان میں داخل ہے اور خداوند کریم انہی کی بازگشت جہنم کو قرار دے رہا ہے۔

خداوند کریم مومنوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کے راستہ سے بس اس کو

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ

خرچ کرتے ہیں پھر یہ ہوگا ان پہ حسرت پھر مغلوب ہوں گے

كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ

اور جو لوگ کافر ہیں جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے تاکہ نکھیڑے خدا پلید کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى

پاک سے اور کرے بعض پلید کو پلید پس اکٹھا کرے

بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ

اس کو سب کو اور بھیجے اس کو جہنم میں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ ع

یہ لوگ ہی ہیں خسارہ پانے والے۔

مدارس دینیہ کی امداد

انسان چاہے کہ میں اپنا مال راہ حق میں خرچ کروں تو دور حاضر میں سب سے اہم اور ضروری مصرف ہے علوم آل محمد کی ترویج کے لیے قائم کردہ مدارس دینیہ کی امداد

کیوں کہ ہر زمانہ میں اگر جاہلی رسوم نے کسی وقت سر اٹھایا تو انہی مدارس کے وجود کی برکت سے ان کا قلع قمع ہوا پس صدقات واجبہ و غیر واجبہ از قبیل خمس و زکوٰۃ فطرہ صدقہ، ہدیہ اور نذر و نیاز کی جمیع رقوم مدارس دینیہ پر خرچ کی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ علوم آلِ محمدؐ کی ترویج ہو سکے نیز مدارس دینیہ ہی کی بدولت آپ کو اپنے مذہبی معلومات فراہم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر تفسیر انوار النجف بھی ایک مدرسہ دینیہ کو قابلِ قدر پیشکش ہے جو صرف قوم کی اعانت سے ہی چل رہا ہے اور جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے نام سے موسوم ہے پس ایسے مدارس کی امداد آپ کی رقوم کا جائز بلکہ ضروری مصرف ہے۔

maablib.org

رکوع ۱۹

قُلْ لِّلَّذِيْنَ : کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر کفر سے باز آجائیں تو سابقہ گناہ ان کے معاف ہونگے اور اگر دوبارہ جنگ وجدال کی طرف آئیں گے تو یہ طریقہ پہلے سے جاری ہے کہ خدا مومنوں کی امداد فرماتا ہے اور کافروں کو ذلیل کرتا ہے۔ پس یہ قید و غلامی اور قتل و غارت کی سزاؤں میں مبتلا ہوں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

کہہ دیجئے ان کو جو کافر ہیں اگر باز آجائیں تو بخشے جائیں گے ان کے (گناہ)

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

جو ہو چکے ہیں اور اگر پھر کریں گے تو طریقہ پہلے لوگوں کا گزر چکا ہے اور

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

ان سے لڑو یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین

الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تمام اللہ کے لیے۔ پس اگر باز آجائیں تو تحقیق اللہ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا

ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے اور اگر پلٹ جائیں

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

تو جان لو تحقیق اللہ تمہارا مولیٰ ہے وہ بہتر مولیٰ اور بہتر مددگار ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ : تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابھی اس آیت مجید کی تاویل کا زمانہ نہیں آیا جب ہمارے قائم کا ظہور ہوگا تو ان کو پانے والے دیکھیں گے کہ آیت کی تاویل کس طرح ہے اور دینِ محمد کہاں تک پہنچتا ہے یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی مشرک باقی نہ رہے گا۔

حضرت قائم آلِ محمدؐ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت قائم آلِ محمد کے متعلق تھوڑا سا بیان ہو جائے تاکہ قارئینِ کرام کے دلوں میں شمع ایمان فروزاں ہو۔ تفسیر "برہان" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ حضرت قائم آلِ محمد جب تشریف لائیں گے، تو حجرِ اسود سے تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں پر اپنی حجت تمام کریں گے پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرکے اپنی حجیت کو دہرائیں گے۔ آپ نے تفسیر بیان فرمایا کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ ...... الخ میں لفظ مضطر کے مصداق حضرات قائم علیہ السلام ہی ہیں۔ اس اثنا میں حضرت جبریل میزابِ بیت اللہ پر ہوں گے اور پہلے پہل وہ ہی ان کی بیعت کریں گے پھر تین سو تیرہ آدمی آپ کی بیعت کریں گے۔

پس جو شخص چل رہا ہوگا۔ فوراً وہیں جا موجود ہوگا اور جو سویا ہوا ہوگا وہ بھی اپنے مولا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر پائے گا اور اس کا بستر خالی پڑا رہے گا۔ حضور قائم آلِ محمدؐ لوگوں کو توحید نبوت اور ولایت کی دعوت عام دیں گے اور دشمنانِ دین سے بیزاری کی طرف بلائیں گے۔ پس تین سو تیرہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوں گے۔ تو جبریل دائیں طرف، میکائیل بائیں طرف اور رعب وہیبت سامنے اور پیچھے۔ نیز پانچ ہزار ملائکہ اردگرد احاطہ کیے ہوئے ہوں گے۔

زمینِ خدا نورِ ایمان سے منور ہوگی اور خلقِ خدا چین و اطمینان کا سانس لے گی۔ حتیٰ کہ روئے زمین پر کوئی بستی نہ ہوگی جس میں توحید و رسالت کی شہادت کی آوازیں بلند نہ ہوں۔ اور امن عالم کی یہ شان ہوگی کہ اگر مشرق سے تا بمغرب کوئی عورت تنہا سفر کرنا چاہے گی تو اس کو کوئی ڈر محسوس نہ ہوگا۔ سرسبزی اور شادابی کی یہ حالت ہوگی کہ زمین اپنی پوری قوائے نامیہ کو بروئے کار لاکر انگوریاں اگائے گی پس ہر طرف لہلہاتے ہوئے سبزے قسم قسم کے پودے رنگ برنگے پھول نظر آئیں گے۔ گویا کہ زمین خدا پر ہر موسم میں بہار کا سماں ہوگا پس آسمان سے بارانِ رحمت نازل ہوگی۔ لوگوں میں یکساں طور پر خوشحالی ہوگی۔ اور لوگ اپنے خراج اپنی گردنوں پر اٹھا کر حضرت قائم علیہ السلام کی بارگاہ تک لے جائیں گے۔

قصہ جزیرۂ خضراء

اس قصہ کو علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہ نے کتاب بحار الانوار جلد ۱۳ میں بعنوان —— باب نادر نقل کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو علیحدہ باب کر کے اس لیے ذکر کیا ہے کہ اصولِ معتبرہ میں مجھے اس کا ذکر کہیں نہیں ملا اور چونکہ عجیب وغریب معلومات پر مشتمل ہے اس لیے اس کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔ فرماتے ہیں مجھے ایک رسالہ ہاتھ لگا جس کا نام تھا "قصۃ الجزیرۃ الخضراء فی البحر الابیض" یعنی بحر ابیض میں واقع ہونے والے جزیرۂ خضراء کا قصہ۔ یہ رسالہ مجھے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے خزانہ میں ملا جو جناب عالم و فاضل فضل بن یحییٰ کوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اس رسالہ میں مختصر خطبہ کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے دو عالم و فاضل بزرگوں سے بروز ۱۵ ماہ شعبان ۶۹۹ھ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے روضہ مقدسہ کے اندر شیخ علی بن فاضل مازندرانی کی حکایت سنی تھی جو ایک نہایت فاضل اور متقی انسان تھے اور مجاور نجف تھے۔ وہ دو عالم۔ ایک شمس الدین حلی اور دوسرے جلال الدین حلی تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے شیخ علی بن فاضل سے یہ حکایت سرمن رای میں سنی تھی۔ جب کہ زیارت کے لیے وہ اتفاق سے وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہاں اس نے ان دونوں عالموں کے سامنے اپنا بحر ابیض میں جا کر جزیرہ خضراء کی سیر کرنا تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔

فضل بن یحییٰ بیان کرتا ہے کہ جزیرہ خضراء کا قصہ دو بزرگ عالموں سے سننے کے بعد مجھے شوق پیدا ہوا کہ خود علی بن فاضل مازندرانی کی زبان سے ہی سن لوں تاکہ درمیان میں روایت غیر کا واسطہ نہ رہے۔ چنانچہ اسی ارادے

سے میں نے رخت سفر باندھا اور چل کھڑا ہوا۔ حُسنِ اتفاق سے مجھے معلوم ہوا کہ شیخ مذکور اوائل ماہِ شوّال سامرا سے حلّہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اور وہ عازم نجف ہیں۔ پس جس وقت وہ حلّہ میں پہنچے تو میں پہلے سے وہیں مقیم تھا اور انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ پس وہ اپنی سواری پر حِلّہ میں داخل ہوئے۔ اور سیّد فخر الدین حسن بن علی موسوی مازندرانی کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں دنوں حلّہ میں قیام پذیر تھے۔ میں اگرچہ اس سے قبل شیخ مذکور کو پہچانتا نہ تھا لیکن میں نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ آپ ہی ہوں گے۔ چنانچہ جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ دیکھا تو سیّد فخر الدین اپنے گھر کے دروازہ پہ بڑے خوش خوش نظر آئے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو ہنس کر فرمایا کہ شیخ مذکور تشریف لا چکے ہیں۔ بس اب تو میری خوشی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ چنانچہ سیّد کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ شیخ کو سلام کہا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ شیخ نے سیّد فخر الدین سے میرے متعلق دریافت کیا۔ تو سیّد نے جواب دیا کہ آپ کے دوست شیخ یحییٰ کے لڑکے ہیں ان کا نام فضل ہے۔ پس شیخ اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ مجھے ملا۔ پھر اپنے قریب بٹھایا اور مجھ سے میرے والد اور میرے بھائی شیخ صلاح الدین کے متعلق حالات پوچھے کیونکہ وہ ان دونوں کو خوب جانتا تھا اور میری واقفیت نہ تھی۔ کیونکہ میں اس زمانہ میں شیخ ابراہیم بن محمد واسطی کے ہاں شہر واسط میں مشغول تعلیم تھا۔ اب شیخ سے باتیں ہونے لگیں تو میں نے شیخ کو علوم عربیہ اور فقہ، حدیث میں صاحب فضل و کمال پایا۔ جس سے مجھے یقین پیدا ہوا کہ انھوں نے جزیرہ خضراء کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہو گا وہ سچّا ہو گا۔ پس میں نے اپنی غرض ظاہر کی کہ شیخ شمس الدین اور جلال الدین سے تو سن چکا ہوں لیکن شوق کا تقاضا ہے کہ آپ کی زبانی آپ کا چشم دید واقعہ جزیرہ خضرا سُن لوں تو شیخ نے سیّد فخر الدین اور دیگر علمائے حلّہ جو ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تھے سب کے سامنے قصّہ دہرایا اور یہ ار شوّال سنہ ۶۹۹ھ کا دن تھا۔

شیخ صاحب رسالہ لکھتے ہیں۔ یہ میرے اپنے کانوں کا سنا واقعہ ہے کہ شیخ علی بن فاضل مازندرانی نے فرمایا میں زمانہ طالب علمی میں دمشق میں مقیم تھا۔ شیخ عبد الرحیم حنفی کے ہاں علوم عربیّہ اور شیخ علی مغربی اندلسی مالکی کے ہاں علم قراءت پڑھتا تھا۔ شیخ علی مغربی اگرچہ باقی علوم میں بھی کافی دسترس رکھتا تھا۔ لیکن علم قراءت میں وہ بڑا ماہر تھا۔ ان کی طبیعت نہایت نرم تھی اور خوش بخت تھے۔ مذہبی عناد بھی ان میں بہت کم تھا۔ چنانچہ جب شیعہ کا ذکر آجاتا تھا تو اتنا کہہ دیتے تھے کہ علمائے شیعہ کا یہ مسلک ہے۔ ورنہ بعض باقی مدرسین تو ذکر شیعہ آجانے پر علمائے رافضہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بس میں نے باقی مدرسین کو چھوڑ کر مالکی استاد کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا۔ اور اس سے ہی باقی علوم حاصل کرتا رہا۔ ان کو جب دمشق سے مصر کا سفر درپیش آیا تو باہمی محبت کی وجہ سے مجھے استاد کی جدائی شاق معلوم ہوئی اور ان کو بھی میرا فراق گوارا نہ تھا۔ آخر کار

مجھے انھوں نے ساتھ لے چلنے کا عزم کرلیا۔ اور دیگر چند مساکین مسافر طلبہ نے بھی مصر جانے کا پروگرام بنایا۔ جب ہم طے منازل کے بعد قاہرہ میں پہنچے تو استاد نے وہاں قیام کیا اور مسجد ازہر میں مشغول درس و تدریس ہوگئے۔ علماء و فضلاءِ مصر ان کا نام سن کر ملاقات کے لیے آتے اور مختلف علوم و فنون کا ان سے استفادہ کرتے رہتے ہم نو مہینے وہاں نہایت خیر و خوبی سے رہے کہ اچانک اندلس سے ایک قافلہ پہنچا ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک چٹھی تھی۔ جس میں استاد کے والد نے اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی۔ اور ملاقات کے لیے جلد پہنچنے کی فرمائش کی تھی۔ استاد اپنے باپ کا خط پڑھ کر بہت روئے اور اندلس کی طرف عازم ہوئے۔ چنانچہ بعض طلبہ بھی ہمراہ تیار ہوئے جن میں ایک میں بھی تھا جب جزیرہ اندلس کی پہلی بستی میں پہنچے تو مجھے بخار ہوگیا۔ استاد غم زدہ ہوا مجھے چھوڑنا بھی نہ چاہتا تھا لیکن باپ کی نازک حالت کے ماتحت ٹھیرنا بھی ان کے لیے دشوار تھا۔ آخر اس بستی کے خطیب مسجد کو میرے اخراجات کے لیے انھوں نے دس درہم دیے اور مجھے ان کے سپرد کیا۔ اور اس کو میری خدمت کی تاکید کی اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ تندرست ہو جائے تو اس کو میرے پاس پہنچا دینا اور ساحل بحر سے ان کا گھر پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ مجھے تین دن تک تو بخار کی شدت رہی پھر بخار ہلکا ہی ہوگیا اور رفتہ رفتہ چلا گیا۔ میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو شہر کے گلی کوچوں کا چکر لگایا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کئی قافلے بحر غربی کے ساحلی پہاڑوں سے آئے ہوئے تھے جو اون، گھی اور دیگر سامان کی خرید کر رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ بربر کے قریب سے آئے ہیں۔ اور رافضیوں کا علاقہ ان سے ملتا جلتا ہے۔ میں یہ لفظ سنتے ہی ان کی طرف مائل ہوگیا اور دل میں ان کے علاقہ کے دیکھنے کی امنگ پیدا ہوئی۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک کل ۲۵ دن کی مسافت ہے۔ جن میں دو دن کا سفر نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ملنے کا امکان ہے اس کے بعد آبادیاں متصل ہیں۔ پھر سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بہر کیف میں اس قافلہ کے ہمراہ تیار ہوا۔ اور انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو تین درہم دے کر اس سے گدھا کرایہ پر لیا۔ تاکہ وہ خیر آباد مسافت آسانی سے طے کرلوں۔

خدا خدا کرکے دشتِ ویران کا سفر ختم ہوا تو میں نے پیدل چلنا شروع کیا۔ اور اپنی مرضی سے تھوڑا تھوڑا سفر کرتے ہوئے ان کے ملک میں جا داخل ہوا۔ وہاں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رافضیوں کا شہر یہاں سے تین روز کی مسافت ہے۔ تو میں نے بلا تاخیر اپنا سفر جاری رکھا اور آخر کار ایک شہر تک پہنچا جس کے چاروں طرف فصیل محکم تھی۔ اور اس میں بلند قلعے موجود تھے۔ اور ساحل سمندر پر واقع تھا۔ میں ایک بڑے دروازے سے داخل ہوا جس کو باب البربر کہتے تھے۔ میں نے گلی کوچوں میں پھرتے پھراتے مسجد کا پتہ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ بڑی عظیم الشان مسجد تھی۔ اور بالکل لبِ بحر شہر کے مغرب میں واقع تھی۔ میں تکان و کوفت کو دور کرنے کے لیے ایک جانب بیٹھ

گیا۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی اور مؤذن نے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کی صدا بلند کی۔ اور اس کے بعد ظہور امام کی دعا مانگی۔ میرے اوپر گریہ طاری ہوا۔ میں نے دیکھا لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے شروع ہو گئے۔ اور مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک درخت کے نیچے پانی کا حوض تھا جس سے وہ وضو کرتے تھے۔ میں نے ان کو امامیہ طریقے سے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص جو نہایت نورانی اور باوجاہت چہرے والا تھا وہ آگے کھڑا ہوا بعد اس کے پیچھے باقی نمازی صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ نماز با جماعت شیعہ طریق پر ادا ہوئی۔ نوافل بھی پڑھے گئے۔ میں چونکہ زیادہ تھکا ہوا تھا اس لیے شرکت جماعت کی سعادت سے محروم رہا۔ وہ لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے دیکھ کر دل میں خفا ہوئے۔ آخر مجھ سے پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے اپنے حالات بتائے کہ عراقی ہوں اور مسلمان ہوں۔ توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ یہ دو شہادتیں تو صرف دنیا میں تیرے خون کی حفاظت کے لیے ہیں۔ ورنہ آخرت میں جب تک تیسری شہادت نہ دو گے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی؟ تو انھوں نے شہادتِ ولایت ائمہ بیان کی۔ میں یہ سن کر نہایت خوش ہوا۔ حتیٰ کہ تکان سفر بھی ختم ہو گئی اور میں نے ان کو بتایا کہ میں ائمہ کے دین پر ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔ وہ لوگ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور مسجد کے ایک گوشہ میں انھوں نے میرے لیے جگہ تجویز کی۔ پس امام مسجد صبح و شام میرے پاس آیا کرتا تھا۔ اور خبر گیری کیا کرتا تھا۔ میں نے ایک دن اس سے دریافت کیا۔ کہ تم لوگوں کے اخراجات کہاں سے آتے ہیں حالانکہ اس علاقہ میں قابلِ کاشت زمین تو کوئی موجود نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بحر ابیض کے جزیرۂ خضراء سے سب کچھ آتا ہے۔ جہاں امام صاحب الامر کی اولاد آباد ہے۔ میں نے پوچھا کہ سال میں کتنی مرتبہ؟ تو جواب دیا کہ دو مرتبہ۔ چنانچہ اس سال ایک مرتبہ آچکا ہے۔ اور دوسری مرتبہ بعد میں آئے گا۔ میں نے پوچھا کہ اس کے آنے سے کتنی مدت باقی ہے؟ جواب دیا کہ چار ماہ۔ مجھے یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی کہ یہ تو بہت لمبی مدت ہے۔ آخر میں نے چالیس دن تو گزارے دل بہت خفا تھا۔ تنگدل ہو کر عصر کے وقت باہر نکلا۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر جانب مغرب دیکھنا شروع کیا۔ میں وہاں عزت و آبرو سے وقت گزار رہا تھا۔ وہ لوگ بڑی تواضع کرتے تھے اور میں شب و روز اللہ سے دعا کرتا تھا کہ چار ماہ کی بجائے اس دفعہ جلدی آجائے۔ خیر چالیسویں روز گھبرا کر جب میں لب بحر پہنچا اور مغرب کی طرف دیکھنا شروع کیا تو دور سے دھندلکے میں ایک نشان سا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کہ یہ نشان کیا ہے؟ کیا کوئی سفید قسم کے پرندے تو اس جانب نہیں رہتے؟ انھوں نے جواب میں پوچھا کہ کیا کوئی چیز تم کو نظر آرہی ہے؟ تو میں نے کہا۔ ہاں! پس وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ وہی جہاز ہیں جو امام کے جزائر سے ہمارے اخراجات لایا کرتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ جہاز پہنچ گئے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دفعہ وقت سے پہلے پہنچے ہیں۔

ان میں بڑا جہاز پہلے کنارے پر لگا۔ پھر یکے بعد دیگرے حتیٰ کہ کل سات جہاز تھے۔ بڑے جہاز سے ایک تنومند خوبرو جوان باہر آیا اور مسجد میں داخل ہو کر وضو کیا اور نماز ظہرین ادا کی۔ پھر میری طرف دیکھ کر سلام کیا۔ میں نے جواب سلام کیا۔ تو کہنے لگا تیرا نام کیا ہے؟ میرے خیال میں تیرا نام علی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے میرے ساتھ باتیں کیں جس طرح پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے؟ اور میرے خیال میں ان کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا۔ اب مجھے شک ہی نہ رہا کہ یہ شخص میرے ساتھ کہیں شریکِ سفر رہا ہے اور وہ دمشق کا سفر ہوگا۔ تو اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر میں نے کہا شاید مصر سے اندلس کا سفر ہوگا۔ تو اس نے حضرت صاحب الامر کی قسم کھا کر کہا کہ نہیں۔ تو میں نے کہا کہ میرا اور میرے باپ کا نام تم کو کیسے معلوم ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تیری وصف، تیری اصل، تیرا نام، تیری ذات، تیری شکل اور تیرے باپ کا نام مجھے بتایا جا چکا تھا۔ اور اب میں جزیرۂ خضراء میں تجھے اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔ جب میں نے سنا کہ وہاں میرا نام بھی ہے تو نہایت خوش ہوا۔

اس کی عادت تھی کہ وہاں ہمیشہ تین دن ٹھیرتا تھا۔ لیکن اب کی مرتبہ اس نے ہفتہ قیام کیا۔ تمام لوگوں کا راشن تقسیم کیا اور ان سے وصولی کی رسیدیں حاصل کیں اور واپس روانہ ہوا۔ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیا۔ سمندر میں سولہ دن کے سفر کے بعد میں نے سفید رنگ کا پانی دیکھا اور نگاہِ تعجب سے اسے دیکھا۔ مجھے شیخ نے کہا جس کا نام محمد تھا کہ کیوں بار بار پانی کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا اس لیے کہ اس پانی کا رنگ عام پانی کے رنگ سے جدا ہے۔ اس نے کہا کہ یہی تو بحر ابیض ہے اور وہ سامنے جزیرہ خضراء ہے۔ اور یہی بحر اس جزیرہ کے اردگرد قلعہ کی حیثیت سے ہے۔ اور اللہ کی حکمت ہے کہ ہمارے کسی بھی دشمن کا جہاز جب یہاں پہنچتا ہے تو غرق ہو جاتا ہے خواہ کتنا ہی مضبوط و محکم کیوں نہ ہو اور یہ حضرت صاحب الامر کی برکت ہے۔

پس میں نے اس کو استعمال کیا اور پیا تو دریائے فرات کی طرح میٹھا تھا۔ پس تھوڑے سے وقت میں ہم وہ پانی عبور کر کے ساحل جزیرہ پر پہنچے۔ اور جہاز سے اُتر کر ایک شہر میں داخل ہوئے جس کے بلند بلند قلعے، مضبوط فصیلیں تھیں۔ اور اس کے اردگرد سات کوٹ تھے۔ بالکل وہ شہر ساحلِ سمندر پر تھا۔ نہریں جاری تھیں۔ جن کے کناروں پر میوہ دار درخت موجود تھے۔ اور قسم قسم کے پھل اور میوہ جات فراواں تھے۔ شہر میں بارونق بازار بکثرت اور حمام متعدد موجود تھے۔ اکثر عمارتیں صاف و شفاف سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ لوگ نہایت خوبرو اور خوش منظر تھے۔ یہ دیکھ کر تو میری خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔

پس وہ ساتھی محمد مجھے اپنے گھر میں تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد مسجد جامع میں لے گیا۔ وہاں لوگوں کا انبوہ تھا۔ میں نے دیکھا ان کے درمیان ایک شخص نہایت باوقار اور وجیہہ تشریف فرما ہے۔ لوگ اس کو سید شمس الدین

محمد کے نام سے پکارتے تھے اور اس سے قرآن و فقہ و اصول کا علم حاصل کرتے تھے۔ جن کو وہ تفصیل وار حضرت صاحب الامر سے حاصل کیا کرتا تھا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو انھوں نے نہایت مہربانی سے میرے ساتھ بات چیت کی۔ احوال سفر پوچھے اور مجھے بتایا کہ تیرے تمام کوائف و حالات مجھے معلوم ہیں اور شیخ محمد میرے کہنے پر تم کو اپنے ہمراہ یہاں لایا ہے۔ پھر مسجد کے ایک گوشہ میں مجھے ایک جگہ دی گئی تاکہ خلوت و راحت کے وقت وہاں آرام کروں۔ چنانچہ میں عصر تک وہاں سویا رہا جب اٹھا تو ایک قاصد نے اطلاع دی کہ آپ کہیں نہ جائیں کیونکہ سید مع مخصوص دوستوں کے رات کے کھانے کے لیے یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر میں تشریف لائے۔ دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا کھا کر نماز مغربین کے لیے ہم سب کھڑے ہوئے۔ پھر نماز کے بعد ہر ایک اپنی قیام گاہ کی طرف چلا گیا۔

اسی حالت میں اٹھارہ روز گزرے جب پہلا جمعہ میں نے پڑھا تو دیکھا کہ سید نے دو رکعت نماز جمعہ وجوب کی نیت سے پڑھا۔ میرے سوال پر سید نے جواب دیا کہ چونکہ وجوب جمعہ کی شرائط موجود ہیں۔ پھر بوقت خلوت میں نے دریافت کیا کہ امام حاضر ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں ان کی جانب سے نائب خاص ہوں۔ میں نے عرض کی کیا آپ ان کی زیارت کر چکے ہیں؟ تو فرمایا نہیں۔ بلکہ میرے والد فرماتے تھے۔ میں نے ان کے فرامین کانوں سے سنے ہیں۔ لیکن زیارت نہیں کی اور میرے دادا نے ان کی احادیث بھی سنی تھیں اور دیکھا بھی تھا۔ میں نے عرض کی حضور یہ تخصیص کیوں ہے کہ بعض فیض حاصل کریں اور بعض محروم رہیں؟ تو انھوں نے فرمایا۔ خدا جسے چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور یہ اس کی اپنی حکمت ہے۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور ہر حجت خدا کے لیے ایک سفیر ہوتا ہے۔ جو اُن کی جانب سے لوگوں تک احکام پہنچاتا ہے۔

سیّد نے میرا ہاتھ پکڑا اور شہر سے باہر سیر و تفریح کے لیے مجھے لے گیا۔ میں نے نہریں، باغات اور قسم قسم کے میوہ جات سے لدے ہوئے درخت دیکھے جو نہایت خوش شکل اور خوش ذائقہ تھے۔ انگور، انار، ناشپاتی وغیرہ جو میں نے عراق میں نہ دیکھے تھے اور نہ شام میں ان کا وجود تھا وہاں بکثرت موجود تھے۔ ہم ایک باغ سے دوسرے باغ کی طرف سیر کرتے جا رہے تھے کہ ہمارے پاس سے ایک نہایت وجیہ انسان گزرا جس نے ایک سفید اونی چادر کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ ہمارے قریب آ کر ہم کو سلام دیا۔ اور چلا گیا۔ میں نے اس کی ہیئت سے متاثر ہو کر سید سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمھیں یہ پہاڑ کی چوٹی نظر آ رہی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ پس فرمایا اس کے وسط میں ایک عالیشان مکان ہے اور وہاں ایک سرسبز و شاداب درخت کے نیچے ایک آب جاری کا چشمہ ہے اور اینٹوں سے بنا ہوا ایک گنبد ہے۔ یہ شخص اور اس کا ایک دوسرا ساتھی اس گنبد کے دربان ہیں۔ اور میں جمعہ کی صبح کو وہاں جاتا ہوں۔ زیارت امام پر مستاق ہو

اور دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں۔ پس مجھے وہاں ایک رقعہ ملتا ہے۔ جس میں میرے ضروری مسائل کا حل ہوتا ہے۔ اور مجھے ان پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے تم بھی وہاں جاؤ۔ اور قبۂ امام کی زیارت کرو۔

میں وہاں گیا۔ سب کچھ ویسا پایا جیسا کہ سیّد نے بیان کیا تھا۔ دو خادم دیکھے جس نے مجھے سیّد کے ہمراہ دیکھا تھا۔ وہ میرے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ اور دوسرے نے ناپسندیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو پہلے خادم نے کہا۔ ایسا مت کرو۔ کیونکہ میں نے اسکو سیّد شمس الدین کے ہمراہ دیکھا تھا۔ چنانچہ پھر وہ بھی میرے ساتھ اچھا پیش آیا۔ دونوں کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں۔ وہ کھانا لائے انگور پیش کیے۔ میں نے جی بھر کے کھایا اور اس چشمۂ شیریں سے پانی بھی پیا۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ ان دونوں خادموں سے زیارت امام کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ ناممکن ہے۔ اور ہمیں اجازت نہیں کہ اس بارے میں کسی کو کچھ بتائیں۔ پس میں نے ان سے التماس دعا کی اور انھوں نے میرے حق میں دعا کی پھر میں رخصت ہو کر واپس آیا اور سیّدؒ کے مکان پر پہنچا تو جواب ملا کہ وہ باہر کسی کام کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ میں شیخ محمد کے گھر چلا گیا جس کے ہمراہ آیا تھا اور اس کو سب ماجرا سنا دیا۔ اس نے کہا کہ وہاں جانے کی سوائے سیّد شمس الدین کے یا ان جیسے لوگوں کے اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے تو وہ دوسرا خادم تمھارے جانے کو ناپسند کر رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے سیّد شمس الدین کے حالات پوچھے تو اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت صاحب الامر کی پانچویں پشت میں ان کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی جانب سے نائب خاص ہیں۔

علی بن فاضل مازندرانی کہتا ہے کہ میں نے سیّد سے قراءتِ قرآن، علوم دینیہ کے مشکل مقامات اور دیگر مسائل ضروریہ کے دریافت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قراءتِ قرآن ضروری ہے چنانچہ جب میں ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قاریوں میں اختلاف تھا اور اختلافِ قرأت بیان کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بہت سی قرأتیں تھیں لیکن جب حضور آخری حج پر تشریف لے گئے تو حضرت علی حسنین شریفین ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود، حذیفہ یمانی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، حسان بن ثابت اور دیگر مخصوص صحابہ کی موجودگی میں حضور نے پورا قرآن سنایا۔ اور اختلاف قراءت کے مقام پر جبریل نے صرف ایک قراءت کی نشاندہی کر دی۔ جس کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے تحریر کر لیا۔ پس اس کے بعد ایک ہی قراءت ہے۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کی ہے پھر میں نے ترتیب آیات کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ وفاتِ پیغمبر کے بعد دو شخصوں نے جب غصبِ خلافت کیا تو حضرت امیر علیہ السلام قرآن کو اٹھا کر ان کے پاس لے گئے جب کہ وہ مسجد میں جمع تھے۔ اور فرمایا کہ بفرمان پیغمبر میں اللہ کی کتاب کو تمھارے پاس لایا ہوں تاکہ حجّت قائم ہو جائے۔ تو امت کے فرعون و نمرود نے جواب دیا کہ ہمیں تمھارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے آپ نے فرمایا مجھے حبیبِ خدا نے بھی تمھارے متعلق یہ خبر

maablib.org

سنائی تھی لیکن میں نے اتمام حجت کرنی تھی۔ پس واپس تشریف لائے۔ اور اللہ کو اس امر پہ گواہ بنایا۔
ابن ابی قحافہ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ جس کے پاس کوئی سورہ یا آیت ہو وہ لے آئے۔ چنانچہ ابوعبیدہ
عثمان، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت اور دیگر مسلمانوں نے جمع
قرآن کی ایک کمیٹی بنائی۔ اور یہ قرآن جمع کیا۔ اور آیاتِ قرآن کے غیر مرتبط ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اور حضرت امیر
علیہ السلام نے جو قرآن جمع فرمایا تھا وہ حضرت صاحب الامر کے پاس محفوظ ہے۔ جس میں ہر چیز کا بیان ہے حتیٰ کہ خراش
کے تاوان کا بھی اس میں ذکر ہے۔ اور یہ موجودہ قرآن اس کی صحت اور کلام خدا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور
حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے یہی فیصلہ صادر ہوا ہے۔

شیخ کہتا ہے۔ میں نے سید شمس الدین سے کافی مسائل دریافت کیے جو سو سے زیادہ ہیں۔ اور وہ میں نے
ایک رسالہ میں جمع کیے ہیں جس کا نام میں نے "فوائد شمسیہ" رکھا ہے۔ صرف مخلص مومنین کو ان سے مطلع کیا کرتا ہوں۔
جب دوسرا جمعہ آیا تو نماز کے بعد سید نے مومنین کے سامنے مسائل بیان کیے۔ اچانک میں نے مسجد کے باہر
شور و غل سنا تو دریافت پر معلوم ہوا کہ ہماری فوج کے افسر ہر ماہ کے درمیانی جمعہ میں ظہور حجت کی انتظار کرتے ہیں۔
میں اجازت لے کر ان کو دیکھنے کے لیے گیا۔ تو ایک بڑی جماعت دیکھی جو تسبیح و تحمید و تہلیل پروردگار میں مشغول
تھے۔ اور ظہور امام کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ میں واپس مسجد میں آیا تو سید نے پوچھا۔ فوج دیکھی ہے؟ میں
نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا فوجی افسر شمار کیے تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ تو فرمانے لگے۔ ان کی تعداد
(۳۰۰) تین سو ہے۔ تیرہ کم ہیں۔

میں نے پوچھا ظہور کب ہوگا؟ تو فرمایا۔ یہ اللہ کو معلوم ہے۔ اور اس کا تعلق اللہ کی مشیت پر ہے۔ اور بعض
اوقات خود امام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اس کی علامات ہیں اور ان میں ایک علامت یہ بھی ہے
کہ ذوالفقار بول اٹھے گی اپنے نیام سے نکل کر عربی فصیح میں کہے گی۔ قُمْ یَا وَلِیَّ اللّٰهِ عَلٰی اسْمِ اللّٰهِ فَاقْتُلْ بِیْ
أَعْدَاءَ اللّٰهِ۔ (اے اللہ کے ولی! اٹھو، باذن خدا اور میرے ساتھ دشمنان خدا کو قتل کرو۔) اور ان علامات
میں سے یہ بھی ہے کہ تین آوازیں بلند ہوں گی جن کو ہر شخص سنے گا۔

پہلی آواز —— اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ۔

دوسری آواز —— اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اور

تیسری آواز —— قرن شمس میں ایک بدن ظاہر ہوگا جو حضرت قائم کے ظہور کا اعلان کرے گا۔

میں نے عرض کی ہم نے اپنے مشائخ سے بعض روایات سنی ہیں جو حضرت صاحب الامر کی طرف منسوب ہیں۔
کہ جب غیبت کبریٰ ہوئی تو آپ نے فرمایا تھا میری غیبت کے بعد جو شخص میرے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے

آپ نے فرمایا۔ یہ درست ہے اور یہ اس زمانہ کے لیے آپ نے فرمایا تھا۔ جب کہ دشمنانِ اہلِ بیت کی کثرت تھی اور فراعنہ بنی عباس کا زور تھا۔ اسی لیے شیعہ ایک دوسرے کو آپ کے ذکر سے روکا کرتے تھے۔ لیکن اب زمانہ کافی گزر چکا ہے۔ دشمن مایوس ہو گئے ہیں اور ہمارا ملک ان کے مظالم بلکہ ان کی دسترس سے بعید ہے۔ حضور کی برکت سے یہاں کوئی دشمن پہنچنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔

میں نے دریافت کیا کہ علمائے شیعہ نے جناب حضرت صاحب الامرؑ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ انھوں نے خمس اپنے شیعوں پر مباح کیا ہے۔ کیا آپ نے بھی حضور سے یہ روایت حاصل کی ہے۔ تو فرمایا۔ ہاں۔ انھوں نے رخصت دی ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے اپنے شیعوں کے لیے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ عامتہ المسلمین کے قید کردہ غلام و کنیزوں کی خرید کے لیے حضور نے شیعوں کو اجازت دی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! اور یہ مسائل ان کے علاوہ ہیں۔ جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور سید نے فرمایا کہ سال وتر میں رکن اور مقام کے درمیان حضور کا ظہور ہو گا۔

میں نے عرض کی تا وقتِ ظہور میں اسی جگہ رہنے کا خواہش مند ہوں۔ تو سید نے جواب دیا کہ تیری واپسی کا حکم پہنچ چکا ہے۔ جس کی میں یا تو مخالفت نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ تم عیال دار ہو اور کافی عرصہ سے ان سے دور ہو اب اس سے زیادہ تمھارے لیے جائز نہیں ہے۔ اور تمھیں ضرور وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ یہ سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا اور بہت رویا۔ اور عرض کی آقا کیا میرے معاملہ میں نظر ثانی نہیں ہو سکتی؟ تو انھوں نے جواب دیا۔ نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے کیا یہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکتا ہوں؟ تو فرمایا بے شک بیان کرو تاکہ مومنوں کے دل مطمئن ہوں۔ مگر فلاں فلاں بات بیان نہ کرنا۔ (یعنی بعض باتوں کے بیان کرنے سے روک دیا۔)

میں نے پوچھا کیا ان کے جمال کی زیارت نہیں ہو سکتی؟ تو جواب دیا۔ نہیں۔ لیکن اے برادر! یہ یقین جانو کہ ہر مخلص مومن امام کو دیکھ سکتا ہے لیکن پہچانتا نہیں۔ میں نے عرض کی مخلص تو میں بھی ہوں۔ لیکن ابھی تک زیارت سے محروم ہوں۔ سید نے جواب دیا کہ تم دو دفعہ زیارت کر چکے ہو۔ ایک دفعہ جب کہ تم پہلی بار سر من رای کی طرف آئے اور تمھارے ساتھی تم سے آگے نکل گئے پھر تنہا تم ایک نہر کے کنارے پہنچے جس میں پانی موجود نہ تھا پس تمھارے پاس ایک گھوڑے سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ جس پر دمشقی سنان جڑی ہوئی تھی تم دیکھ کر خوف زدہ ہوئے لیکن انہوں نے فرمایا۔ خوف نہ کرو اور ساتھیوں سے مل جاؤ۔ کہ وہ فلاں درخت کے نیچے تمہاری انتظار میں ہیں۔ فوراً وہ واقعہ ذہن میں آگیا۔ اور میں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ دوسری مرتبہ جب دمشق سے تم اپنے اندلسی استاد کے ہمراہ عازم سفر مصر تھے۔ اور قافلے سے رہ گئے تھے۔ اور تمہیں سخت خطرہ لاحق ہو تھا پس ایک گھوڑے سوار پہنچا جسکے ہاتھ میں نیزہ تھا اور فرمایا بلا خوف اس بستی میں چلے جاؤ جو دائیں طرف واقع ہے وہاں رات گزارو اور ان کو اپنے مذہب سے بھی مطلع کرو۔ اور ان سے تقیہ

نہ کرو۔ کیونکہ وہ لوگ بمع اردگرد کی بستیوں کے سب مخلص مومن ہیں۔ علی اور اولاد علی کی امامت کے قائل ہیں۔ اے ابن فاضل! کیا یہ بات درست ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں! میں ان کے پاس گیا تھا۔ رات گذاری۔ انھوں نے میری بڑی عزت کی۔ میں نے ان سے اپنا مذہب پوچھا تو انھوں نے مجھ سے تقیہ کیے بغیر صاف صاف کہہ دیا۔ کہ امیر المومنین (علیہ السلام) اور ان کی ذریت طاہرہ کے مذہب پر ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ مذہب تم کو کیسے ملا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوذر غفاری کو جب عثمان نے شام بھیجا تھا۔ اور معاویہ نے ان کو ہمارے علاقہ کی طرف نکال دیا تھا تو یہ سب ان کے وجود مسعود کی برکت ہے کہ ہم لوگ شیعہ ہیں۔

جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے قافلہ سے ملنے کی خواہش کی تو انھوں نے میرے ساتھ دو آدمی روانہ کیے۔ جنھوں نے مجھے قافلے سے ملا دیا۔ میں نے بھی ان کو اپنا مذہب بتایا تھا۔ پھر میں نے پوچھا اے سید! کیا امامؑ حج کو بھی جایا کرتے ہیں؟ تو فرمایا۔ اے ابن فاضل! تمام دنیا مومن کے لیے ایک قدم ہے تو جس کے وجود کے ساتھ پوری دنیا قایم ہے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ ہاں وہ ہر سال حج کو بھی جاتے ہیں۔

نیز مدینہ، عراق اور طوس میں اپنے آباؤ طاہرین کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اور پھر واپس تشریف لے آتے ہیں۔

پھر سید شمس الدین نے تاکیداً کہا کہ عراق واپس جاؤ۔ اور بلاد مغرب میں نہ ٹھیرو۔ اور انھوں نے فرمایا کہ ہمارے درہموں پر توحید و رسالت و ولایت کے علاوہ حضرت قائم علیہ السلام کی مہر ہوتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے مجھے اسی سکہ کے پانچ درہم عنایت کیے۔ جو برکت کے لیے میرے پاس محفوظ ہیں۔ پھر مجھے انہی جہازوں کے ساتھ روانہ کیا۔ جن کے ساتھ میں یہاں پہنچا تھا۔ بس میں اسی شہر میں پہنچا۔ جہاں زمین بربر کے شہر میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ انھوں نے مجھے گندم اور جو بھی دیے جو وہاں ایک سو چالیس دینار طلائی پر میں نے فروخت کر دیے۔ اور سید شمس الدین کی فرمائش کے ماتحت میں نے اندلس جانا ملتوی کر دیا۔ اور وہاں سے قافلہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے قصد مکہ پہنچا۔ اور حج سے فارغ ہو کر عراق آیا۔ اور یہاں تا زیست مجاورت کا قصد کر لیا۔

شیخ زین الدین علی بن فاضل مازندرانی فرماتے ہیں۔ کہ وہاں (جزیرہ خضراء میں) سوائے پانچ علمائے امامیہ کے اور کسی کا ذکر میں نے نہیں سنا:-

۱۔ سید مرتضیٰ موسوی

۲۔ شیخ ابو جعفر طوسی

۳۔ محمد بن یعقوب کلینی

۴۔ ابن بابویہ

۵۔ شیخ ابوالقاسم جعفر بن سعید حلّی۔

نوٹ:۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہے۔ اس کا مقطوع و مرسل ہونا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو استنباط احکام کا ماخذ قرار دیا جائے۔ بنابریں اباحت خمس کے لیے اس روایت کو سہارا بنانا ناجائز ہے۔ نیز ممکن ہے اباحتِ خمس سے مراد یہ ہو کہ غیبت کے زمانہ میں مستحقین خمس کا کھانا ہم نے مباح کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں پر حسب شرائط خمس عائد ہوتا ہے ان پر مباح ہے یعنی وجوب خمس ساقط ہے۔ حاشا و کلّا۔

(مترجم)

ربطِ آیات:۔ چونکہ قرآن مجید کی آیات میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اس لیے جنگِ بدر کی کوئی آیت کہیں اور کوئی کہیں ہے۔ اور ہجرت کے متعلق کچھ آیات گزر چکی ہیں۔ اور کچھ آیندہ مذکور ہوں گی۔ اور تمام واقعات بلکہ احکام کی یہی صورت ہے۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری جمع کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں آیاتِ مجیدہ کا آپس میں ربط تلاش کرنا محض بے سود و بے معنی تکلّف ہے۔

پارہ ۱۰

maablib.org

رکوع ۱ ۔ خمس کا بیان

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانو تحقیق جو فائدہ حاصل کرو کسی شے کا تو تحقیق اللہ کے لیے اس

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

کا خمس اور رسول اور ذوالقربیٰ اور یتیموں اور مسکینوں اور

وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ

مسافروں کے لیے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور جو

اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

اتارا ہم نے اوپر اپنے بندے کے فیصلے کے دن جس

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

دن فریقین لڑے اور اللہ اوپر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

ہر شے کے قادر ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ: سب سے پہلے غنیمت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے تاکہ مطلب کی پوری وضاحت ہو سکے۔ لغت کے اعتبار سے غنیمت کا اطلاق ہر اس فائدہ پر ہوتا ہے جو انسان کو حاصل ہو جیسا کہ "مجمع البحرین" سے منقول ہے۔ الغنیمة فی الاصل هی الفائدة المکتسبة یعنی غنیمت لغت میں ہر اس فائدہ کو کہتے ہیں جو کمایا جائے۔ مقنعة میں شیخ مفید سے منقول ہے۔ الغنائم کلما استفید بالحرب من الاموال وما استفید من المعادن والغوص والکنوز والعنبر وکلما فضل عن ارباح التجارات والزراعات والصناعات من المؤنة والکفایة طول السنة علی الاقتصاد۔ یعنی، غنایم ہر وہ مال جو لڑائی سے حاصل ہو۔ اور ہر وہ چیز جو کانوں، خزانوں اور غوطہ زنی سے حاصل ہو۔ اور عنبر اور ہر وہ چیز جو تجارت، کھیتی باڑی اور کاریگری کے منافع سے سال بھر کے متوسط طور پر اخراجاتِ خانگی سے بچ جائے علامہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں فرمایا ہے کہ علمائے امامیہ کے نزدیک خمس ہر فائدہ پر واجب ہے جو کسی کاریگری کے ذریعے سے حاصل ہو یا تجارت سے اور خزانوں، کانوں اور غوص یعنی غوطہ سے حاصل شدہ اشیاء پر بھی خمس واجب ہے۔ اور اسی آیتِ مجیدہ سے اس مطلب پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ عرف لغت میں ان تمام چیزوں کو غنیمت کہا جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ ھی واللہ الافادۃ یوما بیوم یعنی غنیمت خدا کی قسم روزمرہ کے کسب کا نام ہے۔ بروایت سماعہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ لوگ جو کچھ بھی کمائیں خواہ کم ہو یا زیادہ سب پر خمس واجب ہے۔

چونکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں اور ان پر غنیمت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً وراثت۔ لہٰذا وہ اطلاق آیت اور عموم روایت سے خارج ہیں۔

وجوب خمس احادیث کی رو سے

۱۔ بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ کیا خمس انسان کی تمام کمائی پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور جائیداد پر بھی واجب ہے؟ تو آپ نے اپنی تحریر مبارک سے جواب دیا کہ خمس اخراجات کے بعد واجب ہے۔

۲۔ بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنی جائیداد سے ایک سو کُر گندم وصول ہوئی۔ پس اس کا دسواں حصہ دس کُر تو زکوٰۃ میں چلے گئے اور زمین کی آبادی اور کاشت کے اخراجات میں تیس کُر خرچ ہوئی باقی ساٹھ کُر اس کے پاس موجود ہیں۔ تو اب اس پر کیا واجب ہے؟ تو فرمایا اس کے اخراجات ضروریہ سے جو زائد ہو اس میں سے ہمارا خمس (پانچواں حصہ) ہے۔

۳۔ علی بن مہریار سے روایت ہے کہ مجھے ابو علی بن ارشد نے بیان کیا کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی۔ حضور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کی حکم کی ترویج کروں اور آپ کے حقوق وکالتاً وصول کروں جب میں نے آپ کے شیعوں کو بتایا تو ان میں سے بعض نے دریافت کیا کہ امام کا حق کیا ہے؟ تو مجھے اس کا جواب معلوم نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ان پر خمس واجب ہے۔ تو میں نے پوچھا کس چیز میں؟ تو آپ نے فرمایا ان کے سامان میں اور ان کے منافع میں تو میں نے عرض کی کیا تاجر پر بھی ہے؟ اور اپنے ہاتھ سے کمانے والے پر بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ان کے اخراجات سے زائد ہو تو واجب ہے۔

۴۔ ایران کے ایک تاجر نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی چاہی تو آپ نے اس کو جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ خدا واسع کریم ہے۔ عمل کی جزا دیتا ہے اور مخالفت پر سزا دیتا ہے۔ مال اسی طریقہ سے حلال ہوتا ہے جس طرح اللہ حلال کرے۔ تحقیق خمس کا ادا کرنا دینی، خانگی اور جملہ ضروریات خرید و فروخت کے لیے ہماری اعانت ہے اس سے جی نہ چراؤ۔ اور تا حد امکان اپنے نفسوں کو ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو۔ کیونکہ خمس کا ادا کرنا تمہارے رزق کی کنجی ہے۔ گناہوں سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ اور تمہارا وہ عمل صالح ہے جو ضرورت کے دن (بروز قیامت) تمہیں کام آئے گا۔ مسلمان وہی ہے جو اپنے عہد کی وفا کرے۔ وہ مسلمان

نہیں جو زبان سے جی ہاں کہے اور دل سے اس کے خلاف ہو۔ والسلام

۵۔ خراسان کی ایک جماعت نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ یہ کس قدر حیلہ سازی اور مکاری ہے کہ زبان سے تو تم لوگ خالص محبت دعوے کرتے ہو اور ہمارے اس حق سے بچ جاتے ہو جو مخصوص ہمارا ہے اور ہم اس کے لیے ہیں اور وہ خمس ہے۔ ہم یہ معاف نہ کریں گے۔

۶۔ عبداللہ بن سنان سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کوئی فائدہ حاصل کرے یا کمائے تو حاصل شدہ چیز پر جناب فاطمہ اور اس کی ذریت ائمہ کا حق خمس واجب ہے۔ پس خمس انہی کا حق ہے وہ جہاں چاہیں اس کو خرچ کریں۔ اور خدا نے ان پر صدقہ حرام کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر درزی کپڑے کی سلائی پانچ دانق وصول کرے تو اس میں سے ایک دانق ہمارا حق ہے۔ مگر سوائے اس کے جو ہم اپنے شیعوں کو معاف کر دیں تاکہ ان کی نسلیں حلال سے ہوں۔ (شاید اسی استثنا سے مراد اخراجات ضروریہ ہوں کہ ان سے زائد پر خمس واجب ہوتا ہے ورنہ آیت کے عموم کی رو سے تمام حاصل کردہ منافع پر خمس آنا چاہیئے تھا) کیونکہ قیامت کے دن زنا کی باز پرس سب گناہوں سے سخت تر ہو گی اور صاحب خمس کھڑے ہو کر دعوے دائر کرے گا۔ کہ اے پروردگار! ان لوگوں سے پوچھ کہ انھوں نے کس مال سے نکاح کیا تھا؟

اب ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خمس کے وجوب میں شک و شبہ کی ذرا بھر گنجایش نہیں اور یہ کہ خمس ہر حاصل شدہ منفعت میں اخراجات ضروریہ کے نکال دینے کے بعد واجب ہے خواہ تھوڑا بچے یا زیادہ۔

بحث لطیف

جو لوگ دور حاضر میں خمس کے وجوب کا انکار کرتے ہیں ان کا سہارا چند احادیث ہیں۔ جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ ان احادیث کے نقل سے پہلے ایک تمہیدی وضاحت ضروری ہے تاکہ فرمان معصوم کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ وہ یہ کہ آیت مجیدہ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ .... الخ میں اصطلاح لغت اور فرمان معصوم سے واضح کیا جا چکا ہے کہ غنیمت سے مراد یہاں ہر فائدہ ہے اور اس کا مفہوم اور حکم تا قیامت زندہ ہے۔ اگر اس کو غنائم دار الحرب تک ہی محدود کر دیا جائے تو آیت مجیدہ کی زندگی جہاد کے زمانہ تک ہی محدود ہو جائے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چونکہ آیت منسوخ نہیں لہٰذا خمس کا وجوب ہر زمانہ کے لیے یکساں ہے اور ائمہ طاہرینؑ احکام شرعیہ کے مروج ہیں۔ وہ کسی حکم شرعی کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ یعنی جس چیز کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ نے واجب فرمایا ہے ائمہؑ اس کا وجوب ختم نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کی ترویج کرتے ہیں۔ اسی طرح جس کو زبان رسالت نے حرام کہا ہے۔ ائمہؑ اس کی حرمت کے ناشر ہیں اس کو جائز نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ حدیث مشہور ہے۔ محمدؐ کا حلال قیامت تک حلال ہو گا اور محمدؐ کا حرام قیامت تک حرام ہو گا۔ البتہ کسی خارجی رکاوٹ کی بنا پر کسی واجب پر نہ عمل کر سکنا اس

کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح نماز جمعہ کا وجوب ثابت ہے اور آیت مجیدہ اس پر نص صریح ہے لیکن ائمہ اس سے معذور تھے۔ اس لیے ائمہ نے کبھی جمعہ کا وجوب کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ معذوری کی بنا پر خود قائم نہ کر سکے۔ اس لیے کہ جمعہ کا قائم کرنا خلافت کا عہدہ تھا۔ اور ائمہ کا جمعہ قائم کرنا ادعائے خلافت یا حکومت وقت سے بغاوت کے مترادف تھا۔ اور ائمہ کے پاس چونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ظاہری اسباب موجود نہ تھے اس لیے گوشۂ تنہائی میں صبر و سکون سے تبلیغ مذہب حقہ کرنا ان کا شعار رہا۔ اور یہی ان کا فرض منصبی تھا۔

اسی طرح خمس کی وصولی کا حق بھی چونکہ حکومت الٰہیہ کے عہدہ داروں کو ہی پہنچتا ہے اور دور تقیہ میں اپنے شیعوں کو ادائیگی خمس پر مامور کرنا یا خمس کے وجوب پر زور دینا حکومت وقت کی آواز کے بالمقابل آواز بلند کرنے کے مترادف تھا۔ کیونکہ یہ بھی ایک خراج ہے جس کی ادائیگی لازم ہے۔ اور حکومت وقت خراج کی وصولی کا ٹھیکیدار اپنے آپ کو سمجھا کرتی ہے۔ پس اس وضاحت سے چند امور منکشف ہوتے ہیں۔

(۱)۔ آیت کا فرمان تا قیامت زندہ ہے اور غنیمت سے مراد ہر حاصل شدہ فائدہ ہے۔

(۲) آیت مجیدہ کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

(۳) ائمہ طاہرین علیہم السلام قرآنی احکام کو بدلا نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے مروّج و مبلّغ ہوتے ہیں۔

(۴) ائمہ طاہرین علیہم السلام کا کسی حکم سے تسامح وقتی معذوری کے پیش نظر ہوتا ہے اس کا مطلب حکم کی نوعیت کو بدلنا نہیں ہوتا۔

اب ذرا احادیث کا جائزہ لیجئے تو حقیقت صاف آشکار ہو جائے گی۔

۱۔ صحیحہ حارث بن مغیرہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے پاس از قسم غلات و تجارات وغیرہ کچھ مال ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ اس میں آپ کا حق ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہم نے اپنے شیعوں کو حلال نہیں کیا۔ مگر اس لیے کہ ان کی نسلیں پاکیزہ ہوں۔ اور جو شخص بھی میرے آباء طاہرین کی ولا رکھتا ہے تو اس کے پاس جو ہمارا حق ہے اسے حلال ہے۔ پس جو حاضر ہیں وہ یہ بات غائب تک پہنچا دیں۔

اس حدیث میں چند باتوں کی پوری وضاحت موجود ہے۔

- اس زمانہ کے شیعوں کو پوری طرح یقین تھا کہ تمام فوائد میں خمس واجب ہوا کرتا ہے اور یہ چیز ان کے مسلّمات میں سے تھی۔ اسی لیے تو اس نے حکم دریافت نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اوپر وجوب خمس کا عائد ہونا بیان کیا۔ اور دبی زبان میں اپنی معذرت بیان کی۔

- چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور تقیہ دور تھا۔ حکومتی نمایندے ایسی باتوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

اور معمولی شکوک و شبہات سے انسانوں کی زندگیاں ختم کر دی جاتی تھیں ایسی صورت میں ان کا مال خمس خدمتِ امام میں پیش کرنا جہاں ان کی جان و مال و عزت کے لیے باعث خطرہ تھا۔ وہاں امام عالی مقام کے وجود ذی جود کے لیے بھی منافی امن تھا۔ پس سائل دبی زبان میں وجوب کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے عملی اقدام کی معذرت کو پیش کر رہا ہے جس کو معصوم سمجھتے ہیں۔

- معصوم نے اپنے جواب میں وجوب خمس کا انکار نہیں فرمایا۔
- چونکہ خمس کی عدم ادائیگی کی صورت میں مال میں حرام کی ملاوٹ ہو جائے گی اور خون گوشت پوست میں حرام مل جائیگا۔ لہٰذا نطفہ کا انعقاد بھی حرام ہو جائے گا۔ عورتوں کے حق مہر بھی مال حرام سے ہو گئے پس معصوم نے ان کو اپنا حق معاف کر دیا۔ اور یہی وجہ بتلائی کہ تم لوگوں کی نسلیں خراب نہ ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اپنے دور میں مقتضائے تقیہ یا کسی دوسری مصلحت کے ماتحت اپنا حق معاف کر دینے کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا حق نہیں رہا بلکہ ایک امام کا اپنے دور والوں کو معاف کر دینے سے ضروری نہیں کہ ان کے بعد والے ائمہ بھی معاف کر دیں۔ اسی لیے تو سابقہ روایات میں امام محمد تقی علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام نے لوگوں کو خمس کی ادائیگی کی تاکید فرمائی۔ اور امام رضا علیہ السلام نے خمس کی معافی چاہنے والوں کو سخت الفاظ سے خطاب فرمایا۔ اور ناراضگی کا اظہار فرمایا ———— اور ان کے زمانہ والے شیعوں کو بھی خمس کے وجوب کا یقین تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی اپنے زمانے کے شیعوں کو معافی دینے سے ان لوگوں نے یہ نتیجہ نہیں نکالا تھا کہ بس خمس معاف ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ معافی خاص وقتی مصلحت کے ماتحت تھی۔ اور اب چونکہ وہ مصلحت موجود نہیں۔ اس لیے امام سے معافی کی درخواست کی جو مسترد کر دی گئی۔ اور معصوم کا معاف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی، لیکن امام سمجھتے تھے کہ اس معافی سے لوگ ایک اہم فریضہ شرعیہ سے رفتہ رفتہ گریز کرتے کرتے انکار پر آ جائیں گے لہٰذا امام نے پہلے سے ڈانٹ دیا۔ تاکہ انکار وجوب تک نوبت ہی نہ آئے۔ اور لوگوں کے دلوں میں فریضہ شرعیہ کی اہمیت باقی رہے۔

۲۔ خبر یونس بن یعقوب کہتا ہے میری موجودگی میں ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے پاس تجارت کے یا دوسری قسم کے اموال و منافع موجود ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا اس میں حق ہے اور ہم ادا کرنے سے مقصّر ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ما انصفنا کم ان کلفنا کم ذلک الیوم۔ (ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا اگر اس زمانے میں بھی تمہیں تکلیف دیں۔)

اس روایت میں بھی سائل کو وجوب کا اعتراف ہے لیکن ادائیگی سے اپنی تقصیر کو ظاہر کرتا ہے۔ اور امام کے جواب سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ کی روش نہایت خطرناک تھی اور یہ معافی صرف اسی زمانہ کی موجودہ پالیسی کے ماتحت تھی۔

۳۔ صحیحہ فضلاء۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے— هلك الناس فی بطونهم وفروجهم لانهم لم یؤدوا الینا حقنا۔ (لوگ اپنے شکموں اور فروج کے بارے میں ہلاک ہوگئے ہیں کیونکہ انھوں نے ہمیں اپنا حق نہیں دیا۔) اس کے بعد روایت کے لفظ ہیں الا وانّ شیعتنا من ذلك وآباءهم فی حل۔ (لیکن ہمارے شیعہ اور ان کے آباء کو ہم نے معاف کر دیا ہے۔) ظاہرًا یہ آخری جملہ حضرت امیر علیہ السّلام کے کلام سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس دور کے شیعہ لوگوں کے آباء کا زمانہ حضرت رسالت مآبؐ کا زمانہ تھا۔ جس میں حقوق کے غصب کا سوال ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ جملہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا کلام معلوم ہوتا ہے اور ظاہرًا ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ ہم نے اپنے شیعوں اور ان کے آباء کو معاف کر دیا ہے۔ اور وجہ یہی ہے جس طرح کہ مضمون روایت خود شاہد ہے۔ تاکہ ان کے نطفے حلال کے ہوں۔ اور یہ معافی بھی پُرآشوب دور کے تقاضوں کے ماتحت ہی ہے۔

اسی مضمون کی اور روایات بھی صادقین علیہما السّلام سے منقول ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ وجوب خمس شیعانِ آلِ محمد کے نزدیک مسلّم تھا اور ائمہ کی معافی ایک خاص وقت کے تقاضے کے ماتحت تھی اور نیز یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی۔ کہ خمس کا حق دار صرف امام معصوم ہی ہے اور اس کو اختیار حاصل ہے کہ کسی کو کسی وقت معاف کر دے یا معاف نہ کرے۔

البتہ اس مقام پر ایک روایت حضرت حجّۃ العصر عجل اللہ فرجہ علیہ السّلام سے بروایت اکمال الدین منقول ہے کہ خمس ہمارے شیعوں پر مباح ہے۔ اور وہ ان کو معاف کیا گیا ہے۔ تاوقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لیے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

اس روایت کا ظاہر بھی صاف بتلاتا ہے کہ یہ معافی معذوری کے ماتحت واقع ہوئی ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ غیبت میں دشمنان آل محمد خاندان عصمت کے آخری تاجدار امامت کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طریقے سے اس فانوس امامت کو گل کر دیا جائے۔ کیونکہ فرمانِ قدرت اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں انھیں معلوم تھا کہ بارھواں تاجدار امامت غلبہ لے کر آئے گا۔ اور دنیا والوں کا اقتدار ان کے ہاتھوں بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ پس اپنے اقتدار کے بچاؤ اور سلطنت ملک کی بحالی کی خاطر امام غائب کی تلاش میں ہمہ تن کوشاں تھے۔ جس طرح ہر زمانے کے فرعون کا دستور ہے کہ جس کے متعلق اس کو اپنے اقتدار کے زوال کا

خطرہ ہو اسے ملیا میٹ کرنے پر تل جایا کرتا ہے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ تو حالاتِ حاضرہ کی بنا پر غیبت کی اس قدر اہمیت تھی کہ ان کے نام لینے کو بھی غیبت کے حکم میں رکھدیا تھا کہ ان کا نام کھلے لفظوں سے نہ لیا جائے اور ان کی رویت کے متعلق بھی صاف حکم صادر ہوا کہ جو بھی رویت امام کا دعویٰ کرے اس کو جھوٹا سمجھو۔ مقصد یہ تھا کہ دشمنان دین امام غائب کا سُراغ نہ پا سکیں۔ لہٰذا بعید نہیں بلکہ قرینِ عقل ہے کہ معصوم نے خُمس کی ادائیگی کا حکم بھی اسی وقتی تقاضے کے ماتحت برطرف کر دیا ہو۔ اور اپنا حق معاف کر دیا ہو۔ تاکہ خمس ادا کرنے والوں کی آمد و رفت کہیں حکومت وقت کے جاسوسوں کے لیے باعث شبہ نہ بن جائے۔ اسی بنا پر تو ارشاد فرمایا کہ شیعوں کو معاف کیا گیا ہے تا وقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ لفظ صاف بتلاتے ہیں کہ معافی معذوری کے ماتحت تھی اور اس لیے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

اور جب کسی حد تک لوگ وجود امام سے مایوس ہو گئے اور انھیں کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ادائیگی خمس کا حکم بھی سرکار حجۃ العصر علیہ السّلام نے صادر فرمایا۔ چنانچہ ہبۃ اللہ راوندی سے "خرائج" میں منقول ہے کہ حسین نامی ایک شخص نے حضور کی زیارت کی جب کہ آپ "خچر" پر سوار تھے۔ سبز عمامہ باندھا ہوا تھا اور پاؤں میں سُرخ رنگ کے موزے تھے۔ فرمایا۔ اے حسین! تم کیوں میرے اصحاب کو اپنے مال کا خُمس نہیں دیتے؟ اچھا تم فلاں مقام پر پُر امن پہنچو گے۔ اور وہاں کچھ کماؤ گے تو خمس اپنے مستحق کو بھیجدینا۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ حضور سمعاً وطاعتاً اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عمری آیا اور وہ خمس وصول کر کے لے گیا ——— الخبر

اب اس روایت سے صاف معلوم ہے کہ خمس کا وجوب کسی زمانہ میں برطرف نہیں ہوا۔ پس یہ حکم شرعی تاقیامت باقی ہے۔

البتہ اس مقام پر بعض روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خمس تمام مال سے نکالنا واجب ہے حتّٰی کہ وراثت، ہبہ، عطیہ اور حقِّ مہر وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

(۱) بروایت "تحف العقول" امام علی رضا علیہ السّلام نے مامون کو ایک خط میں لکھا کہ خمس تمام مال سے ایک دفعہ ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) بروایت بصائر الدرجات امام موسٰی کاظم علیہ السّلام نے فرمایا۔ جو حق اللہ کے لیے ہے وہ اس کے رسول کیلئے ہے! اور جو رسول کیلئے ہے وہ ہمارے لیے ہے اور مومنوں پر خدا کی جانب سے یہ آسانی ہے کہ اپنے رزق کے پانچ درہموں میں سے ایک خدا کے لیے مقرر کریں اور چار خود استعمال کریں اور پھر فرمایا کہ یہ ہماری حدیث میں سے صعب مستصعب ہے اس پر نہ عمل کرے گا اور نہ صبر کرے گا، مگر وہ مومن جو امتحان سے پاس ہو۔

(۳) ابن طاؤس سے منقول ہے۔ امام موسٰی کاظم علیہ السّلام نے اپنے باپ سے نقل فرمایا کہ جناب

رسالتمآبؐ نے ابوذر، سلمان اور مقداد سے شہادتِ توحید و رسالت و وصایتِ علی کا اقرار لیا۔ اور یہ کہ اللہ و رسول و ائمہ کی اطاعت اور اہلِ بیت کی مودّت فریضہ واجبہ ہے۔ ہر مومن مرد و عورت پر اور یہ کہ نماز بروقت قائم کریں۔ اپنے مال حلال سے زکوٰۃ دیں اور مستحقین پر خرچ کریں اور اپنی تمام ملکیت سے خمس نکال کر مومنوں کے ولی و امیر کو دیں۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کو دیں۔ پس جو شخص عاجز ہو اور تھوڑا سا مال ہی دے سکتا ہو تو اولادِ ائمہ میں سے ان کو دے جن کی حالت کمزور ہو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو کمزور شیعوں کی امداد کرے اور اس میں تقرب خدا کی نیت کرے۔

(۴) امام علی نقی علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا خمس ہر اس چیز پر واجب ہے جو انسان کو حاصل ہو خواہ کم ہو یا زیادہ اور ہر قسم کی آمدنی پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اپنے ضروری اخراجات کے بعد خمس واجب ہے اور یہ روایت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے۔

(۵) بروایت کافی سماعہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خمس کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ خمس ہر اس چیز میں واجب ہے جو حاصل ہو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

تحقیق و تدقیق

لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت مجیدہ اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ (اس بنا پر کہ غنیمت کا معنی مطلق استفادہ قرار دیا جائے۔) اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی جو بھی آمدنی ہو خواہ وہ کسی طریق حلال سے ہو اس سے خمس واجب ہے جب کہ اس آمدنی کو اس کی کمائی کہا جا سکے۔ خواہ کاشت کاری سے ہو باغات کے ذریعے سے ہو، تجارت ہو، صنعت و حرفت ہو، ٹھیکہ و اجارہ ہو یا وصولی کرایہ ہو یا مثلاً موجودہ زمانہ ذاکری و واعظی ہو یا بذریعہ ملازمت ہو، بہرکیف یہ صادق آ سکے کہ اس نے مثلاً اتنا کمایا، تھوڑا کمایا یا بہت کمایا۔ اور جب آیت مجیدہ کا معنی صریح یہی ہے اور بعض سابق روایات بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہیں تو جن روایات میں تمام ملکیت سے خمس نکالنے کا حکم ہے ان کے اطلاقات کو مفہوم آیت اور مضمون سابقہ روایات سے تقیید دی جائے گی بلکہ بعید نہیں کہ کہا جائے کہ قرائن حالیہ داخلیہ و خارجیہ کی بنا پر احادیث مطلقہ کا منصرف ہی وہی معنی مقید ہے پس روایات میں تمام مال اور تمام ملکیت سے مراد تمام کمائی ہے۔ اور اکثر علمائے اعلام رضوان اللہ علیہم کا مسلک یہی ہے۔ اور تمام ملکیت سے خمس کے وجوب کا قول بالکل شاذ ہے۔ بنابریں وراثت، ہبہ، عطیہ ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس کا وجوب عائد نہ ہوگا۔ اور جس آمدنی پر خمس کا وجوب عائد ہوگا اس سے اس کے ضروری اخراجات مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ اکثر روایات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ پس مطلقات کو مقیدات پر حمل کیا جائے گا۔

صاحبِ "مصباح الفقیہ" فرماتے ہیں کہ اگر ان روایات کی رو سے تمام مال میں سے خمس کا وجوب ثابت کیا

جائے تو یہ اشکال وارد ہوگا کہ زمانۂ رسالت کے مسلمان اس معنی سے متعارف نہ تھے۔ اور نہ زمانۂ ائمہ کے شیعوں کو یہ بات معلوم تھی ورنہ تمام مال و ترکہ حتی کہ میراث وہبہ وحق مہر وغیرہ سے خمس کا وجوب ایک مسلمہ مسئلہ ہوتا اور ہر کہ ومہ کے کانوں تک پہنچ جاتا اور عورتیں اور بچے بھی اس کو جانتے ہوتے۔ پھر اس میں تو عوام الناس کے لیے بھی چوں وچرا یا اختلاف کی گنجایش نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ فحول علما اور اجلّہ فضلا کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآرا قرار پاتے مجمع علیہ ہوتا تو درکنار یہ تو قول بھی شاذ ہے اور اس کے مقابلہ کا قول مشہور بین الفقہاء ہے اور یہ قرینۂ قطعیہ ہے۔ کہ زمان ائمہ میں یہ مسئلہ معروف نہ تھا اور نہ زمان غیبتِ صغریٰ میں اس کا ذکر تھا۔ کیونکہ زمان رسالت میں اگر ہوتا تو یہ ضروریاتِ دین میں سے ہوتا۔ اور اگر دورِ ائمہ میں اس کا وجود ہوتا تو ضروریات مذہب سے یہ مسئلہ قرار پاتا۔

بے شک یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ سے خمس کے مسائل دریافت کرنے والوں نے اپنی تجارت وصنعت اور حرفت اور دیگر ذرایع آمدنی کا تذکرہ کیا اور خمس کے متعلق دریافت کیا۔ کیونکہ ان آمدنیوں سے خمس کا تعلق ان کے نزدیک مسلمات میں سے تھا اور کسی نے نہیں پوچھا کہ میرے پاس اتنی جائیداد ہے یا اتنے باغات ہیں۔ یا اتنی دکانیں ہیں یا مجھے اتنی وراثت پہنچی ہے یا ہدیہ ملا ہے یا جاگیر ملی ہے۔ یا فلاں عورت کو اس قدر مہر ملا ہے۔ وغیرہ وغیرہ لہٰذا ان کے خمس کے متعلق فرمائیے۔ اور یہ ظاہراً اس لیے کہ انھیں معلوم تھا۔ کہ یہ چیزیں خمس کا متعلق نہیں ہیں۔ اور نہ ائمہ نے ان کو اس شق کی طرف متوجہ فرمایا۔ اور اگر آمدنیوں کا تذکرہ بھی ہوا تو معصوم نے پوری آمدنی سے خمس کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا اس سے اپنے اخراجات متوسط نکال کر باقی سے خمس ادا کر دیا جائے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خمس ہر کمائی سے واجب ہے۔ خواہ کاشتکاری یا زمینداری یا صنعت کاری یا دکانداری یا بہر کیف کوئی ذریعہ آمدنی بھی ہو۔ اس میں سے اپنے اور بال بچوں مہمانوں وغیرہ کے اخراجات پورا کرنے کے بعد خمس کا ادا کرنا واجب ہے۔

خمس ارباح مکاسب

مسئلہ: اصل جائیداد پر خمس نہ ہوگا بلکہ اس کی آمدنی پر ہوگا جو اس کے ضروری اخراجات سے زائد ہو۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی آمدنی میں سے ضروری مصارف کے علاوہ کوئی ایسی چیز خریدے جو اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے اخراجات پر پیسہ خرچ کرے جو شرعاً ناجائز ہوں تو ان ناجائز اخراجات کا خمس بھی اس کے ذمہ واجب ہوگا۔

مسئلہ: اولاد کی کفالت والد کے ذمہ ہے لہٰذا اولاد کے جائز تعلیمی اخراجات خمس سے مستثنیٰ ہوں گے لیکن ایسے اخراجات جو غیر ضروری ہوں یا ایسی تعلیم جو شرعاً ناجائز ہو، مثلاً برطانیہ یا امریکہ یا دیگر ممالک میں اپنی اولاد کو تعلیم غیر شرعی کے لیے بھیجے تو اس کے اخراجاتِ سفر پر بھی خمس واجب ہوگا۔ اور وہاں قیام کی صورت میں خانگی متوسط اخراجات

سے جس قدر زائد مقدار اس کو دی جائے گی۔ اس پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: بعض ایسی چیزیں جو آج کل ضروریات زندگی میں سمجھی گئی ہیں۔ اور جو شرعاً محلِّ اشکال ہیں۔ مثلاً :- ریڈیو تو اس کے مصارف ضروریہ میں قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس پر خمس واجب ہوگا (ان کی قیمت پر) اسی طرح ہر ناجائز خرچ پر خمس عائد ہوگا۔

مسئلہ: اگر موجودہ آمدنی بڑھانے کے لیے زمین خریدی جائے یا تجارت میں پیسہ لگا لیا جائے یا کرایہ کے وصول کرنے کے لیے مکانات یا دکانیں بنوائی جائیں یا ٹیوب ویل لگائے جائیں یا کسی صنعت و حرفت کے کارخانہ میں شمولیت کی جائے۔ یا کوئی بس ٹرک خریدا جائے۔ یا باغ لگوایا جائے وعلیٰ ہذا القیاس تو ایسی چیزوں کو مصارف ضروریہ میں نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس رقم پر خمس واجب ہوگا۔ جو اس قسم کے کاموں پر رقم خرچ کی جائے گی۔

مسئلہ: اگر خانگی و ذاتی طور پر اخراجات میں اضافہ ہو جائے۔ مثلاً پہلے ایک مکان تھا۔ لیکن اب افرادِ خانہ کی کثرت کے پیشِ نظر دوسرے مکان کی ضرورت لاحق ہوگئی۔ یا پہلے کچّا مکان تھا۔ اور اب اپنی پوزیشن کے مطابق پختہ مکان کی ضرورت ہوگئی۔ اسی طرح مہمان خانہ تعمیر کرنے کی ضرورت یا ایک نوکر ہی کی بجائے دو تین کی ضرورت یا گھوڑے کی سواری کی بجائے رفتارِ زمانہ کے پیشِ نظر کار کی ضرورت اسی طرح لیمپ کی بجائے بجلی وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوگئی تو اس قسم کے اخراجات ضروریاتِ زندگی سمجھے جائیں گے۔ اور خمس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

مسئلہ: اگر ایک شخص دیہات کا باشندہ ہے اور یہاں کی اس کی ضرورت کے مکان موجود ہیں لیکن اکثر اوقات کاروبار یا لین دین کی خاطر اس کو بڑے شہر میں جانا پڑتا ہے اور یہاں اپنے ذاتی مکان کے بغیر اسے دقت درپیش ہوتی ہے تو آمدنی سے رقم بچا کر اگر شہر میں حسبِ ضرورت مکان تعمیر کرے تو وہ خمس سے مستثنیٰ ہوگا۔

مسئلہ: اگر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک مکان موجود ہو اور خواہ مخواہ اپنی امیری شان دکھانے کے لیے دو مہر بنائے تو زائد پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر اپنی شان کے مطابق اچھا خاصہ مکان پاس موجود ہو لیکن نئے نمونہ کا مکان بنانے کا شوق دامن گیر ہو جائے تو زائد خرچ پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: گھر میں ضروریاتِ زندگی کے لیے جو سامان خرید کر رکھا ہے۔ اس میں خمس نہیں ہوگا۔ لیکن جو سامان زائد از ضرورت صرف کمروں کی زینت کے لیے ہوگا اس سب پر خمس واجب ہوگا۔ صندوقیں، برتن، بستر، چارپائیاں زیورات، غرضکہ گھریلو چھوٹے بڑے سامان پر خمس کے وجوب کا یہی دستور ہوگا۔ بس جو بھی زائد از ضرورت خرید کر کے رکھے اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہر طبقہ کی ضرورت اپنی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ اگر اپنی حیثیت کے مطابق اس کے پاس سامان اپنے متوسط

گزارہ کے لیے کافی ہے۔ جو اس کے شایانِ شان بھی ہے تو قیمتی سامان گھر میں لا رکھنا جو اونچے طبقے کے لوگوں سے مناسبت رکھتا ہو۔ مثلاً عام بستروں میں وہ زندگی بسر کر سکتا ہے اور وہ اس کے خلافِ شان بھی نہیں تو دریں صورت ریشمی لحاف بنوا کر رکھنا اس کے مصرف سے زائد ہوگا۔ لہٰذا اس پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح تمام خانگی اخراجات میں اپنی حیثیت کے ماتحت متوسط رفتار سے زائد مقدار پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: خمس صرف ایک دفعہ ہی نکالنا واجب ہے جس چیز کا ایک دفعہ خمس ادا ہو جائے اس پر دوبارہ خمس واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ: عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ خمس نکالنا چاہے وہ اپنے تمام مال و اسباب کا خمس ادا کرے۔ اور آئندہ کے لیے سالانہ بچت کا حساب لگائے۔ حالانکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ خمس نکالنے والا اپنی ضروریات کی تمام اشیا کا خود جائزہ لے لے کہ اپنی آمدنی میں سے کون کون سی چیزیں ضرورت کے ماتحت خریدی ہوئی ہیں اور کون کون سی زائد از ضرورت ہیں۔ بس زائد از ضرورت کا خمس نکال دے۔ خواہ وہ زائد از ضرورت چیز از قسم مکانات ہو یا از قسم سامان خانگی ہو۔

مسئلہ: اگر سمجھتا ہو کہ میں کئی سالوں سے زیر بار خمس ہوں لیکن صحیح مقدار معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر کے خمس گزشتہ نکال دے۔ اور کچھ زیادہ مقدار دینے کی کوشش کرے تاکہ یقینی طور پر بری الذمہ ہو سکے۔

مسئلہ: زائد از ضرورت اشیا اپنی خرید کردہ ہوں تو اپنی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ اگر باپ کے متروکات ہیں تو ان کی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ بشرطیکہ وہ ادا نہ کر گئے ہوں۔ اگر وہ مذہب شیعہ نہ رکھتے ہوں تو ان کی خرید کردہ اشیا کا خمس ان پر واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر آمدنی سے پیسہ بچا کر زمین خرید کی ہو تو اس کا خمس خود ادا کرے گا۔ اور اگر باپ کی خرید کردہ ہو اور وہ خمس نہ ادا کر گئے ہوں تو اس کا خمس اس کی طرف سے یہ ادا کرے گا۔ لیکن وہ اگر شیعہ نہ ہوں تو اس پر ان کا خمس عائد نہ ہوگا۔

مسئلہ: خانگی حیوانات کے متعلق بھی یہی دستور ہے کہ جن کے بغیر گزارا اپنی متوسط حیثیت کے ماتحت نہیں ہو سکتا ان پر خمس نہ ہوگا۔ لیکن جن کو زائد از ضرورت گھر میں رکھا ہوا ہے ان پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: گھر میں اگر ایک دودھ دینے والی گائے یا بھینس یا بکری مثلاً کافی ہوتی ہے لیکن بیک وقت دو گائے رکھے ایک دودھ دینے والی اور دوسری خشک تاکہ جب دودھ والی کی دودھ کی مدت ختم ہو تو دوسری دودھ دینے کے قابل ہو جائے تو اس صورت میں وہ خشک گائے زائد از ضرورت نہ ہو گی۔ بس اس پر خمس واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دو گائے کی ضرورت ہو لیکن حسب سابق دو دودھ والی اور دو خشک رکھے تو وہ چار گائیں خمس سے مستثنیٰ

ہوں گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ: گائے، بھینس، بکری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سال کے بعد ان پر خمس واجب ہے لیکن مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکی۔ غالباً ان بچوں کو زائد از ضرورت یا بچت تصور کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بچے عام مال دار لوگوں کے نزدیک آمدنی شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت کو جب بھی وہ فروخت ہوں آمدنی میں شمار کیا جائے گا۔ اور پھر خمس کا تعلق حسب قاعدہ ہوگا۔ اور تمام حیوانات کے بچوں کی یہی صورت ہے۔

مسئلہ: اگر دو یا چار بیل ہل جوتنے یا کنواں چلانے یا دیگر ضروریات کے پیشِ نظر رکھے جائیں۔ تو ان پر خمس نہیں ہوگا۔ لیکن اگر زائد از ضرورت صرف مال بڑھانے کے لیے خرید کر لیے جائیں۔ یا یہ کہ ان کو موٹا کر کے بیچ جاتے گا۔ تو اصل زر خرید پر خمس ہوگا۔ اور زائد منفعت آمدنی میں شمار ہوگی۔ اونٹ، گھوڑا، گدھا اور خچر وغیرہ پر خمس کا وجوب اسی طریقہ پر ہوگا۔ (بہرکیف بچت مال پر خمس کا وجوب ہوگا)

مسئلہ: زمینوں میں زائد از ضرورت درخت ذریعہ آمدنی ہوا کرتے ہیں۔ ان کی فروخت زر آمد نی شمار ہوگی اور پھر حسب قاعدہ اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح درختوں کے پودے جات جو بطور ذخیرہ لگوائے جائیں۔ ان کو بچت نہیں کہا جا سکتا، بلکہ ذریعہ آمدنی ہوتے ہیں۔

مسئلہ: ہر قسم کی آمدنی میں سے اخراجات ضروریہ متوسط طور پر حسب حیثیت نکال لینے کے بعد خمس واجب ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ: عورت کو جو چیز حق مہر میں حاصل ہو یا اپنے میکے کی طرف سے بطور عطیہ کے پہنچے اس پر خمس واجب نہ ہوگا۔ لیکن اس کی منفعت پر خمس واجب ہوگا۔ اور عورت کے مصارف چونکہ مرد کے ذمہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا عورت کی تمام منفعت پر خمس ہوگا۔

مسئلہ: اگر مرد کی آمدنی خانگی اخراجات کی کفالت کے لیے ناکافی ہو۔ تو عورت کے منافع سے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عورت رضامند ہو۔ لہٰذا مصرف سے جو کچھ زائد ہوگا اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: عورت کی گھریلو صنعت اگر مرد کی امداد کے لیے خانگی اخراجات کے پورا کرنے کیلئے ہو تو اس پر خمس نہ ہوگا۔ اور زائد پر خمس ہوگا۔

مسئلہ: عورت کو اگر جائیداد وغیرہ وراثت میں پہنچے تو اس کی پوری آمدنی پر خمس واجب ہوگا اگر مرد کی آمدنی ضروریاتِ خانگی کی کفیل ہو سکتی ہو ورنہ بچت پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت اپنی کفیل خود ہو تو خمس بچت اور زائد از ضرورت اشیا پر ہوگا۔

مسئلہ: عورت کو جو چیزیں جہیز میں دی جاتی ہیں خواہ از قسم پارچات و زیورات ہوں یا دیگر اشیا ہوں اگرچہ زائد از ضرورت ہوں ان پر خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح مرد کو بموقعہ شادی دی جانے والی چیزوں پر بھی خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: جو کپڑے گھر میں صرف عید و شادی کی تقریبات کے لیے مخصوص طور پر بنتے جاتے ہیں۔ وہ بھی ظاہراً داخلِ مصرف ہیں لہٰذا ان پر بھی خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: لوگ گھروں میں لڑکیوں کے لیے جو رفتہ رفتہ جہیز تیار کرتے ہیں اس تمام پر خمس واجب ہوگا صرف وہ سامان خمس سے مستثنیٰ ہوگا جو شادی کے موقعہ پر حسبِ حیثیت متوسط طریقے سے لڑکی کو دیا جائے۔

مسئلہ: اگر رہائشی مکان کے لیے تھوڑا تھوڑا سامان چند سالوں میں پورا کرے جب کہ اکٹھا خرید کرنے کی استطاعت نہ ہو اور مکان کی ضرورت مذہبی ہو تو دریں صورت اس کے علی الترتیب حسبِ حیثیت خرید کردہ سامان پر خمس واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ: ضروریاتِ زندگی حسبِ حیثیت مصارف میں داخل ہیں۔ بنابریں مستحبات و مباحات کے لیے تھوڑی تھوڑی بچت پر خمس واجب ہوگا۔ پس اگر زیارت کے قصد سے تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کرتا رہے تو سابقہ آمدنی کی جملہ بچتوں پر خمس واجب ہوگا۔ سوائے اس بچت کے جس کے بعد وہ فوراً عازمِ سفرِ زیارت ہو جائے۔

مسئلہ: اپنے مصارف کے علاوہ جو مال نقد یا غیر نقد کسی کے پاس امانت رکھے خواہ کسی فرد کے پاس رکھے یا بنک میں رکھے دونوں صورتوں میں اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: بنک سے جو منافع حاصل ہوں گے اصل زر کے علاوہ ان پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: وراثت، عطیّہ، ہبہ، ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس واجب نہیں ہوا کرتا۔

مسئلہ: ہبہ، ہدیہ وغیرہ سے اگر خانگی ضروری اخراجات پورے ہو جائیں تو پھر باقی آمدنی سے مقدار اخراجات نہ نکالی جائے گی۔ بلکہ سب پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر ان سے نصف یا چوتھائی وغیرہ مصارف کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو باقی آمدنی سے اس کے علاوہ صرف باقی ماندہ مصارف نکال کر خمس نکالا جائے گا۔

بس قاعدہ یہ ہے کہ جس مال پر خمس واجب نہیں یا واجب تھا اور اس سے خمس ادا کیا جا چکا ہے تو مصارف ضروریہ کی جو مقدار اس سے پوری ہوگی۔ وہ واجب الخمس مال سے محسوب نہ ہوگی۔

مسئلہ: غیر مخمس رقم سے خرید کردہ ہر چیز سے خمس ادا کرنا واجب ہوگا۔ خواہ زائد از ضرورت ہو یا نہ ہو۔

خمس میں سال کی قید

روایات کا جہاں تک تعلق ہے کسی روایت میں یہ نہیں کہ سال کے اخراجات نکالے جائیں۔ یا چھ ماہ کے یا ایک ماہ دو ماہ کے بلکہ صرف یہ ہے کہ بعد مؤنت کے خمس ادا کرے اور مؤنت

مراد ہے ۔ اپنے حسب حیثیت اور موافقِ شان ضروریاتِ زندگی کا متوسط طریقہ سے پورا کرنا ۔ اور چونکہ عرفِ عام میں کسی شخص کی گزران کی خوش حالی یا بدحالی کو سال کی طرف نسبت دی جاتی ہے ۔ مثلاً فلاں شخص کا سال اچھا گزر جاتا ہے ۔ یا فلاں کا سال تکلیف سے گزرتا ہے ۔ فلاں کا کاروبار اس کی سالانہ گزر اوقات کے لیے کافی ہے ۔ اور فلاں کا کافی نہیں ہے ۔ اسی بنا پر علمائے کرام نے احادیث سے مؤنت کی لفظ کو سالانہ خانگی و ضروری اخراجات پر محمول کیا ہے ۔ لیکن وجوب خمس کے لیے سال کے گزرنے کی کوئی پابندی نہیں ۔ بلکہ اس صورت میں بھی آمدنی سے سالانہ اخراجات کو علیحدہ کرنے کے بعد خمس ادا کیا جاسکتا ہے جیساکہ ابتدا ءِ بیان میں امام علی نقی علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہو چکی ہے کہ ایک شخص کو سو کر آمدنی ہوئی جس میں سے چالیس کر آبادئ زمین اور زکوٰۃ میں چلے گئے ۔ اور ۶۰ کر باقی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اخراجات نکال کر باقی سے خمس ادا کرے ۔

غالباً عرف میں سال کی قید اس لیے ہے کہ پہلے زمانہ میں زمینوں کی آبادی کے ذرائع بالکل محدود تھے اور آباد زمینیں بھی زیادہ تر بارش یا سیلاب سے فصل دیا کرتی تھیں ۔ اور سال میں صرف ایک دفعہ ہی ان سے فصل کی برداشت کی جاسکتی تھی ۔ اور پھر سال تک اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمد زمیندار طبقہ کے پاس نہ تھا ۔ پس عرف نے آمد و خرچ کی حد بندی سال سے کردی کہ فلاں کی آمدنی سال بھر کے لیے کافی ہے اور فلاں کی ناکافی ہے ۔

اور چونکہ انسانی معیشت و بود و باش کی اصل زمین ہی ہے ۔ لہٰذا زمیندارہ آمد و خرچ کی تحدید کو اصل قرار دیا گیا ۔ اور باقی صنعت و حرفت و تجارت و ملازمت و مزدوری وغیرہ جملہ ذرائع آمدنی کو اسی کا تابع قرار دے کر مقولۂ عرفی کو ملحوظ رکھا گیا کہ فلاں کا کاروبار مثلاً اس کی سالانہ گذران کے لیے کافی ہے یا ناکافی ہے ۔

پس یہ عرف عام کی حد بندی تحدید مؤنت میں حکم شرعی کی حیثیت نہیں رکھتی اور خصوصاً آج کل جبکہ زمینوں کی آبادکاری اور آمدنی کے بڑھانے کے اسباب و ذرائع میں کافی سہولتیں بہم پہنچائی جاچکی ہے ۔ اور انسان بھی دورِ سابق کے انسانوں سے بہت آگے نکل چکا ہے ۔ نہروں کے جال بچھ چکے ہیں ۔ ٹیوب ویل عام سے عام تر ہوتے جارہے ہیں ۔ زمینیں سونا اگل رہی ہیں ۔ ایک ایک سال میں محنت کرنے والے کئی کئی فصلیں برداشت کر رہے ہیں ۔ اور پھر صنعت کاری حد سے زیادہ فروغ حاصل کرچکی ہے اور ابھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کے منازل میں ہے ۔ پیسہ کمانے کے ذرائع میں کافی وسعت آچکی ہے ۔ بنابریں رفتہ رفتہ وہ سابق مقولہ عرفی مدھم پڑ رہا ہے ۔ اور یہ آواز بہت کم سنائی

دیتی ہے کہ فلاں کا سال اچھا گزرتا ہے، بلکہ اب تو جس سے پوچھا جائے کہ گزران کیسی ہے تو جواب عمومی یہی ہے کہ وقت اچھا گزرتا ہے۔ گویا مقولہ مشہورہ میں سال کی جگہ وقت نے لے لی ہے۔

مزدور جو کام سالوں میں کرتے تھے آج مشینری کے ذریعے سے وہ کام گھنٹوں میں انجام پا رہے ہیں۔ بنا بریں جو رقم ایک مزدور یا صنعت کار سالوں میں وصول کر سکتا تھا آج وہ گھنٹوں کی آمدنی شمار ہوتی ہے۔ پس آمد و خرچ میں سال کی تحدید نہ روایات میں ہے اور نہ آج کل کے عرف میں ہے اور چونکہ شریعت غرا کی بقا قیامت تک کے لیے ہے لہذا معصومین علیہم السلام نے بلا تحدید سال یا مہینہ کلی طور پر ارشاد فرمایا کہ آمدنی سے اخراجات ضروریہ نکال لینے کے بعد خمس واجب ہے پس ہر زمانے کے عرف کے ماتحت اس کا اندازہ صحیح ہو سکتا ہے

مسئلہ: جن بارانی ملکوں میں زمین کی آبادی کا دار و مدار موسم مناسب کی بارشوں پر ہوتا ہے وہاں بعض اوقات چند سال متواتر زمینیں فصل دیتی ہیں۔ اور بعض اوقات ایک سال فصل دینے کے بعد دو دو سال تین تین سال بھی فصل نہیں ہوتے تو ایسے مقامات پر سال کی تحدید بالکل بے معنی ہے۔ پس وہاں مؤنت اور اخراجات ضروریہ کی تحدید ایک آمدنی سے دوسری آمدنی تک ہو گی۔ خواہ دوسری آمدنی دوسرے سال ہو۔ یا تیسرے چوتھے سال ہو۔

مسئلہ: اگر ایک شخص زمینداری بھی کرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے تو اگر زمینداری اس کے ضروری اخراجات کا کفیل ہو سکتا ہے تو کاروبار کی جملہ آمدنی سے اس پر خمس واجب ہو گا۔ اور اگر کاروبار کی آمدنی سے اس کے اخراجات پورے ہو سکتے ہوں تو زمینداری کی تمام آمدنی پر خمس واجب ہو گا۔ لیکن اگر دونوں آمدنیاں تنہا تنہا کافی نہ ہوں تو ان دونوں سے اخراجات نکال کر مشترکہ بچت سے خمس واجب ہو گا۔

مسئلہ: اگر ایک شخص کے ذرائع آمد متعدد ہوں۔ مثلاً زمیندار بھی ہو، ملازم بھی ہو، تاجر بھی ہو تو اگر ایک ذریعہ آمدنی اس کے اخراجات کا کفیل ہے تو باقی تمام آمدنیوں سے خمس اس پر واجب ہو گا۔ اسی طرح اگر زمیندار کے پاس فصلات متعدد ہوں تو اگر ایک فصل اس کے اخراجات ضروریہ کا کفیل ہو سکتا ہے تو باقی تمام فصلات سے خمس اس پر واجب ہو گا۔

maablib.org

مسئلہ: چونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ آمدنی یا مصرف کے لیے سال بھر کی کوئی قید نہیں ہے لہذا اگر ایک شخص کی آمدنی سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے تو اس کو اس آمدنی سے سال بھر کے اخراجات نکال کر خمس دینا ہو گا۔ اگر آمدنی چھٹے مہینے ہو تو ایک آمدنی سے چھ ماہ کا خرچ نکالنے کے بعد خمس ہو گا۔ اگر آمدنی ماہ بماہ ہو تو ہر آمدنی سے ماہواری خرچ نکال کر خمس دے گا۔ اور اگر آمدنی ہفتہ وار یا یومیہ ہو تو ہفتہ یا دن کے مصارف کے بعد خمس ادا کرے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص پر قرضہ واجب الادا ہے تو آمدنی سے مصارف ضروریہ کے علاوہ قرضہ کی مقدار نکال کر

اگر بچے تو خمس واجب ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

مسئلہ: اولاد کی شادی کا جائز خرچ وزیارات کے اخراجات اسی طرح ختنہ قربانی وعقیقہ وعزاداری کے جائز اخراجات وغیرہ سب مؤنت میں داخل ہیں لہٰذا آمدنی سے ان کو نکال کر باقی کا خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: مؤنت کی کوئی تحدید نہیں بلکہ اپنا اپنی زوجہ کا بال بچوں کا اور غلاموں کنیزوں کا کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کا اپنی حیثیت کے مطابق متوسط خرچ اسی طرح شادی کا خرچ اثاثہ بیت اور کتب دینیہ اور حسبِ ضرورت حیوانات کے اخراجات اور مہمان نوازی کے مصارف یا ہبہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، صدقہ دینا، نذر و نیاز دینا یا کوئی دیگر خیراتی کام کرنا، نیز حج وزیارت کو جانا بلکہ حسبِ ضرورت کچھ ظالم کو دفع ظلم کے لیے دینا وغیرہ یہ تمام اخراجات مؤنت میں داخل ہیں جن کے ساتھ دینی و دنیاوی جائز اغراض وابستہ ہوں

مسئلہ: اگر حج کے لیے پیسہ جمع کرے جو اس کی مؤنت سے زائد ہو لیکن قرعہ اندازی میں اس کا نام نہ نکلے یا ویسے کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ تو اس پیسے پر خمس واجب ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال اگر اخراجات کے لیے رقم پوری ہوگی تو حج کو جائے گا۔ ورنہ استطاعت کی انتظار کرے گا۔

مسئلہ: غیر مخمس پیسہ کا حج و زیارت پر صرف کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: غیر مخمس پیسہ سے اگر لباس بنایا جائے گا۔ تو اس میں نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں پانچواں حصّہ صاحبِ خمس کا ہے۔ جس کا یہ غاصب ہے۔

مسئلہ: غیر مخمس مال سے خیرات وصدقات دینا باعثِ ثواب تو درکنار ناجائز ہے۔ نیز عزاداری سید الشہداء میں بھی اس کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: جو لوگ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ہاں کھانا جب کہ معلوم ہو کہ اسی عین کے ساتھ بھی خمس متعلق ہے ناجائز ہے۔ اور اگر کھالے تو اسی مقدار کا خمس کھانے والے پر واجب ہوگا۔ لیکن اس مقدار کے خمس سے میزبان کا بری الذمہ ہونا بھی مشکل ہے۔

مسئلہ: جن لوگوں کے متعلق معلوم ہو کہ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ جائز ہے لیکن اگر ایسی شئے خرید کرے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے عین سے خمس متعلق ہے تو اس پر اس کا خمس واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مقدار خمس درحقیقت اس کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ مقدار بائع کے پاس غصبی تھی اور بائع کا ذمہ بھی بری ہوگا کیونکہ پانچویں حصّے کی قیمت اس نے غیر کے مال کی قیمت وصول کی ہے۔

مسئلہ: غیر شیعہ حضرات جو خمس کے قائل ہی نہیں ان سے خرید و فروخت کے معاملات جائز ہیں۔

مسئلہ: جن شیعہ حضرات کے متعلق خمس کے ادا کرنے یا نہ کرنے کا علم نہ ہو ان کے ہاں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں اور کسی کے متعلق یہ تحقیق کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ حسن ظن پر محمول کرنا چاہیئے۔

موارد خمس

خمس کل سات قسموں سے واجب ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) غنائم دارالحرب: آیہ مجیدہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں غنیمت کا یہ فرد تمام مسلمانوں میں مسلم طور پر مورد خمس ہے۔ یعنی کفار و مشرکین سے اسلامی لشکر جہاد کرکے جو مال حاصل کرے خواہ نقدی ہو یا دیگر سامان یا جائیداد منقول و غیر منقول ہو سب پر خمس واجب ہے۔

مسئلہ: غنیمت کے جمع کرنے اور اسی طرح نقل و حمل و حفاظت وغیرہ پر جو خرچ ہوگا وہ مجموعہ سے نکال کر بعد میں خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: غنیمت میں سے بعض اشیاء جن کو احادیث میں بعض مخصوص اشخاص کی ملکیت کہا گیا ہے۔ وہ خمس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مثلاً سامان شاہی یا مختصاتِ سلطان صرف امام کے لیے ہوں گی۔ اسی طرح مقتول سے چھینی ہوئی اشیائے صرف قاتل کی ہوں گی۔ اور اسی طرح جنگ چھڑنے سے قبل امام جو انعام مخصوص کسی خاص شخص کے لیے معین کریگا۔ وہ غنیمت سے نکال کر اس کو دیا جائے گا پھر خمس نکالا جائیگا

مسئلہ: کافر حربی کا جو مال بھی کسی طریقہ سے مسلمان کے ہاتھ میں آجائے۔ اس پر خمس واجب ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیلات کو ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ محل ابتلا نہیں ہے۔

(۲) معدن (کان) ظرفِ مکان کا صیغہ ہے۔ جوہری سے منقول ہے عل نت البلد (میں نے شہر میں قیام کیا) عل نت الابل بمکان کذا۔ اونٹ فلاں مکان پر بیٹھے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ۔ ٹھیرنے کے باغات۔ پس اس لحاظ سے معدن کا معنی ہے قرار گاہ ــــ معدن ذہب یعنی سونے کی قرار گاہ ــــ معدن ملح یعنی نمک کی قرار گاہ وعلیٰ ھٰذا القیاس ــــ لیکن بعض اوقات محل کی بجائے حال کو معدن کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً:- سونا، چاندی نمک وغیرہ کو بھی معدن کہ دیتے ہیں۔

معدنیات پر خمس کا وجوب۔ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے عموم سے بھی ثابت ہے جب کہ اس کا معنی مطلق استفادہ کیا جائے۔ اور احادیث صریحہ بھی اس پر بکثرت دال ہیں۔ چنانچہ بروایت کافی صحیح محمد بن مسلم میں ہے۔ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے معدنیات سونا، چاندی، پیتل لوہا اور سکہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ان سب پر خمس واجب ہے۔ اور صحیح حلبی میں ہے۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خزانہ میں کس قدر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ خمس ہے۔ پھر میں نے

معدن کے متعلق پوچھا تو فرمایا خمس واجب ہے اور سکہ، پیتل، لوہا اور جملہ معدنیات کے متعلق پوچھا تو فرمایا ان میں سے بھی اتنی مقدار واجب ہے جو سونے اور چاندی میں واجب ہے۔ نیز صحیح محمد بن مسلم میں ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے جو نمکین زمین کے متعلق پوچھا کہ جس میں پانی اکٹھا ہو جاتے اور پھر نمک بن جائے تو آپ نے فرمایا یہ معدن ہے۔ اس میں خمس واجب ہے۔ پھر میں نے گندھک اور مٹی کے تیل کے متعلق پوچھا تو فرمایا یہ اور اس قسم کی جملہ اشیا پر خمس واجب ہے۔ بہر کیف اس بارے میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ لہٰذا معدنیات میں وجوب خمس کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہے۔ پس کان سے برآمد شدہ اشیاء سونا، چاندی، سکہ، پیتل، لوہا، نمک، یاقوت، زبرجد، سُرما، عقیق، فیروزہ، ہڑتال، تارکول، مٹی کا تیل، پٹرول اور گندھک وغیرہ اس قسم کی تمام چیزوں پر خمس واجب ہوگا۔ پس ان اشیا کے حاصل کرنے کے اخراجات کرنے کے اخراجات خمس سے پہلے نکال لیے جائیں گے۔ اور بعد میں اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار ہوگا تو خمس واجب ورنہ کم پر واجب نہ ہوگا۔ چنانچہ بروایت تہذیب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ کیا معدنیات تھوڑے سے یا بہت سب پر خمس واجب ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کچھ واجب نہ ہوگا۔ جب تک کہ نصاب زکوٰۃ کی مقدار یعنی بیس دینار کی قیمت کو نہ پہنچ جائے۔

مسئلہ: اگر معدنیات نصاب سے کم حاصل ہوں تو وہ ارباح مکاسب میں یعنی مطلق آمدنی میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا اخراجات ضروریہ سے بچت کے بعد ان پر خمس واجب ہوگا۔

(۳) خزانہ یعنی ہر وہ مال جو زمین کے نیچے بطور ذخیرہ کے دفن کیا گیا ہو۔ عموم آیۃ **اَنَّمَا غَنِمْتُمْ** کے علاوہ احادیث اس سے وجوب خمس پر دلالت کرتی ہیں۔

مسئلہ: خزانہ کا نصاب بھی وہی ہے جو معدن کا ہے یعنی اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو خمس واجب ہے۔ پس اگر خزانہ میں چاندی ہے تو چاندی کا نصاب دو سو درہم ملحوظ ہوگا۔ اور اگر سونا ہے تو سونے کا نصاب بیس دینار ملحوظ ہوگا۔ لیکن اگر ان دونوں کے ماسوا ہو تو نقدین میں سے ایک نصاب کی قیمت نصاب ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ دار الحرب یعنی کفار کے علاقہ سے دستیاب ہو تو جس کو ملے اس کا ہوگا۔ اور اس پر خمس کا اخراج واجب ہوگا۔ لیکن اگر دار الاسلام سے ملے اور کسی مسلمان کی ملکیت معلوم ہو جائے تو اس کو یا اس کے ورثا کو رد کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر زمین مباح میں سے ملے اور اس پر کوئی نشان موجود نہ ہو تو جس کو ملے گا اسی کا ہوگا۔ لیکن خمس کی ادائیگی واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ اپنی زمین سے دستیاب ہو تو جس سے زمین خریدی تھی ان سے دریافت کرے اگر ان کا نہ ہو تو جس سے انھوں نے خریدی تھی ان سے پوچھا جائے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس اگر مالک مل جائے تو ان کو دیدے

ورنہ خمس کی ادائیگی کے بعد اس پر حلال ہوگا۔

مسئلہ: اگر انسان کوئی حیوان وغیرہ خرید کرے اور اس کے اندر سے کوئی قیمتی چیز نکل آئے تو بیچنے والے سے دریافت کرے اگر کسی کی ملکیت معلوم ہو جائے تو اس کو لوٹا دے۔ ورنہ خمس کے بعد اس پر حلال ہوگی۔ اور اگر مچھلی کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئے تو بیچنے والے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خمس کے بعد اس کے اوپر حلال ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو اس کا شمار عام آمدنیوں میں ہوگا۔ اور ارباح مکاسب کی شرائط کے ماتحت اخراجات کے بعد اس پر خمس واجب ہوگا۔

(۴) غوص: یعنی دریا، سمندر میں غوطہ لگانے سے جو قیمتی چیز موتی وغیرہ نکالے۔ اخراجات غوص کے بعد اگر اس کی قیمت ایک دینار تک پہنچ جائے تو اس میں خمس واجب ہوگا۔ اور اگر دینار سے کم ہو تو ارباح مکاسب میں داخل ہوگا۔

مسئلہ: عنبر پر بھی خمس واجب ہے پس اگر غوطہ سے حاصل ہو تو ایک دینار نصاب ہوگا اور اگر ساحل سے حاصل ہو تو چونکہ اس کے لیے روایت میں نصاب کا تعین نہیں لہٰذا مطلقاً اس پر خمس واجب ہوگا خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(۵) کافر ذمی: اگر مسلمان سے زمین خرید کرے تو اس پر زمین کا خمس واجب ہوگا یعنی فروخت کنندہ کو پوری زمین کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس پر خمس بھی واجب ہوگا جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ صحیحہ ابو عبیدہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو ذمی مسلمان سے کوئی زمین خرید کرے اس پر اس کا خمس واجب ہے یعنی خواہ وہ کاشت کے لیے ہو یا مکانات وغیرہ کے لیے ہو۔ اور صاحب خمس کی مرضی خواہ زمین سے پانچواں حصہ لے لے یا اس کی قیمت سے پانچواں حصہ وصول کرے۔

(۶) حلال جو حرام سے مل جائے: اس کا خمس ادا کرنا واجب ہے۔ یعنی اگر ایک شخص کے مال میں کسی دوسرے کا مال مل گیا ہو اور مالک بھی معلوم نہ ہو۔ نیز حرام کے متعلق یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس قدر ہے تو اس صورت میں اس سے خمس کی ادائیگی اس مال کو حلال کر دے گی۔

اگر غیر شخص جس کا مال اس کے مال میں مل گیا ہے معلوم ہو جائے یا اس کے ورثہ کا سراغ مل جائے تو پس اگر ان کے مال کی مقدار معلوم ہے تو وہ واپس کر دے۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو ان سے مصالحت کرلے۔ اس صورت میں خمس کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔

جس شخص کا مال اس کے مال میں مل چکا ہے اگر نہ وہ معلوم ہو اور نہ اس کے ورثہ کا پتہ ہو تو دریں صورت اگر مال کی مقدار معلوم ہو تو اسی قدر اصل مالک کی طرف سے تصدق کر دے لیکن بعد میں اگر مالک مل گیا

اور اس تصدق پر راضی ہوا تو ٹھیک ورنہ اس کو راضی کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر مال کی مقدار معلوم نہ ہو یا اس قدر معلوم ہو کہ وہ پانچویں حصّہ سے کم ہوگی یا پانچواں حصّہ ہوگی تو ان صورتوں میں خمس کا ادا کرنا کافی ہے۔ لیکن اگر جانتا ہو کہ پانچویں حصّہ سے بہرصورت مال مخلوط کی مقدار زیادہ تھی اگرچہ صحیح نسبت معلوم نہیں تو اس صورت میں پانچواں حصّہ خمس نکالے اور باقی زائد مقدار کا اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے۔

(۷) ارباح مکاسب: یعنی ذرائع کسب کے منافع جن کی تفصیل گزر چکی ہے یعنی زمینداری یا تجارت، کاشت، صنعت و حرفت، اجارہ، ملازمت اور مزدوری وغیرہ جو بھی ذرائع آمدنی ہو سکتے ہیں حسب تفصیل مذکورۂ بالا پر خمس واجب ہے۔

تقسیم خمس

موثقہ ابن بکیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیۃ مجیدہ: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ خمس میں اللہ کا حق بھی امام کے لیے ہے۔ اور رسول کا حق بھی امام کے لیے ہے اور ذوالقربیٰ سے مراد قرابتِ رسول ہے اور وہ بھی امام ہے۔ اس کے بعد یتیم و مسکین اور مسافر بھی آلِ رسول سے مراد ہیں۔

مرفوعہ احمد بن محمد میں معصوم نے فرمایا کہ خمس چھ حصّوں میں تقسیم ہوگا۔ یعنی:

(۱) ایک سہم اللہ کا
(۲) ایک سہم رسولؐ کا
(۳) ایک سہم ذوی القربیٰ کا
(۴) ایک سہم یتیموں کا
(۵) ایک سہم مسکینوں کا اور
(۶) ایک سہم مسافروں کا

پس جو سہم اللہ کا ہے اس کا حق دار رسول ہے اور جو رسول کے لیے ہے وہ ذوی القربیٰ اور حجّت زمانہ کے لیے ہے پس آدھا خمس تو حجّت زمانہ کے لیے ہے اور باقی آدھا آلِ محمد کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ جن کے لیے صدقہ، زکوٰۃ حلال نہیں ان کو خدا نے ان کے بدلے میں خمس دیا ہے۔ پس خود امام ہی ان کو بقدر کفایت عطا کرے گا۔ اگر ان سے بچ جائے گا تو وہ امام کا ہوگا اور اگر کم ہوگا تو امام اپنی گرہ سے اس کو پورا کرے گا۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

خمس ارباح مکاسب کی اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے اور بعضوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہے۔ اور بعض مقامات پر امام کا اپنے شیعوں کو مقتضائے حالاتِ زمانہ کے پیش نظر

معاف کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہی تھا ورنہ وہ تنہا معاف کیوں کرتے۔ علمائے اعلام نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ امام ولی امر ہے۔ اس لیے روایات میں خمس کی نسبت ان کی طرف ہے اور اس اعتبار سے وہ معاف بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ باقی مستحقین خمس کی کمی کو پورا کرنے والے بھی آپ ہیں۔

بہرکیف مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ خمس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک حصّہ صرف امام کے لیے اور دوسرا حصّہ سادات کے لیے۔ کیونکہ اگر امام زمانہ ظاہر ہوتے تب بھی نصف حصّہ بلکہ بعض اوقات نصف سے زیادہ بھی سادات مستحقین پر تقسیم فرماتے اور یہاں سادات سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب حضرت عبدالمطلب تک پہنچے۔ اور اس زمانہ میں چونکہ سادات علویین کے علاوہ کسی کے متعلق صحیح یقین پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا نسب حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہے اس لیے خمس سادات علویین تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے شجرہ نسب کی نقل میں ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہا ہے پس ہر وہ شخص جو اپنے مقام پر سیّد کہلاتا ہو اور اس کا کذب معلوم نہ ہو اور علاقہ بھر میں ان کا خاندان سیّد ہی مشہور ہو تو اس کو خمس دیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ دور حاضر میں جھوٹے مدعی سیادت بھی بکثرت پیدا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی غیر معروف آدمی اپنے تئیں سیّد کہلائے اور خمس کی خواہش کرے تو دینے والے کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے ورنہ اگر وہ جھوٹا ثابت ہو گیا تو خمس دوبارہ دینا ہی لازم ہو گا۔

مسئلہ: تقسیم خمس میں تمام دنیا کے سادات کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے بعض مستحقین تک پہنچا دینا کافی ہے اور نصف حصّہ مال سادات کو تین حصّوں پر تقسیم کر کے ایک حصّہ یتیموں کا اور ایک حصّہ مسکینوں کا اور ایک حصّہ مسافروں کا مقرر کرنا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ مال سادات کو خواہ سادات یتیموں پر تقسیم کرے خواہ مسکینوں پر تقسیم کرے خواہ مسافروں پر تقسیم کرے۔ اور اگر ممکن ہو تو ہر صنف تک پہنچا دے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ وہ مستحق ہو۔ یعنی وہ اپنے اخراجات کا خود کفیل نہ ہو سکتا ہو اور اگر مسافر ہے تو ادائے خمس کے موقع پر وہ صاحب احتیاج ہو۔

مسئلہ: عام گداگر لوگ جو چل پھر کر بھیک مانگتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہم سیّد ہیں جب تک ان کے سیّد ہونے کی پوری تصدیق نہ ہو جائے۔ ان کو خمس نہیں دیا جا سکتا اور سیّد ہونے کے علاوہ اس کا مستحق ہونا بھی معلوم کرے۔

مسئلہ: اچھے خاصے لوگ جو گداگری کا پیشہ بنا لیں ان کو سائل کی حیثیت سے کچھ دے دینا چاہیئے، لیکن خمس سے صرف اس سیّد کو امداد کی جائے جو بغیر مجبوری کے دست سوال دراز نہ کرتا ہو (یعنی اس کا مستحق

خمس ہونا معلوم ہو)

مسئلہ: مستحق خمس میں اوصافِ حسنہ و خصالِ حمیدہ کا خیال بھی رکھنا چاہیئے۔ نمازی روزہ دار اور خوفِ خدا رکھنے والا اور شریعت کا پابند ہو۔ پس جو شخص اعلانیہ شریعت سے باغی اور حدودِ اسلامی کے توڑنے والا ہو ایسے شخص کو خمس دینے سے گریز کیا جائے۔ کیونکہ ایسوں کو خمس دینا دشمنیِ دین میں اس کی ہمت افزائی کے مترادف ہے۔ لہٰذا وہ سادات طلبہ جو علوم دینیہ میں اپنی عمرِ عزیز خرچ کرتے ہیں خمس سادات سے ان کی امداد کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

مسئلہ: مستحق خمس میں شرطِ ایمان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے لہٰذا غیر شیعہ سید کو خمس نہیں دیا جا سکتا۔

مسئلہ: اگر امام ظاہر موجود ہو تو سارا خمس ان کے حوالے کر دینا ضروری ہے پس وہ جس طرح مناسب سمجھیں گے۔ تقسیم فرمائیں گے اور زمانِ رسالت سے لے کر آخر زمانِ ائمہ تک یہی دستور رہا ہے کہ خمس ادا کرنے والے نبیؐ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ اور وہ حسبِ مصلحت و ضرورت اولادِ عبدالمطلب میں تقسیم فرماتے تھے۔ اور ان کے بعد ائمہ کا دور آیا تو خمس زمانہ کے امام کو دیا جاتا رہا اور وہ حسبِ مصلحت و ضرورت تقسیم فرماتے رہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خمس ادا کرنے والوں نے نصف کو نبی یا امام تک پہنچایا ہو اور باقی نصف کو خود تقسیم کیا ہو۔ اور ائمہ نے بھی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نصف کو ہم تک پہنچا دو اور باقی نصف کو قریبی سادات تک پہنچا دو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا دور چونکہ سخت تقیہ کا زمانہ تھا تو انھوں نے شیعوں کی معذوری کے پیشِ نظر اور اپنی جانی و مالی حفاظت کی خاطر خمس کی ادائیگی سے شیعوں کو بری کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ ہم تک نہیں پہنچا سکتے تو باقی سادات کو سارا یا کم از کم آدھا دے دیا کرو۔

اسی طرح ان کے بعد جب امام رضاؑ اور امام محمد تقی اور بعد کے ائمہ علیہم السّلام نے خمس کا پرزور مطالبہ فرمایا تو یہی حکم دیا کہ ہم تک پہنچاؤ۔ حالانکہ اس زمانے میں سادات اطرافِ عالم میں پھیل چکے تھے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ نصف ہم تک پہنچایا کرو اور باقی نصف اپنے قریبی سادات کو دیدیا کرو۔ امام رضا علیہ السلام خراسان میں تھے اور اکثر سادات عراق و حجاز میں تھے۔ تاہم امام نے خمس سارے کا سارا اپنی طرف ہی طلب فرمایا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خمس سارے کا سارا امام کی خدمت میں پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اور پھر اس کی تقسیم ان کی اپنی صواب دید پر موقوف ہے۔

سہم امام علیہ السلام

مسئلہ: انفال کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مال انفال سب کا سب امام کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اور وہ گیارہ چیزیں ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) وہ زمین جس کو دشمنانِ اسلام چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔

(۲) بغیر لڑائی کے جو زمین کفار نے صلح کے طور پر اہل اسلام کے سپرد کر دی ہو۔

(۳) بنجر زمین۔

(۴) شاہی مختصات بشرطیکہ کسی مسلمان سے غصب شدہ نہ ہوں۔

(۵) غنیمت دارالحرب میں سے جو کچھ امام اپنی ذات کے لیے پسند کرے۔

(۶) بغیر اذن امام کے جو لڑنے والے غنیمت حاصل کریں۔

(۷) وہ میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(۸) پہاڑوں کی چوٹیاں۔

(۹) وادیاں۔

(۱۰) جنگلات۔

(۱۱) معدنیات۔

مسئلہ: اس مطلب پر احادیث بکثرت موجود ہیں کہ معدنیات مال انفال میں سے ہیں جیسا کہ بعض روایات انفال کے بیان میں گزر بھی چکی ہے اور بعض احادیث میں یہ مذکور ہے۔ کہ اگر کسی کو معدن مل جائے تو بعد از نصاب اس سے خمس نکالے۔ پھر باقی اس پر حلال ہو گی۔ یہ اجازت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف سے احسان ہے۔ جو صرف ان کے موالیوں پر ہے ورنہ ان کے دشمن اس سلسلہ میں ان کے حقوق کے غاصب ہیں۔

مسئلہ: خمس کا نصف حصہ اور مال انفال سارا جس کو فئے بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کو سہم امام یا مال امام کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو زمینیں کفار سے بصورت فتح کے زبردستی لی جائیں۔ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ اوّل سے آخر تک تمام مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں۔

شیعوں کے لیے اباحت

۱۔ صحیحہ عمر بن یزید، ابو سیار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں غوص پر تعینات تھا جس سے مجھے چار لاکھ درہم کی

آمدنی ہوئی پس میں اس میں سے اسّی ہزار خمس لایا ہوں اور میں نے اس کا رکھنا مناسب نہیں سمجھا کہ یہ آپ کا وہ حق ہے جس کو خدا نے ہمارے اموال میں فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ زمین اور زمین سے جو چیز برآمد ہو بس اس میں سے ہمارا صرف خمس ہے؟ اے ابوسیار! زمین سب ہماری ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے سب ہمارا ہے۔ ابوسیار کہتا ہے میں نے عرض کی تو میں سارا مال اٹھا لاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوسیار! وہ ہم نے تیرے لیے طیّب و حلال کیا ہے۔ پس اپنا مال اپنے پاس رکھ اور ہمارے شیعوں کے پاس جو کچھ زمینیں ہیں وہ ان میں بری ہیں۔ اور ان پر حلال ہیں۔ تاوقتیکہ حضرت قائم تشریف نہیں لاتے۔ اور جب وہ آئیں گے تو زمین ان کے پاس رہنے دیں گے۔ لیکن اس کا ٹیکس وصول فرمائیں گے۔ لیکن جو زمینیں غیروں کے پاس ہیں ان کا زمین سے کمانا حرام ہے حتیٰ کہ جب حضرت قائم تشریف لائیں گے تو زمینیں ان سے چھین لیں گے اور ان کو ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

۲۔ خبر یونس بن ظبیان یا معلی بن خنیس۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا زمین میں سے آپ کا کس قدر حق ہے؟ تو ہنس کر فرمایا۔ جبریل نے بحکم پروردگار زمین پر آٹھ بڑے دریا بنائے پس وہ جہاں تک سیراب کریں۔ ہمارا ہے اور جو ہمارا ہے وہ ہمارے شیعوں کا ہے اور اس میں سے ہمارے دشمن کے لیے کچھ بھی نہیں ہے مگر بطور غصب اور ہمارا موالی زمین و آسمان سے زیادہ وسعت میں ہے

۳۔ خبر حارث بن مغیرہ کہتا ہے میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں موجود تھا کہ نجیہ نے اذن چاہا۔ آپ نے اذن دیا اور وہ داخل ہوا۔ گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں اور اس سے میری غرض صرف آتشِ جہنم سے اپنی گردن کا آزاد کرنا ہے بس آپ درست بیٹھ گئے۔ اور فرمایا پوچھو۔ اے نجیہ! اور تم جو بھی پوچھو گے آج میں بتاؤں گا۔ اس نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں۔ آپ فلاں و فلاں کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو فرمایا اے نجیہ! بتحقیق خمس کتابِ خدا میں ہمارا ہے۔ انفال ہمارا ہے۔ صفوالمال یعنی شاہی مخصوص مال ہمارا ہے۔ خدا کی قسم! ان دونوں نے پہلے پہل ہم اہلِ بیت کے حق پر زیادتی کی اور پہلے پہل لوگوں کو ہماری گردنوں پر سوار کیا اور ہم اہلِ بیت پر ظلم کی وجہ سے قیامت تک کے ہمارے خون ان دونوں کی گردنوں پر ہیں اور ہم اہلِ بیت پر ظلم کی وجہ سے لوگ قیامت تک حرام میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ سن کر نجیہ نے تین مرتبہ اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا ربِّ کعبہ کی قسم! ہم لوگ تو ہلاک ہو گئے۔ پس آپ نے اپنے جسد مبارک کو تکیہ

سے الگ کر کے مبارک قبلہ رُخ پھیر لیا اور ایک دُعا پڑھی جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ البتہ آخر دعا میں اتنا ہی سُنا کہ فرما رہے تھے۔ اے اللہ! ہم نے اپنے شیعوں پر حلال کیا ہے پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے نجیہ! ملتِ ابراہیم پر سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔

اقول: ان روایات سے اور اس قسم کی دیگر روایات کثیرہ سے جہاں ایک طرف یہ استفادہ ہوتا ہے کہ وقتی مصلحت اور خوفِ دشمنانِ دین کے پیش نظر صادقین علیہما السلام نے اپنے شیعوں کو معذور سمجھتے ہوئے اپنے حقوق معاف فرما دیے تھے وہاں ساتھ ساتھ اس کا بھی کھلے لفظوں میں اعلان ہے کہ زمین کی ہر چیز پر دشمنانِ اہلِ بیت کا تصرف غاصبانہ ہے اور ان کی جانب سے بصورت لین دین جو کچھ شیعوں کی طرف وقتاً فوقتاً منتقل ہوتا ہے ہم نے ان کو معاف کر دیا ہے۔

پس مالِ انفال زمین و اس کے تابع جملہ معدنیات میں تصرف انھوں نے اپنے شیعوں کے لیے حلال و مباح کیا ہے۔ اسی طرح جو غنیمتیں وہ لوگ حاصل کرتے تھے وہ بھی چونکہ بغیر اذن امام ہونے کی حیثیت سے سب کی سب مال امام تھیں۔ ان کو بھی شیعوں پر حلال کیا ہے۔ اسی طرح کنیزوں پر تصرفات اور سلطانی جوائز وغیرہ سب اسی قبیل میں داخل ہیں۔

چنانچہ بروایت عوالی اللئالی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا۔ اے فرزند رسول! وہ چیزیں جو آپ کے ساتھ خدا نے مختص فرمائی ہیں۔ جب امام غائب پوشیدہ ہوگا تو شیعہ لوگ کیسے تصرفات کریں گے؟ فرمایا۔ ہمارا انصاف تو نہ ہوا اگر ہم ان سے مواخذہ کریں اور ہماری محبت نہ ہوئی اگر ہم ان کو گرفت کریں۔ ہم نے ان کے لیے مساکن کو مباح کیا ہے تاکہ ان کی عبادتیں درست ہوں اور ان کے نکاح مباح کیے تاکہ ان کی ولادتیں ٹھیک ہوں اور خرید و فروخت کو ان پر حلال کیا تاکہ ان کے مال پاکیزہ ہوں۔

اسی طرح حدیث فضیل میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص اپنے جگر میں ہماری محبت کی ٹھنڈک محسوس کرے اس کو پہلی نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ راوی نے پوچھا کہ پہلی نعمت سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا۔ ولادت کی پاکیزگی۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مناکح متاجر اور مساکین کو شیعوں کے لیے مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور یہ چیزیں ان کے لیے خمس سے مستثنیٰ ہیں۔

● مناکح سے مراد وہ کنیزیں جو بلا اذن امام جہاد کے ذریعہ حاصل کی جائیں وہ چونکہ ملک امام ہیں۔ اور عام لوگوں کا تصرف ان میں ناجائز ہے پس زمانِ غیبت میں شیعوں کے لیے ان کو حلال کیا گیا ہے تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ رہے۔

● متاجر سے مراد عام خرید و فروخت چونکہ لوگوں نے ائمہ کے حقوق پر زبردستی قبضہ کیا اور ان کے حقوق غصب کیے لہٰذا ان کا تصرف خمس کی عدم ادائیگی کی وجہ غاصبانہ ہے۔ پس ان سے خرید و فروخت و لین دین کی صورت میں ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کو شیعوں پر مباح قرار دیا گیا ہے۔ اور چونکہ متاجر کا استثناء عام ہے۔ لہٰذا ہر خمس نہ ادا کرنے والے سے کوئی چیز خرید کرنے والے پر وہ چیز حلال و مباح ہو گی۔

● مساکن سے مراد یہ ہے کہ چونکہ ایسی زمین کے تصرفات کا حق صرف امام کو تھا اور مالِ انفال میں داخل تھی اور وہ منتقل ہو کر شیعوں تک پہنچے یا پہاڑ وغیرہ تو وہ شیعوں کے لیے مباح کر دیے گیے۔ اور زمین سے خارج ہونے والی جملہ معدنیات بھی جو اسباب لین دین سے شیعوں کی طرف منتقل ہوتی ہیں ان پر مباح ہیں۔

زمانِ غیبت میں خمس

بعید نہیں کہ ائمہ نے جن جن مقامات پر شیعوں پر خمس کو معاف کیا ہے ان کے فرامین کا منصرف یہی تین چیزیں ہیں کیونکہ اکثر معافی کی احادیث میں یہ ذکر ساتھ موجود ہے کہ ہم نے معاف اس لیے کیا ہے تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ ہو اور وہ معافی بھی اس بنا پر کہ پُر آشوب دور میں شیعوں کا ائمہ تک پہنچنا آسان نہیں تھا کہ بالمشافہ فرداً فرداً اجازت حاصل کر لیں کیونکہ ائمہ سے اعلانیہ ملاقات تقیہ کے منافی تھی۔ اور حضرت قائم آلِ محمد کی غیبت صغریٰ کے دور میں تقیہ کی اہمیت اور زیادہ سخت تھی جس کی بنا پر آپ نے اپنے حقوق سے دست برداری کا اعلان فرمایا تھا۔ ورنہ آپ سے ایک دوسری توقیع مروی ہے۔ جس میں خمس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نقل کی جا چکی ہے۔

بہر کیف مال انفال زمانِ غیبت میں شیعوں پر معاف اور مباح ہے۔ جیسے کہ احادیث اس امر پر ناطق ہیں اور بنا بریں مناکح مساکن اور متاجر بھی حلال و مباح ہیں۔ باقی رہا ارباح مکاسب یعنی عمومی مدنیوں کا معاملہ خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو تو اس کا خمس اصل شریعت میں ثابت ہے اور اس کی معافی کا کوئی یقین نہیں جس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) زمان صادقین علیہما السلام میں لوگ خمس کا وجوب مسلّم طور پر سمجھتے تھے چنانچہ گزشتہ احادیث اس امر پر شاہد ہیں۔

(۲) ائمہ نے وجوب خمس کا کبھی انکار نہیں فرمایا بلکہ بعض اوقات مصلحتوں کے ماتحت معافی ان کی تطہیر مالی اور تزکیہ نسل کے پیش نظر تھی کیونکہ وہ زمانہ کی نزاکت کے ماتحت ادائیگی خمس سے قاصر تھے۔

(۳) حضرت امام رضا علیہ السلام اور بعد کے ائمہ کے دور کے مومنین کے سامنے صادقین علیہما السلام کی معافی والی حدیثیں موجود تھیں لیکن پھر ان کا اپنے ائمہ وقت سے معافی چاہنا اس امر کی دلیل ہے۔

کہ وہ سابقہ معافی کو وقتی مصلحت سمجھتے تھے۔ اور خمس کی ادائیگی کا وجوب ان کے نزدیک مسلم تھا۔

(۴) امام رضا علیہ السلام اور بعد کے ائمہ نے شیعوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ خمس کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کریں اور ان کی جانب سے وکلا بھی معین تھے۔

(۵) غیبت صغریٰ و کبریٰ کے زمانہ میں حضرت قائم علیہ السلام کے نواب خمس کی وصولی کیا کرتے تھے چنانچہ اس سے قبل ایک روایت میں اس امر کا اشارہ ہو چکا ہے۔

(۶) خمس کی معافی والی حدیثیں حضرت امیر علیہ السلام بلکہ جناب رسالت مآبؐ سے لے کر حضرت قائم علیہ السلام تک تمام معصومین سے مروی ہیں لیکن بایں ہمہ کسی زمانہ کے شیعوں نے اس کو معاف نہیں سمجھا۔ بلکہ ہر زمانہ کے شیعہ اپنے دور کے امام سے بطور تشفی یا بغرض گلو خلاصی پوچھتے رہے اور مناسب جوابات حاصل کرتے رہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس معافی کو معافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ معذوری سمجھتے تھے یا یہ کہ اس معافی کو صرف مالِ انفال کی حلیت و اباحت تک محدود سمجھتے تھے یا مناکح و مساکن و متاجر وغیرہ پر محمول کرتے تھے۔ پس دور اوّل سے لے کر تا دور غیبت اور دور غیبت صغریٰ سے لے کر اس زمانہ تک کے تمام شیعہ وجوب خمس پر نسلاً بعد نسلٍ قائم ہیں اور تمام مسلمانوں سے یہ مسئلہ شیعہ قوم میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اگر ان کو یقین ہوتا کہ ادائیگی خمس کا وجوب برطرف کیا گیا تو اس قسم کی مالی معافی کو کون نہیں قبول کرتا۔ لوگ تو بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں ایک پیسہ دینے سے بھی گلو خلاصی کی صورت نکل آئے۔ پس اگر معاف ہوتا تو اوّل سے لیکر آج تک یہ مسئلہ تمام شیعوں میں عام ہوتا اور مسلّمات میں سے ہوتا۔ اس میں ذرہ بھر کسی کو اختلاف کی گنجایش تک نہ مل سکتی بلکہ خمس کا نام تک کوئی نہ لیتا۔ جس طرح عام مسلمانوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کرتا۔ فروع دین میں خمس کا نام گنوا کر دور اوّل سے شیعہ بچّوں کے اذہان میں یہ امر راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں کسی وقت شک کرنے کی گنجایش نہ رہے۔

زمانِ غیبت میں خمس کا تصرّف!

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر امام تک رسائی کا امکان ہوتا تو سارا خمس ان کے حوالہ کیا جاتا اور وہ اس کو اپنی صوابدید پر خرچ فرماتے لیکن اب جبکہ وہ پردۂ غیبت میں ہے تو چونکہ امام زمانہ نصف حصہ کو سادات پر خرچ فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان کی نیابت میں نصف حصہ کو سادات یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائیگا۔ جن میں ایسے صفات موجود ہوں کہ امام علیہم السلام ان کی امداد سے خورسند ہوں۔ پس مستحقین سادات میں افضل فالافضل افراد کی تلاش ضروری ہے۔ اور سب سے بہتر اس دور میں وہ سادات ہیں جو اپنے

آبار طاہرین علیہم السلام کی شریعت کے احیاء کی خاطر علوم دینیہ میں مشغول تحصیل ہیں۔ وہ مسافروں میں سے افضل مسافر ہیں، مسکینوں میں سے افضل مسکین ہیں اور اگر یتیم ہوں تو یتامیٰ میں سے افضل یتیم ہیں۔ لہٰذا ان کو خمس سادات میں سے حصہ دینا سب سے زیادہ باعثِ ثواب اور ذریعہ خوشنودی امام ہوگا۔ باقی رہا نصف حصہ جو مخصوص امام کے ساتھ ہے تو غائب کے مال کے متعلق جو احکام موجود ہیں وہ یہاں بھی جاری کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان کا حصہ ایسے امور پر صرف کیا جائے گا جہاں امام کی رضا حتمی ہو اور دورِ حاضر میں چونکہ خوشنودی امام کے لیے نشر و اشاعت دین اور خدمت علوم شرعیہ سے بڑھ کر اور دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور حجت خدا کا مطمحِ نظر ہی ترویج دین اور اشاعتِ مذہب ہوتا ہے۔ پس دورِ حاضر میں لادینی کے ہمہ گیر اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ کے لیے جس قدر طاقت نشر و اشاعتِ دین پر صرف کی جائے کم ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ہر چہار سو شیطان کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس طرف دین و مذہب سے بغاوت عام سے عام تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پس دشمن اسلام کے مقابلے کے لیے مدارس دینیہ کی کثرت اور علوم دینیہ کی اشاعت کے مراکز کی بہتات ایک ایسا پکا مورچہ ہے جو کبھی دشمنانِ دین سے مفتوح نہیں ہو سکتا۔ پس اس زمانہ میں سہم امام علیہ السلام کا مصرف اہم مدارس دینیہ کی امداد اور علماء و طلباء کی اعانت ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ سہم امام کے مصرف کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تصرف بھی امر اہم ہے لہٰذا ہر شخص اس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی اہمیت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ پس سہم امام علیہ السلام ایسے شخص کے حوالہ کرنا ضروری ہے جو ائمہ کی طرف سے دین میں امین ہو اور جس کے متعلق یقین ہو کہ سہم امام کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بنائے گا۔ بلکہ اہم فالاہم امور پر اس کو خرچ کرنے کی کوشش کرے گا اور امام علیہ السلام کی رضامندی کا احراز اس کا مطمحِ نظر ہوگا۔

بنابریں اکثر مجتہدین عظام کا مسلک یہی ہے کہ زمانِ غیبت میں سہم امام علیہ السلام مجتہد جامع الشرائط کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور وہ اس کو اپنی صواب دید سے ایسے مقام پر خرچ کرے جہاں رضامندی امام کا یقین ہو۔ پس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچا دینے سے خمس دینے والے کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس تک خمس پہنچایا جائے وہ اعلم دوران ہو، بلکہ جس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچایا گیا اس کا ذمہ بری ہوگا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو دے جس کی تقلید کرتا ہے۔ اور نیز جس کی تقلید کر رہا ہے اس سے اذن حاصل کرنا سب بلا دلیل ہیں۔ اس بارے میں حضرت حجت علیہ السلام سے جو روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ بروایت وسائل اکمال الدین سے مروی ہے۔ اسحٰق بن یعقوب کہتا ہے

میں نے محمد بن عثمان عمری سے خواہش کی کہ سرکار کی بارگاہ میں میرا عریضہ پہنچا دے جس میں میں نے چند مشکل مسائل دریافت کیے تھے پس حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام کی جانب سے حضور کے اپنے خط شریف سے توقیع وارد ہوئی۔ جس میں یہ تھا۔ اما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیھا الی رواۃ احادیثنا فانھم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ واما محمد بن عثمان العمری فرضی اللہ عنہ وعن ابیہ فانہ ثقتی وکتابہ کتابی۔ یعنی واقع ہونے والے امور میں ہمارے احادیث کے روایت کرنے والوں کی طرف رجوع کیا کرو۔ کیونکہ وہ میری طرف سے تم لوگوں پر حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں، لیکن محمد بن عثمان عمری پس خدا اس سے اور اس کے باپ سے راضی ہو وہ میرا موثق آدمی ہے اور اس کا مکتوب میرا مکتوب ہے۔

اس روایت میں اگرچہ یہ مناقشہ کیا جاتا ہے کہ یہاں حضور نے نقل روایت وفتوی اور دیگر شرعی فیصلوں میں رواتِ حدیث کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے نہ کہ ان کے اموال میں تصرف کی بھی اجازت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فانھم حجتی علیکم کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ زمانہ غیبت کے لوگوں پر حضور نے حجت تمام کی کہ کسی معاملہ میں وہ عذر خواہی نہ کر سکیں اور مقصد یہ ہے کہ بالعموم جن جن چیزوں میں تم میری جانب رجوع کرتے ہو۔ میں نے تم پر اپنی جانب سے اپنے رواۃ حدیث کو حجت مقرر کیا ہے۔ گویا وہ مقام رجوع پر میرے قائم مقام ہیں۔ پس اس کا عموم صاف دلالت کرتا ہے کہ امام غائب کے اموال کا تصرف بھی انہی کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور رواۃ حدیث سے مراد فقہاء و مجتہدین ہیں۔ جو فرمان معصوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ پس جس طرح وہ مقام فتوے اور دیگر مسائل و معاملاتِ شرعیہ میں معصوم کے نائب ہیں۔ اسی طرح اموال امام میں بھی ان کے زمان غیبت میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیں گے اور عقلاً بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ موارد رضائے معصوم کا احراز انہی کی شان ہے۔ پس وہ وہاں خرچ کریں گے۔ جہاں خوشنودی امام حتمی ہو گی اور آج کل کے پُرفتن دور میں مال امام کا مصرف مدارس دینیہ کی امداد سے بہتر کوئی نہیں ہے پس وہ علوم دینیہ کے طلبہ کی امداد کر سکتے ہیں۔ خواہ سید ہوں یا غیر سید۔ نیز حسب ضرورت و مصلحت دیگر امور خیر میں بھی پیسہ صرف کیا جا سکتا ہے۔ مساجد و امام بارگاہوں کی تعمیر بھی کی جا سکتی ہے۔ فقراء و مساکین مومنین کی دست گیری بھی کی جا سکتی ہے۔ بہرکیف فقیہ و مجتہد اپنی صواب دید سے جہاں رضائے معصوم حتمی سمجھے گا۔ وہاں خرچ کرے گا اور اس کے تصرف پر اعتراض کرنا ایسا ہو گا۔ جیسا کہ معصوم کے تصرف پر کوئی اعتراض کرے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ میری جانب سے تم پر حجت ہیں۔

پس اس روایت کے الفاظ میں اعلم یا غیر اعلم کا کوئی فرق نہیں۔ مقلد یا غیر مقلد کا کوئی نام نہیں۔ بلکہ جو بھی جامع الشرائط فقیہ ہو وہ اس مال میں تصرف کرنے کا اہل ہے اور عقلی طور پر ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

آیتِ مجیدۂ خمس میں ذی القربیٰ کی لفظ عام ہے لیکن بمنطوق روایات اس سے مراد امام زمانہ ہے۔ پس روایاتِ متواترہ ہی مصداق آیت میں تخصیص کی موجب ہیں۔ اسی طرح والیتامیٰ والمساکین اور ابن السبیل کے مفاہیم اگرچہ عام ہیں لیکن بمنطوق روایات آل محمد کے افراد مراد ہیں۔ جن میں یہ اوصاف ہوں۔ اور حق تصرف رسول و امام کو حاصل ہے۔ جیسا کہ ان کے عمل سے واضح ہے اور وہی عموم آیت کا مخصص ہے اور زمانِ غیبت میں فقیہہ جامع الشرائط ہی نیابت کے فرائض انجام دے گا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا: لفظ اللہ پر عطف ہے یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس نصرت خداوندی پر ایمان ہے جو جنگِ بدر کے دن تم پر اتری کہ خداوند کریم نے اس دن اپنی نصرت سے حق و باطل کے درمیان ایک امتیازی نشان قائم کر دیا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار نو سو ۹۰۰ سے ایک ہزار ۱۰۰۰ کے درمیان تھے۔ نیز مسلمان نہتے تھے اور کفار کے پاس کافی اسلحہ جنگ موجود تھا۔ اور باوجود اس کے کفار کو بدترین شکست ہوئی اسی لیے اس دن کو خدا نے یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا کہ یہ دن حق و باطل کے درمیان فرق کا دن تھا۔ ۱۷ یا ۱۹ ماہ رمضان ۲ھ جمعہ کا روز تھا۔

تنبیہ!

اس میں شک نہیں کہ آیتِ مجیدہ غنائم بدر کی تقسیم کے متعلق اتری، لیکن آیۃ مجیدہ کا حکم تاقیامت باقی ہے۔ اس لیے اس کے عموم میں تمام مکاسب داخل ہیں خواہ از قسم غنائم اہلِ حرب ہوں یا فوائد اکتساب ہوں۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسبِ ضرورت بیان کی جا چکی ہے۔

MAAB 1431
maablib.org

جنگِ بدر اسی جلد میں نویں پارہ کے رکوع ۱۵، ۱۶ کی تفسیر میں جنگِ بدر کے متعلق آیات کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ	
جب کہ تم اُرلی طرف اور وہ پرلی طرف (وادی کے)	
الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ	
تھے اور قافلہ نچلی طرف تھا تم سے اور اگر تم	
لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ	
ایک دوسرے سے وعدہ کرتے تو وعدہ کا خلاف کرڈالتے لیکن	
لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ	
پوری کرنی ہے اللہ نے وہ بات جو ہونے والی ہے تاکہ جو ہلاک	
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ	
ہو تو حجت کے بعد ہو اور جو زندہ ہو تو بھی حجت کے بعد	
عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۴۲)	
ہو اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے۔	

بِالْعُدْوَةِ: عُدوہ کا معنی ہے کنارا۔ اور دنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے۔ جس کا معنی ہے نزدیک یعنی مسلمان مدینہ کی جانب جو وادی کا کنارہ تھا۔ اس پر تھے اور کفار پرلے کنارے پر تھے۔

قُصْوٰی: اقصیٰ کی مؤنث ہے جس کا معنی ہے دور اور یہ وہ تھے جو ابوسفیان کی امداد و حفاظت کے لیے بصورت لشکر مکہ سے آئے تھے جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور انہی کو نفیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالرَّكْبُ: اس کا معنی قافلہ ہے اور یہ ابوسفیان کا قافلہ تھا۔ جو مال تجارت کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا اور اس کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسفل سے مراد نیچے کی طرف کیونکہ وہ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ: مسلمان قافلۂ ابوسفیان کے تعاقب کے خیال سے نکلے تھے۔ اور حضور نے مسلمانوں کو وعدۂ پروردگار سے آگاہ فرمایا تھا۔ کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک پر تمہارا غلبہ ہوگا یا عیر یا نفیر یعنی ان دو میں سے ہمارا جس کے ساتھ بھی مقابلہ ہوگا۔ ہمارے مقابلہ میں وہی مفتوح و مغلوب ہوگا۔ پس ظاہری سہولت و فائدہ کے پیشِ نظر

مسلمان عیر کو چاہتے تھے اور حقیقی کامیابی اور دائمی فائدے کے لیے حضور نفیر کے خواہش مند تھے - اور مصلحت خداوندی بھی یہی تھی تاکہ قریش مکہ پر رعب قائم ہو جائے اور مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا ورنہ پہلے سے بہانے بنا لیتے اور مدینہ سے روانگی میں پس و پیش کرتے جس کی خدا خبر دے رہا ہے کہ اگر تم پہلے ایک دوسرے سے یہ وعدہ کرتے کہ نفیر سے لڑنا ہے - یعنی قریش مکہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے تو تم میں اختلاف پڑ جاتا اور مرعوب ہو کر رہ جاتے -

اِذۡ یُرِیۡکَھُمُ اللّٰہُ : یعنی عالم خواب میں حضور کو ان کی تعداد تھوڑی دکھلائی گئی تاکہ مومنین کے سامنے بیان کریں تو وہ گھبرا نہ جائیں - اسی بنا پر ارشاد فرمایا کہ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھلائی ہوتی تو تم لوگ گھبرا جاتے - اور آپس میں جھگڑا کرتے -

تفسیر "مجمع البیان" میں خواب کی چار قسمیں لکھیں ہیں :-

۱- وہ خواب جو اللہ کی جانب سے ہو یہ خواب سچا ہوتا ہے اور اس کی تاویل کی ضرورت ہوا کرتی ہے -

اِذۡ یُرِیۡکَھُمُ اللّٰہُ فِیۡ مَنَامِکَ قَلِیۡلًا ؕ وَ لَوۡ

جب کہ دکھائے تم کو اللہ نے خواب میں تھوڑے اور اگر

اَرٰىکَھُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَ لَتَنَازَعۡتُمۡ

دکھاتا وہ تم کو بہت تو تم کمزور پڑ جاتے اور جھگڑا کرتے

فِی الۡاَمۡرِ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ

بات میں لیکن اللہ نے بچایا تحقیق وہ جاننے

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾ وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡھُمۡ

والا ہے دلوں کی باتوں کا اور جب دکھایا ان کو

اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُکُمۡ

جب تمہاری ملاقات ہوئی تمہاری نظروں میں تھوڑا اور

فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ

تم کو تھوڑا دکھایا ان کی نظروں میں تاکہ پوری کرے اللہ

۲- وسوسۂ شیطانی کا خواب -

۳- مزاج انسانی میں اخلاط کے ایک دوسرے پر غلبہ کی وجہ سے خواب -

۴- تسلط فکر کی وجہ سے خواب -

آخری تینوں قسموں کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور پہلی قسم کا خواب الہام ہوا کرتا ہے۔ اور سرور کائنات کا یہ خواب بطور خوش خبری کے تھا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ: یعنی خداوند کریم نے خواب میں ان کی تعداد کم دکھا کر مومنوں کو بزدلی اور باہمی خلفشار سے بچا لیا۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ: جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے تو خداوند کریم نے کفار قریش کا لشکر مومنوں کی نظروں میں تھوڑا دکھایا۔ چنانچہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ ستر ہوں گے تو اس نے جواب دیا نہیں بلکہ ایک سو کے لگ بھگ ہوں گے۔

وَيُقَلِّلُكُمْ: جس طرح مسلمانوں کو کافر تھوڑے دکھائی دیتے تھے اسی طرح کفار کو مومن بھی کم دکھائی دیتے تھے اور ویسے حقیقتاً بھی کفار کی کثرت کے مقابلہ میں مومنوں کی تعداد مٹھی بھر تھی۔ اور اس میں اللہ سبحانہ کی مصلحت یہ کارفرما تھی کہ مومن کفار کی کثرت سے مرعوب نہ ہوں۔ لہٰذا جان توڑ کر لڑیں اور غلبہ حاصل کریں۔ اور کفار کی بھی ہمت پست نہ ہو اور بھاگ نہ جائیں بلکہ لڑ کر ذلت وخواری کا مزہ چکھیں اور اسلام کا رعب ان کے دلوں میں جاگزیں ہو۔ اور یہ فطری اصول ہے کہ جس طرح سہمے ہوئے اور ڈرپوک انسان کو ایک دشمن دو دکھائی دیتا ہے اور دس کا سو اس کو نظر آتا ہے۔ اسی طرح حاوی اور دلیر انسان کو دشمن سو کا دس اور دو کا ایک نظر آیا کرتا ہے۔ یہاں خداوند کریم نے مومنوں کے دلوں میں جرأت ودلیری بھر دی تاکہ دشمن باوجود کثرت کے ان کو کم معلوم ہوں اور کفار تو تھے ہی زیادہ اور ان کی نگاہوں میں مسلمانوں نے تھوڑا نظر آنا ہی تھا۔ اور فرشتوں کی امداد کو خدا نے ان سے پوشیدہ رکھ لیا۔ تاکہ جم کر لڑیں اور خوب مار کھا کر جائیں۔ ان کی بھی جرات کی حالت یہ تھی کہ ابوجہل آواز دے کر کہتا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جا کر ان کو ہاتھوں سے پکڑ لو اور گرفتار کر لو۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ: اس فقرہ کو دہرایا گیا ہے کیونکہ دونوں جگہ مطلب جدا جدا ہے پہلے مقام پر عیر یا نفیر میں سے ایک پر غلبہ کی خبر سنا کر مسلمانوں کو آمادہ کیا اور حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تاکہ بزدل نہ پڑیں اور ہونے والا امر ہو کر رہے یعنی خدا کی نصرت دیکھیں اور اسلام کی شوکت دیکھیں۔

پس گمراہ ہونے والا جان بوجھ کر گمراہ ہو اور ہدایت پانے والا دیکھ بھال کر راہِ ہدایت قبول کرے۔ چنانچہ ظاہراً لِيَهْلِكَ بدل ہے لِيَقْضِيَ سے اور دوسری جگہ دونوں فریق ایک دوسرے کو تھوڑے دکھائے گئے تاکہ خدا کا فیصلہ ہو کے رہے اور وہ ہے اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی شوکت کا مظاہرہ۔

مَفْعُوْلًاؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

بات جو ہونے والی ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا

اے وہ جو ایمان لائے جب ملاقات کرو لشکر سے تو ثابت رہو

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور یاد کرو خدا کو زیادہ تاکہ تم کامیاب ہو۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا

اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ آپس میں

وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

جھگڑو ورنہ کمزور ہو گے اور تمہاری شان چلی جائیگی اور صبر کرو تحقیق

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا

اللہ صابروں کے ساتھ ہے اور نہ ہو مثل ان کے جو نکلے اپنے گھروں سے

مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ

اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے اور وہ روکتے ہیں

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۴۷﴾

اللہ کی راہ سے اور اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے۔

رکوع نمبر ۲: فِئَةً: اس کا معنی ہے جماعت، لشکر، گروہ اور اس سے مراد کافر گروہ ہے کیونکہ مومنوں کو جس گروہ و لشکر کے مقابلے میں ثابت قدمی کا حکم دیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ کافر ہی ہو گا۔ اسی قرینہ کی بنا پر فئۃ کی صفت کافرۃً کو حذف کر دیا گیا ہے۔

فَتَفْشَلُوْا: فشل سے ہے اور اس کا معنی ہے خوف کی وجہ سے بزدلی کا پیدا ہو جانا۔

رِیْحُكُمْ: ریح کا معنی ہے عزت دولت، شان اور شوکت وغیرہ۔

وَلَا تَكُوْنُوْا: یعنی تمہاری حالت کفار مکہ کی طرح نہ ہونی چاہیئے۔ جو اتراتے ہوئے گاتے بجاتے ہوئے اور شراب نوشی و عیاشی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی شان دکھانے کے لیے نکلے۔ مروی ہے کہ ابو سفیان جب اپنا قافلہ بمعہ سامان تجارت صحیح و سالم بچا کر نکل گیا تو اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ اب واپس آ جاؤ۔ تو ابو جہل نے جواب دیا کہ بدر میں ضرور جائیں گے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مقام بدر عربوں میں ایک مشہور

میلہ گاہ تھا۔ جس میں سالانہ بڑا میلہ لگتا تھا اور اطراف وجوانب سے لوگ وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ ابوجہل کا خیال تھا کہ وہاں بدر میں تین روز قیام کریں گے۔ اونٹ نحر کریں گے لوگوں کے لیے عام لنگر جاری کریں گے۔ شراب کی محفلیں گرم ہوں گی اور رقص وسرور میں عیش وعشرت کا وقت گزاریں گے۔ پس تمام عربوں میں ہماری عظمت وشان کا ڈنکہ بج جائے گا۔ اور ان کے دلوں میں ہمارے رعب کا سکہ بیٹھ جائے گا۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور فوج اسلام کے ہاتھوں ان کی سب کرّوفر ختم ہوئی اور موت کے پیالے پی کر خازن جہنم کے مہمان جا ہوئے۔

وَاِذْ زَيَّنَ

کفار قریش کو شیطان کا بہکانا

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ

اور جب زینت دی ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو اور کہا کہ

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ

کوئی نہ غالب ہوگا تم پر آج لوگوں میں سے اور میں تمہارے ساتھ

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

ہوں پس جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ملے تو پلٹ گیا اپنی ایڑیوں

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ

پر اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم

اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع

نہیں دیکھتے تحقیق اللہ سے ڈرتا ہوں اور خدا سخت سزا دینے والا ہے

کہتے ہیں جب قریش مکہ نے بدر کی طرف تیاری کی تو ان کو بنی کنانہ کے ساتھ سابقہ دشمنی اور لڑائی کا خیال آیا تو ارادے سے چھوڑ بیٹھے پس ابلیس سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں آنمودار ہوا اور یہ سراقہ بنی کنانہ میں شریف قوم تھا۔ تو اس نے وعدہ کیا کہ آج تم پر کوئی غالب نہ ہوگا اور بنی کنانہ سے کسی قسم کا خطرہ نہ کرو۔ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ پس بدر میں پہنچے تو مسلمانوں پر خدا کی نصرت نازل ہوئی۔ اور ملائکہ کی صفیں اتریں جن کو ابلیس سمجھتا تھا اور وہ لوگ اس سے بے خبر تھے۔ پس جب دونوں فوجوں کی ٹکر ہوئی اس وقت ابلیس کے ہاتھ میں حارث بن ہشام کا ہاتھ تھا۔ فرشتوں کو دیکھ کر فوراً بھاگا حارث نے پوچھا یہ کیا ہے اے سراقہ؟ کیا اس حالت میں ہمیں چھوڑ کر تو جا رہا ہے؟ تو ابلیس نے جواب دیا میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ حارث نے کہا تو کیا دیکھتا ہے؟ یہ یثرب کے کمزور لوگ ہی تو ہیں؟ بس ابلیس نے حارث کے سینے میں ایک مکا مارا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جس سے باقی لوگوں پر بھی بزدلی چھاگئی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس نے فرشتوں کو نہیں دیکھا تھا بلکہ اس دشمن خدا کی ہمیشہ سے یہی عادت ہے کہ باطل کو حق کی ٹکر پر اکساتا ہے اور جب مشکل پڑ جائے تو خود کھسک جایا کرتا ہے۔ پس اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ کا معنی ہے کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ جب شکست خوردہ قریش واپس مکہ میں پہنچے تو انھوں نے سُراقہ سے کہا کہ تم نے خوب ہمیں مصیبت میں پھنسایا اور خود بزدل ہو کر بھاگ آئے۔ تو سُراقہ نے جواب دیا کہ میں تو بدر میں گیا ہی نہیں تھا اور نہ مجھے تمہارے جانے کا علم تھا بلکہ مجھے تو تمہاری شکست کے بعد واپسی کا پتہ چلا ہے اور بس جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تب انھیں معلوم ہوا کہ وہ شیطان ہی تھا۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

جب کہ کہتے تھے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری تھی کہ فریب دیا

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى

ان کو اپنے دین نے اور جو توکل کرے اللہ پر تو

اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ

تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر دیکھے تو

يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

جب کہ لیتے ہیں کافروں کو فرشتے (بوقت موت) مارتے ہیں ان کے

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ۵۰

منہ کو اور دبر کو اور یہ کہ چکھو جلنے کا عذاب۔

اہلِ معقول نے جن اور فرشتہ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جن وہ ناری جسم ہے جو ہر شکل اختیار کر سکے حتیٰ کہ کتا اور سور بھی بن سکے۔ اور فرشتہ وہ نوری جسم ہے جو ہر شکل میں ظاہر ہو سکے سوائے کتے اور سور کے پس ابلیس کا دار الندوہ میں قتل پیغمبر کے مشورہ کے لیے۔ شیخ نجدی کی شکل میں آنا بدر کے موقع پر سُراقہ کی شکل میں آنا متفقہ تاریخی مسئلہ ہے۔ اور اسی طرح جبریل کا دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر بارگاہ نبوی ہونا بھی مسلمہ تاریخی حقیقت ہے۔

رکوع نمبر ۳: اِذْ يَقُوْلُ: جب جنگ بدر کے لیے تھوڑی تعداد میں مسلمان بے ہتھیار نکلے تو کفار کی ظاہر کثرت دیکھ کر منافق آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اپنے دین نے دھوکا دیا ہے ان کا یہ خیال تھا کہ یہ مارے جائیں گے۔ لیکن خدا کا فیصلہ اپنی جگہ محفوظ تھا وہ اسلام کی شوکت بڑھانا چاہتا تھا کہ نہتے کمزور اور کم تعداد مسلمانوں کا مسلح طاقتور اور کثیر التعداد کفار کو بری طرح شکست دے کر

پسپا کرنا اسلام کی صداقت کی دلیل بن جائے۔ اور جہاں ایک طرف لوگوں کے دلوں میں اسلام کا سکہ بیٹھ جائے وہاں کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں کے دل سے احساس کمتری ختم ہو جائے۔

بروایت عیاشی تفسیر "برہان" و "صافی" میں منقول ہے۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کو پیاس کا شکوہ ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام مشکیزہ لے کر کنوئیں پر گئے پس ایک تند و تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ پھر دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو واپس آن کر حضرت رسالتمآبؐ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ پہلی مرتبہ جبرئیل ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ آرہا تھا۔ دوسری مرتبہ میکائیل اور تیسری مرتبہ اسرافیل ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ وارد ہوئے۔ انھوں نے آپ کو سلام بھی کہا ہے اور وہ ہماری نصرت کے لیے پہنچے ہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
یہ اس لیے جو بھیجا تمھارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ
کرنیوالا بندوں پر مثل طریقے آل فرعون کے

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اور ان کے جو ان سے پہلے کافر تھے ساتھ آیات خداوندی کے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ
پس ان کو پکڑا اللہ نے بوجہ ان کے گناہوں کے تحقیق اللہ قوی ہے سخت

ایک شخص کہتا ہے میں نے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ابوجہل کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا۔ وہ فرشتے کی مار کا نشان تھا۔ نیز ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھا کہ اس کا سر تن سے پرواز کر گیا آپ نے فرمایا۔ تجھ سے فرشتے نے اس کو پہلے قتل کر دیا۔ اور کہتے ہیں فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے کہ جب کافروں کو مارتے تھے تو ان کے زخموں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے۔ (مجمع البیان)

اِذْ يَتَوَفَّى: ظاہراً اگرچہ جنگ بدر کے ساتھ متعلق ہے لیکن اس کا معنی عام ہے اور تمام کفار پر موت اسی طرح سخت ہوتی ہے اسی بنا پر تو وارد ہے کہ مومن کے لیے موت جنّت کا دروازہ ہے کہ موت کی راحت دنیا کی گزشتہ تمام تکلیفات اس کو بھلا دے گی اور موت کافر کے لیے دوزخ کا دروازہ ہے کہ موت کی سختی سے دنیا کے تمام عیش و آرام اس کو بھول جائیں گے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :- کداب محلاً مرفوع ہے۔ خبر ہے مبتدائے محذوف کی یعنی دَاْبُهُمْ كَدَاْبِ اور اس کا معنی ہے طریقہ اور لفظ آل کی تحقیق اسی جلد میں گزر چکی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کفار کو اتمام حجّت کے بعد ہم عذاب کا مستحق قرار

دیتے ہیں جیسا کہ فرعونیوں یا ان کے قبل کافروں کو ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے میں گرفتار کیا۔

لَمْ يَكُ: اصل میں يَكُوْنُ تھا لم جازمہ کی وجہ سے نون کا ضمہ سکون سے بدلا تو واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی اور نون کو بنا بر کثرت استعمال تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا۔

الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا

سزا دینے والا ہے۔ یہ اس لیے کہ خدا نہیں بدلتا کسی نعمت کو

نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

جو کسی قوم پر انعام کرے یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہ اپنے نفسوں

وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ

کی حالت اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے مثل طریقے آل فرعون کے

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

اور ان کے جو ان سے پہلے تھے کہ جھٹلایا اپنے رب کی آیات کو

فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ

پس ہم نے ان کو ہلاک کیا بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا آل

وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ

فرعون کو اور سب ظالم تھے تحقیق بدترین زمین پر چلنے والے

علمی نکتہ

كَانَ يَكُوْنُ: کو ام الافعال کہا جاتا ہے۔ یعنی تمام فعلوں کی ماں کیونکہ كَانَ کا معنی ہے یا تھا اور يَكُوْنُ کا معنی ہوتا ہے یا ہوگا اور تمام فعلوں میں یہ معنی پایا جاتا ہے اپنے مادہ کے مفہوم کے علاوہ جیسے ضَرَبَ اس کا مادہ کے لحاظ سے معنی ہے مارا۔ لیکن اس میں ہے یا تھا کا معنی خود بخود پایا جاتا ہے۔ یعنی مارا ہے یا مارا تھا۔ اسی طرح يَضْرِبُ کا معنی مارتا ہے یا مارتا تھا یا مارتا ہوگا یا مارا ہوگا یا مارے گا وغیرہ تو بہرکیف كان یکون کا معنی ہر فعل میں پایا جاتا ہے بنا بریں یہ باب ام الافعال ہے پس جزم کی حالت میں بطور تخفیف اس کا نون حذف ہو جانے سے اس کے معنی میں کوئی خرابی نہیں پڑتی۔ اور لَمْ يَكُ لَمْ أَدْرِ کا معنی لم یکن اور لم ادر کا رہتا ہے۔ لیکن باقی افعال میں یہ چیز نہیں ہے۔

مُغَيِّرًا: یعنی خدا کسی قوم کی نعمت کو نہیں بدلتا جب کہ وہ خود نہ بدل جائیں۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے ایک نبی کو وحی کی کہ اپنی امت کو سنا دے۔ کوئی بستی اور کوئی قوم جو میری اطاعت پر ہوں اور خوشحال ہوں۔ پس میری خوشنودی کو چھوڑ کر میری ناراضگی کے کاموں میں لگ جائیں

اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ

اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کافر ہوئے پس وہ ایمان نہیں لاتے جن لوگوں

عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ

سے تم نے عہد لیا پس وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر دفعہ اور وہ نہیں

کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ

ڈرتے پس اگر ان کو قابو کر لو لڑائی میں تو عبرت دلاؤ

فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ

ان کے ذریعے بعد والوں کو تاکہ وہ نصیحت حاصل

یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ

کریں۔ اور اگر ڈرو کسی قوم کی عہد شکنی سے تو ان کو

تو میں بھی ان کی خوشحالی کو ایسی حالت میں بدل دیا کرتا ہوں جو ان کو ناپسند ہو اور اسی طرح اگر کوئی بستی یا کوئی قوم میری نافرمانی پر ہو۔ اور وہ سختی میں مبتلا ہوں۔ پس وہ میری معصیت سے میری خوشنودی کی طرف بدل جائیں تو میں بھی ان کی بدحالی کو خوشحالی کے ساتھ بدل دیتا ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا۔ میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ خدا کی قضائے محتوم و مبرم ہے کہ کسی پر وہ نعمت بھیج کر اس سے چھینتا نہیں جب تک کہ اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہو گیا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ شکر نعمت نعمت کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔ اور کفرانِ نعمت، نعمت کے سلب کا موجب ہو جاتا ہے۔

کَدَاْبِ: کی لفظ کو دو دفعہ دہرانے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ پہلے مقام پر کفار قریش کے کفر کی فرعونیوں کے کفر سے تشبیہ دے کر اخروی عذاب کے لیے دونوں کا یکساں طور پر مستحق عذاب ہونا بیان فرمایا۔ اور دوسری جگہ تکذیب آیات میں دونوں کا ایک جیسا ہونا بیان کر کے دنیاوی عذاب میں دونوں کی یکساں گرفتاری بیان فرمائی۔

الدَّوَآبّ: دابّہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے زمین پر چلنے والا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جنھوں نے عہد کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے درپے آزار نہ ہوں گے اور نہ ان کے خلاف دشمن کی امداد کریں گے۔ لیکن انھوں نے عہد کو توڑ دیا اور کفار کی جنگ خندق کے موقع پر کافی امداد کی اور یکے بعد دیگرے عہد شکنی کا کردار پیش کیا۔ پس ان کے متعلق حکم ہے کہ اگر تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کو ایسی عبرتناک سزا دو کہ بعد والوں کو ایسی حرکات کی جرات نہ ہو سکے۔ اور پھر ایک قانون بتلایا کہ جب بھی کسی قوم کی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور ان سے ایسے افعال معرض ظہور میں آئیں جو عہد و پیمان کے خلاف ہوں تو پہلے ان کو آگاہ کرو۔

اور اتمام حجت کرو۔ تاکہ تم دونوں کو برابر اطلاع رہے کہ اب عہد کی پاسداری ضروری نہیں رہی اور بغیر حجت تمام کیے ان سے نہ لڑو تاکہ وہ تم کو خائن نہ سمجھیں کیونکہ اللہ خائن کو دوست نہیں رکھتا۔

اور تفسیر برہان وصافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیتیں بنی امیہ کے حق میں اتریں اور وہی خلق خدا میں سے بدترین زمین پر چلنے والے تھے جنھوں نے باطن قرآن میں کفر کیا۔ (بہرکیف جو شخص بھی عہد خداوندی کو توڑ ڈالے وہ تاقیامت ان آیات کا باطنی مصداق ہو سکتا ہے۔)

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَـآئِنِيْنَ (۵۸)

پہلے آگاہ کردو برابر تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا خیانت والوں کو

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا

اور نہ گمان کریں وہ جو کافر ہیں کہ ہم نکل گئے تحقیق وہ ہم کو

يُعْجِزُوْنَ (۵۹) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

عاجز نہیں کر سکتے اور تیار کرو ان کے لیے جس قدر حاصل کر سکو

قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ

قوت اور گھوڑے بندھے ہوئے کہ رعب قائم کرو ان کے ذریعے

اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا

اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور دوسروں پر جو ان کے

رکوع نمبر ۱۴: سَبَقُوْا: یعنی جو کفار جنگ سے بچ کر بھاگ نکلے ہیں تو وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم نکل گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے بلکہ پھر کبھی ان کی باری آجائے گی یا یہ کہ جو کفار دنیاوی عذاب سے بچ کر مر جاتے ہیں ان کے متعلق وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے آخر قیامت کا دن باقی ہے۔ اور ہم ان کو دوبارہ زندہ کر کے پوچھ لیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ: قوت سے مراد باختلاف آرائے مفسرین۔ تیر اندازی یا اتفاق یا توکل یا مضبوط مورچے یا دیگر آلات حرب تلوار ڈھال وغیرہ اور رباط الخیل سے مراد دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے گھوڑے سرحد پر تیار رکھنا ہے۔

سیاہ خضاب!

دشمنِ دین کے مقابلے میں جہاں ظاہری فتح کے لیے اسبابِ جنگ اور آلاتِ حرب وضرب کی فراہمی کی ضرورت ہے وہاں جسم وضع و لباس کی سج دھج بھی دشمنانِ خدا کو مرعوب کرنے کا ایک بہترین اور کارگر حربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے جنگ خندق کی فتح کے موقعہ پر حضرت علیؑ کو نازو انداز سے چلتے ہوئے دیکھا۔ جب کہ آپ عمرو بن عبدود کا سر قلم کرنے واپس خراماں خراماں آرہے تھے اور کسی کہنے والے نے

زبانِ طعن دراز کی تو حضور نے فرمایا کہ اس چال کو خدا ناپسند فرماتا ہے لیکن اس وقت جبکہ دشمنِ دین کے مقابلہ میں جہاد کے لیے انسان نکلے تو یہ چال خدا کو نہایت پسند ہے یعنی میدانِ جہاد کارزار میں متکبرانہ چال بھی محبوبِ خدا ہے۔ کیونکہ وہ دشمنانِ دین پر رعب کا ہتھیار ہے۔ اسی طرح لباس میں شان نظر آئے اور وضع میں بھی خود جوانمردی کا مظاہرہ ہو۔ اسی بنا پر فرمایا ہے کہ بالوں پر سیاہ خضاب کرنا بھی دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار لگانے کے مترادف ہے۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ایک قوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی جبکہ آپ نے سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا تو انھوں نے اس کے متعلق پوچھا۔ پس آپ نے اپنی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فرمایا۔ لڑائی کے موقعہ پر جناب رسالتمآب ص نے اپنی فوج کو فرمایا تھا کہ بالوں پر سیاہ خضاب کر لو تاکہ دشمن کے مقابلے میں تمھاری قوت ظاہر ہو۔ یعنی یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے مقابلے میں بوڑھوں کی فوج ہے۔ گویا جوان بن کر جاؤ۔

بروایت فقیہہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سیاہ خضاب عورتوں کے لیے باعث انس و محبت اور دشمنوں کے لیے باعث رعب و ہیبت ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اسی آیۃ مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرنے میں سیاہ خضاب بھی داخل ہے۔

تَعْلَمُونَهُمْ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي

علاوہ ہیں کہ تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز

سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۶۰)

تم خرچ کرو گے راہِ خدا میں تو تم کو پوری دی جائیگی اور تم کو خسارہ نہیں دیا جائیگا

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

اور اگر وہ مائل ہوں واسطے صلح کے تو تم مائل ہو جاؤ اس کی طرف اور

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۶۱) وَإِن يُرِيدُوا أَن

اللہ پر توکل کرو تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تمھیں دھوکا دینا چاہیں

يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ

تو تحقیق تمھیں اللہ کافی ہے وہ وہی ہے جس نے تیری مدد کی

عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ: ان سے مراد مشرکین مکہ اور کفار عرب ہیں اور آخَرِينَ سے مراد یہودی لوگ یا اہل فارس یا منافق ہیں جو بوجہ خفیہ رہنے کے مومنوں پر اپنی دشمنی کو ظاہر نہ کرتے تھے۔

وَإِن يُرِيدُوا: پہلے حکم دیا کہ اگر وہ صلح کی خواہش کریں تو صلح کر لو۔ اور اس آیۂ مجیدہ میں فرماتا ہے اگر وہ صلح کے بہانہ سے تمھارے ساتھ دھوکا کرنا چاہیں تو تم اللہ پر توکل کرو۔ وہی تمھیں کافی ہے جس نے اپنے مخصوص

ذرائع سے اور مومنین کے واسطے سے پہلے بھی تمہاری امداد فرمائی۔

حضرت علی ناصر پیغمبر ہیں!

"تفسیر برہان" میں بروایت ابن بابویہ ابوہریرہ سے منقول ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ انا اللہ لا الہ الا انا وحدی لا شریک لی محمد عبدی و رسولی ایدتہ بعلی۔ یعنی میں اللہ ہوں کوئی لائق عبادت نہیں سوائے میرے میرا کوئی شریک نہیں محمد میرا عبد ہے اور اس کی مدد کی ہے۔ میں نے ساتھ علی کے اور ھُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وہ وہی ہے جس نے تمہاری تائید کی اپنی نصرت سے اور خدا کی نصرت سے مراد علی ہے اور بالمؤمنین میں بھی علی داخل ہے پس خدا کی بلاواسطہ نصرت بھی علی اور بالواسطہ نصرت بھی علی ہے۔ اور حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں اتری ہے اور ابن شہر آشوب نے تاریخ بغداد سے بروایت انس بھی یہی نقل کیا ہے کہ اس کا مصداق حضرت علی ہے۔ اس مضمون کی دوسری احادیث بھی مروی ہیں۔

اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ: قبل از اسلام قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان سخت دشمنی تھی جو بعد از اسلام دوستی سے مبدل ہو گئی اور یہی لوگ انصار تھے۔

وَمَنِ اتَّبَعَکَ: بروایت "حلیۃ الاولیاء" ابوہریرہ سے منقول ہے کہ اس کا مصداق بھی حضرت علی علیہ السلام ہے

بِنَصۡرِہٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ

بلاواسطہ بھی اور بذریعہ مومنوں کے بھی اور جمع کیا ان کے دلوں کو اگر تم

لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ

خرچ کرتے زمین میں جو کچھ ہے سب تو نہ جمع کر سکتے ان کے دلوں کو لیکن

بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ عَزِیۡزٌ

اللہ نے جمع کیا ان کو تحقیق وہ غالب

حَکِیۡمٌ ○ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ

دانا ہے۔ اے نبی تجھے اللہ کافی ہے اور وہ جنھوں

اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۴﴾ ع

نے تیری اتباع کی مومنوں سے۔

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے ان دونوں آیتوں کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی نصوص میں شمار کیا ہے۔ پہلی آیت ھُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور دوسری آیت یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ابن روزبہان ناصب متعصب نے پہلی آیت کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ واقعی اہل سنت

کی روایات میں یہ روایت موجود ہے کہ یہ آیت حضرت علی کیساتھ بدرجہ اولیٰ تعلق رکھتی ہے لیکن بایں ہمہ یہ آیت نص خلافت نہیں ہے۔

صاحب "دلائل الصدق" نے فرمایا ہے کہ "درِ منثور" سیوطی اور "کنز العمال" ج ۶، صفحہ ۱۵۸ میں نیز ینابیع المودۃ میں منقول ہے کہ عرش پر تحریر موجود تھی جو پہلے گزر چکی ہے۔ اور ابوھریرہ، ابن عباس اور انس بن مالک راویانِ حدیث نے اعتراف کیا ہے کہ آیت مجیدہ میں مومنین سے مراد حضرت علی ہی ہیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کا ایمان تمام مومنین کے برابر ہے۔ اسی لیے تو صیغہ جمع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو حضرت علی کی تمام مومنوں سے افضلیت ثابت ہو گئی اور امامت بھی منصوص ہو گئی۔ خصوصاً جب کہ حضرت علی کی تائید رسول کی تصدیق عرش پر بھی تحریر ہے۔ پس ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ علی افاضل مومنین میں سے ہیں۔ حضرت علی پر ظلم ہے اور ان کی حق تلفی ہے۔ آیت اور روایت تو صاف بتلاتی ہیں کہ علی افضل المومنین ہیں نہ کہ افاضل مومنین میں داخل ہیں۔ اور خداوند کریم نے علی کی تائید کو اپنی تائید کے ساتھ مقرون کر کے ان کی اہمیت کو اور اجاگر فرما دیا ہے۔

دوسری آیت کے متعلق ابن روزبہان نے کہا ہے کہ اگر ثابت ہو بھی کہ یہ حضرت علی کے حق میں ہے تو من جملہ فضائل علی یہ بھی ایک فضیلت ہے اس میں نص خلافت کی کوئی بات نہیں ہے۔ اور نیز اس نے کہا ہے کہ ظہور آیت عام مومنوں کے لیے ہے۔

تو صاحب "دلائل الصدق" نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ظہور آیت عام نہیں بلکہ خاص ہے کیونکہ یہاں مومنوں میں سے وہ شخص مراد ہے جو رسول کا متبع ہو اور اتباع میں قیود کا نہ ہونا بتلاتا ہے اتباع علی الاطلاق رکھتا ہو یعنی جملہ امور و فرامین رسالت میں ان کا تابع فرمان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی اطاعت کرے اور کبھی جی چرا لے کسی وقت جی ہاں! اور کبھی کبھی نہیں جی! کرنے والا نہ ہو بلکہ اطاعت رسول میں تن من دھن کی ہر قسم کی قربانی سے دریغ کرنے والا نہ ہو۔ اور کسی وقت بھی اس کا فعل خلافِ مرضی رسول نہ ہو۔ پس اس اتباع کا دوسرا نام تو عصمت ہی ہے۔ اور جو معصوم ہو بلاشک غیر معصوم پر وہ حاکم و امام ہے۔ اور تمام امت کا اجماع ہے کہ سوائے علی کے دوسرا اصحابہ رسول میں سے کوئی بھی معصوم نہیں۔

نیز رسول کی کفایت میں خدا کا اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ حضرت علی کا ذکر کرنا حضرت علی کی تمام مسلمانوں سے افضلیت میں نص قطعی ہے پس ان کی امامت ثابت ہے۔

رکوع نمبر ۵

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور میں اگر کفار کی تعداد مومنوں سے دس گنا زیادہ ہوتی تھی تب بھی جہاد واجب تھا اور اس سے کنارہ کشی گناہ تھی۔ کیونکہ بعد میں فرماتا ہے کہ اب خدا کی جانب سے تم پر تخفیف ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار دگنے ہوں تو جہاد واجب ہے اور اس سے کنارہ کشی حرام ہے۔ اگر دگنی تعداد سے زیادہ ہوں تو جہاد ساقط ہے۔ بنا بریں بعد از وفات پیغمبر حضرت علی پر ہر دو اصولوں کی رُو سے باعتبار ظاہر قرآن جہاد ساقط تھا لہٰذا ان کے سکوت پر اعتراض کرنا قرآن سے ناواقفیت کی کھلی دلیل ہے۔

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ

اے نبی! ابھارو مومنوں کو لڑائی پر اگر ہوں گے

یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ

تم سے بیس جم کر لڑنے والے غالب ہوں گے دو سو پر

وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اور اگر ہوں تم سے ایک سو تو غالب ہوں گے۔ ایک ہزار

بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ

پر ان میں سے جو کافر ہیں کیونکہ وہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ اب تخفیف کردی

عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ

اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر ہوں گے تم سے

لَا یَفْقَھُوْنَ : یعنی تمہارے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہو پس اس کی نصرت تمہارے شامل حال ہے اور وہ لوگ چونکہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اس لیے وہ نصرت خداوندی سے محروم ہیں اور مغلوب رہتے ہیں۔

تفسیر "برہان" میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب وفات پیغمبر کے بعد سقیفہ میں اجتماع ہوا اور عمر کے کہنے پر قنفذ کو علی کے بلانے کے لیے بھیجا گیا تو اس نے کہا تم کو خلیفہ بلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا پیغمبر نے سوائے میرے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ وہ واپس گیا۔ اور دوبارہ آ کر کہا کہ آپ کو مسلمانوں کے فیصلہ پر چلنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے رسول کی وصیت ہے کہ کفن دفن کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھوں جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ وہ واپس آیا اور پھر عمر بیع چند آدمیوں کے گیا۔ بی بی پاک نے دروازہ بند کر لیا اور ان کو خیال تھا کہ بغیر اذن اندر کوئی نہ قدم رکھے گا۔ لیکن عمر نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو کر حضرت علی کو مجبور کر کے لائے۔ بی بی پاک نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے علی کے سایہ سے محروم کرنا چاہتے ہو اگر تم باز نہ آؤ گے تو میں بال پریشان چاک گریبان اپنے بابا کی قبر پہ جا کر فریاد کروں گی۔

چنانچہ حسنینؑ کو ساتھ لیکر قبرِ پیغمبرؐ کا رخ کیا تو حضرت علیؑ نے سلمان سے فرمایا۔ اگر بی بی نے گریبان چاک کر کے بال پریشان کر کے پیغمبرؐ کی قبر پر فریاد کی تو مدینہ پر عذاب خداوندی آجائے گا۔ پس سلمان نے آکر عرض کی تو بی بی نے فرمایا کہ علیؑ کے قتل پر مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ سلمان نے عرض کی مجھے بھی علیؑ نے بھیجا ہے تو بی بی نے فرمایا۔ پس میں صبر کرتی ہوں۔ پس جب حضرت علیؑ کو لے چلے اور قبرِ پیغمبرؐ کے پاس سے گذرے تو حضرت علیؑ نے قبرِ پیغمبرؐ کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی یابن امّ انّ القوم استضعفونی ..... الخ عمر نے کہا بیعت کرو۔ حضرت نے فرمایا اگر نہ کروں تو پھر؟ پس عمر نے جواب دیا ہم قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا تم اللہ کے بندے اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کرو گے تو عمر نے جواب دیا۔ اللہ کا بندہ تو ٹھیک لیکن ہم رسولؐ کا بھائی تسلیم نہیں کرتے اور تین دفعہ اس فقرہ کو دھرایا۔ یہی کے آخر میں ہے حضرت علیؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا اگر تیرے پاس بیس آدمی بھی جمع ہو جائیں تو جہاد کرنا اور تو نے بھی اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر بیس صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ اے اللہ ایسے آدمی بھی موجود نہیں ہیں۔ تین دفعہ یہ فقرہ آپ نے دہرایا۔ حَتّٰی یُثْخِنَ: جنگِ بدر میں مسلمانوں کے نو آدمی یا گیارہ آدمی شہید ہوئے جن میں چار قریشی تھے اور باقی انصار تھے اور سعد بن خثیمہ انصاری اسی جنگ میں شہید ہوا اور مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے اکثر حضرت علیؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے اور باقی سب مسلمانوں نے مارے تھے اور ستر آدمی ان کے قیدی ہوئے جن میں حضرت عباسؓ رسولؐ کے چچا بھی تھے۔ ان قیدیوں کو رسیوں سے جکڑ کر کھڑا کر دیا گیا تھا قیدیوں میں حضرت عباسؓ کراہنے کی آواز سن کر حضرت پیغمبرؐ کو نیند نہ آئی جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا۔ میرا چچا عباس کراہ رہا ہے اس لئے مجھے نیند نہیں آرہی ہے پس اسکو چھوڑا گیا تب آپ سوئے آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اگر چاہو تو ان قیدیوں کو قتل کر دو۔ اور اگر چاہو تو ان کو چھوڑ دو اور ان کا فدیہ لے لو لیکن ان کے بدلے میں تمہارے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے مسلمانوں نے کہا ہمیں فدیہ لینے دیجئے اور اگر بعد میں ہمارے اسی قدر آدمی شہید ہو بھی گئے تو ہم راضی ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور دوسرے سال جنگِ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ آیت مجیدہ میں اسی بات کا حوالہ ہے کہ نبی کے لئے درست نہیں کہ اس کے پاس

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا

ایک سو جم کر لڑنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم سے ایک ہزار

أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ مَا كَانَ

تو غالب ہوں گے دو ہزار پر بحکم خدا اور اللہ ساتھ صابرین کے ہے نہیں ہے

لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ

نبی کے لئے کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ سختی کرے زمین میں تم چاہتے ہو

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

فائدہ دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب دانا ہے

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ

اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کا پہلے تو البتہ پہنچتا تمہیں اس کے بارے میں جو تم نے لیا ہے

قیدی ہوں تاکہ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دے یا ان پر احسان کر کے چھوڑ دے بلکہ اس کا فرض ہے کہ سختی کرے اور کفار کو قتل کرے تاکہ دوسروں پر اسلام کا رعب قائم ہو کیونکہ یہ پہلا جہاد تھا اور انہیں سختی کی ضرورت تھی نہ کہ بزدلی کی۔ لَوْلَا کِتٰبٌ۔ یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ بغیر اتمام حجت کے وہ عذاب نہیں بھیجتا اور چونکہ تم لوگوں نے فدیہ لے لیا ہے اور اس سے قبل خدا کا امتناعی حکم موجود نہ تھا ورنہ اگر پہلے تم پر حجت تمام ہو چکی ہوتی تو اب ایسا کرنے سے تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔

رکوع ۶ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ بدر کے وہ قیدی جو مسلمان ہو گئے اور وہ عباسؓ و عقیلؓ

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝٦٨ فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

عذاب بڑا پس کھاؤ اس سے جو لیا تم نے درحالیکہ وہ حلال و طیب ہے اور ڈرو اللہ سے

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝٦٩ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے نبی کہدو ان کو جو تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں اگر جانے

الْاَسْرٰۤی ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ

گا اللہ تمہارے دلوں میں اچھائی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے

مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا

لیا گیا ہے اور بخشے گا تم کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ارادہ کریں تمہاری

خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ

خیانت کا تو تحقیق خیانت کر چکے ہیں اللہ کی اس سے پہلے پس تم کو غلبہ دیا ان پر

حَكِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

اور اللہ جاننے والا دانا ہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا

اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں (مہاجر) اور جن لوگوں نے پناہ دی

اور نوفل بن حارث تھے۔ ان کے لئے خطاب ہے کہ اے پیغمبرؐ ان کو کہدو اگر تمہاری نیت میں خلوص ہے تو جو فدیہ تم لوگوں سے لیا گیا ہے خدا تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا اور جناب رسالتمآبؐ کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے حق میں اتری ہے کہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا لیا گیا تھا (ہر اوقیہ بیس مثقال ہوتا ہے اور مثقال تقریباً نصف تولہ کے برابر ہوتا ہے) اور اس کے بدلے میں مجھے بیس غلام ملے کہ ان میں کم سے کم کی قیمت بھی بیس ہزار درہم تھی اور مجھے زمزم عطا ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جمیع اموال مکہ سے یہ بہتر ہے اور اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ بروایت قتادہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز ظہر کیلئے وضو کر چکے تھے کہ بحرین کا مال اسی ہزار پہنچ گیا اور آپ نے نماز سے پہلے اس کو تقسیم کر دیا اور عباس کو حکم دیا کہ تم اسے اٹھا لو تو عباس کہتے تھے کہ یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے جو مجھ سے لیا گیا تھا۔ اور اللہ سے بخشش کی امید کرتا ہوں فَاَمْكَنَ یعنی اَمْكَنَكَ ان کی پہلی خیانت کفر و شرک تھی پس خدا نے ان پر حضورؐ کو تسلط دے دیا اور فرماتا ہے اگر پھر خیانت کریں گے تب بھی خدا کو ان پر قدرت حاصل ہے وہ پھر انتقام لے لے گا۔

وَلَايَتِهِمْ: بعضوں نے ولایت کا معنی وراثت کیا ہے کہ جو مسلمان ہجرت کر چکے تھے وہ ہجرت نہ کرنیوالوں کی وراثت کے حق دار نہیں تھے کیونکہ اسوقت مہاجر و غیر مہاجر میں ایک دوسرے کی وراثت کا حق نہ تھا اور بعضوں نے اس کا معنی مدد و نصرت کیا ہے۔ یعنی ہجرت نہ کرنے والوں کی دنیاوی امور میں تمہارے اوپر مدد واجب نہیں۔ ہاں اگر دین کے بارے میں ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرو بشرطیکہ تمہاری امداد ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا عہد و پیمان قائم ہے پس اگر تمہارے ساتھ عہد و پیمان رکھنے والوں کے خلاف غیر مہاجر مسلمان تم سے مدد کی خواہش کریں تو اس صورت میں انکی مدد نہ کرو کیونکہ عہد شکنی لازم آئیگی۔

أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا

اور مدد کی (انصار)، وہ بعض دوست ہیں بعض کے اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی

مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُو

تو نہیں تمہارے لئے انکی مدد کرنا کچھ بھی یہاں تک کہ ہجرت کریں اور اگر تم سے مدد چاہیں

كُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

دین میں تو تم پر ان کی مدد کرنا ہے مگر اس قوم کے خلاف کہ تم میں

وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ

اور ان میں عہد ہو اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے اور جو لوگ

كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

کافر ہیں بعض دوست ہیں بعض کے اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ

فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا

اور فساد ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور

وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا

جہاد کیا راہ خدا میں اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

وہ ہی سچے مومن ہیں ان کے لئے بخشش اور پاکیزہ رزق ہے

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ: یعنی جو تم کو حکم دیا گیا ہے کہ مومن ایکدوسرے کے دوست بن کر رہیں اور ایکدوسرے کی آڑے وقت میں امداد کریں اور کفار سے دست بردار رہیں اگر اس ہدایت پر تم عمل نہ کرو گے تو فتنہ عظیم بپا ہوگا کیونکہ غیر مہاجر مسلمان اگر تم سے دینی امداد کی توقع بھی نہ رکھیں تو وہ بالآخر کفار کے دام تزویر میں پھنس جائیں گے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: پھر مہاجرین و انصار کی مدح فرما رہا ہے کہ وہ لوگ سچ مچ مومن ہیں اور مدح ان لوگوں کی ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے ورنہ جو لوگ بعد از پیغمبر یا زمان پیغمبر میں ایمان سے مرتد ہو گئے تو اس قسم کی مدحیہ آیات کے مصداق سے خارج ہیں۔

ہجرت: دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا بڑی فضیلت ہے اسی بناء پر تو ہے کہ بدوی شخص مہاجر کا پیش نماز نہ ہو یا پیش نماز کثیر ہوں تو اسکو ترجیح دی جائے جو ہجرت میں سابق ہو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہجرت کا معنی کیا ہوگا؟ تو بعض علمائے اعلام نے ذکر کیا ہے کہ مومن جس جگہ اپنے

شعائرِ مذہب کو دشمنانِ دین کے غلبہ کی وجہ سے قائم نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرے اور وہاں جائے جہاں مذہبی امور کی ادائیگی کر سکے۔ اسی طرح جہاں کوئی عالمِ دین موجود نہ ہو جو واجباتِ شرعیہ کی تعلیم دے تو وہاں سے ہجرت کر کے ایسے مقام کو جائے سکونت بنائے جہاں دین کا سیکھنا ممکن ہو نیز طلبِ علم کیلئے وطن چھوڑ کر عالمِ مسافرت میں وقت گزارنا اگرچہ اصطلاحی طور پر ہو اس کو ہجرت نہیں کہا جا سکتا لیکن ثواب اور فضیلت میں اس سے کم بھی نہیں ہے۔

تنبیہ :- اس رکوع میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا :- تین مرتبہ دہرایا گیا ہے لیکن ہر ایک مقام پر غرضِ بیان جدا جدا ہے پہلے جس مقام پر ذکر ہوا ہے وہاں مہاجرین و انصار کی باہمی برادری و انس و محبت کے متعلق ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور چونکہ قدیمی دستور کے ماتحت وراثت بھی عقدِ مواخات و محبت کی بناء پر تقسیم ہوا کرتی تھی پس آیتِ مجیدہ میں ہر مہاجر اور غیر مہاجر کے درمیان سے ولایت کی نفی کی گئی کہ ان کا آپس میں سلسلہ وراثت بھی منقطع ہے اور دوسرے مقام پر جہاں اس فقرہ کا اعادہ کیا گیا ہے وہاں ہجرت کی فضیلت ذکر کی ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان بغیر عذر کے نہ ہجرت کرنے والوں سے افضل ہیں بلکہ ان کا ایمان حق اور وہ مومن حق ہیں پھر تیسرے مقام پر اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ مبادا لوگ یہ سمجھیں کہ اب سے پہلے جو لوگ ہجرت کر چکے ہیں صرف وہی اس فضیلت کے حق دار ہیں اور بعد کے ہجرت کرنیوالے اس فضیلت سے محروم ہونگے پس ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو لوگ بعد میں ہجرت کریں گے وہ بھی اس فضیلت کے مالک ہوں گے

كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ

فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي

تو وہ تم میں سے ہیں اور صاحبانِ رحم بعض زیادہ قریب ہیں بعض سے

كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

کتابِ خدا میں تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ :- یہ آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے کہ اب وراثت عقدِ مواخات و محبت کے ماتحت نہ ہو گی بلکہ بلحاظ رشتہ ہو گی۔ اور اس سلسلہ میں بھی بعض بعض سے اولیٰ ہیں چنانچہ بناپر نسب کے وراثت کے لئے تین طبقے مقرر ہیں پہلے کی موجودگی میں دوسرا محروم اور دوسرے کی موجودگی میں تیسرا محروم ہوگا اور قاعدہ کلیہ یہ کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوگا چنانچہ مسئلہ کی تفصیل تفسیر کی چوتھی جلد میں گذر چکی ہے والحمد للہ

آج صبح ۱۰ بجے بروز سوموار بتاریخ ۶ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰ اپریل ۶۳ء سورۃ انفال کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں۔ خدا سے دعا ہے کہ بصدقہ محمدؐ و آلِ محمدؐ مجھے اپنی پاک کتاب کی پوری تفسیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مرکز احیاء آثار برصغیر
MAAB 1431
maablib.org

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۲۰ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-6-1977

ذاکرین و واعظین کے لئے تازہ ترین عظیم الشان پیش کش

المجالس الفاخرہ فی اذکار العترۃ الطاہرہ

مواعظ مؤثرہ فضائل مونقہ اور مصائب مبکیہ کا بہترین مجموعہ ہے اور مصنف تفسیر انوار النجف کی ذاتی مجالس کا مکمل نچوڑ ہے۔ قیمت بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ ہر شخص استفادہ کر سکے، اولین فرصت میں طلب کر لیجئے۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا —— قیمت —— ایک روپیہ غیر مجلد

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف

زیر نظر کتاب تفسیر کی چھٹی جلد آپ کے سامنے ہے۔ کتاب اللہ کی آسان اور سلیس اردو زبان میں اس تفسیر سے بہتر آج تک کوئی تفسیر نہیں چھپ سکی۔ ہر پڑھے لکھے گھرانے میں اس تفسیر کا ہونا ضروری ہے۔ خود بھی پڑھئے اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس کی توسیع اشاعت کر کے علوم قرآنیہ کی ترویج میں حصہ لیجئے۔ بلکہ چار مستقل خریدار مہیا کر کے مکمل تفسیر مفت حاصل کیجئے۔ ہدیہ فی جلد غیر مجلد۔ پانچ روپے۔

ہر دو کتابوں کے ملنے کا پتہ

مکتبہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں

مولوی غلام حیدر صاحب دار العلوم محمدیہ سرگودھا بلاک ۱۹

جامعہ علمیہ باب النجف

انتہائی پس ماندہ اور دور افتادہ علاقہ میں یہ قومی ادارہ عرصہ نو برس سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے اس کی پشت پناہی پر کسی نواب رئیس یا تاجر کا کوئی ہاتھ نہیں۔ صرف قومی چندہ ہی اس ادارہ کی کفالت کر رہا ہے۔ لہذا خمس زکوۃ فطرہ کھال ہائے قربانی اور نذر نیاز وغیرہ سے اس ادارہ کی امداد کر کے اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کے علاوہ علوم آل محمد کی ترویج میں حصہ لیجئے اور اس ادارہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیے تاکہ زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کو انجام دینے کے قابل ہو سکے۔

ترسیل زر کا پتہ

پرنسپل جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں

maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

maablib.org